

آبادی کا مسئلہ: آبادی کے مسئلہ کو سماجی علوم باخصوص سماجیات اور معاشیات میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ تھامس مالٹھس نے 1798 میں ایک مضمون شائع کیا۔ کوہ خود مالٹھس نے اپنے پیشروؤں کی کوشش کا اعتراف کیا ہے جنھوں نے اس موضوع کی طرف توجہ کی تھی۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اپنی نوعیت کا یہ پہلا تجرباتی اور تحقیقی مطالعہ تھا جس نے آگے چل کر علم آبادیات // Demography // کی بناء ڈالی۔ مالٹھس نے اپنے مقالہ میں بتایا کہ انسانی آبادی ہند سی شرح میں بڑھتی ہے یعنی 32-8-4-2 کے حساب سے دگنی ہوتی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف زرعی پیداوار کی شرح حسابی ہوتی ہے۔ یعنی 10-8-4-2 وغیرہ۔ اس اعتبار سے مالٹھس نے بتایا کہ انسانی آبادی میں ہر چھیس سال میں دو گناہو جانے کا رجحان پایا جاتا ہے جب کہ زرعی پیداوار میں اس شرح سے اضافہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر آبادی کے اضافہ کی رفتار پر کنٹرول نہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بالآخر سخت بحرانی حالات سے سماج کو دو چار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ مالٹھس نے بتایا کہ اگر مصنوعی اور سائنسی طریقہ سے آبادی پر قابو نہ پایا جائے تو ایک طرف غربت اور افلas کی وجہ سے بیماریاں پھیلیں گی اور دوسری طرف جنگیں شروع ہو جائیں گی۔ اس طرح انسانی آبادی کو محدود ہونا پڑے گا۔ مالٹھس کے نظریہ آبادی پر بہت سے اعتراضات کیے گئے۔ جس میں ایک اہم اعتراض یہ تھا کہ ہند سی اور حسابی شرح کی توضیح صحیح نہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مالٹھس کے زمانہ ہی میں سائنسی ایجادات اور صنعتی انقلاب کی وجہ سے زرعی پیداواروں میں بھی تیز رفتاری سے اضافہ شروع ہو گیا تھا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آبادی اور پیدائش دولت کے مابین مسابقت کی جانب مالٹھس نے جو اشارہ کیا تھا وہ

بہر حال قابل توجہ ہے اور خصوصاً موجودہ صدی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد اس مسئلہ کی اہمیت پر از سرنو توجہ دی جانے لگی ہے۔

آبادی کے مسئلہ کے تعلق سے جو مباحث ماہرین معاشیات و سماجیات نے کیے ہیں ان میں آبادی کے مسائل کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

کثرت آبادی // Over Population // : اس سے مراد وہ آبادی ہے جس میں افراد کی تعداد معاشری وسائل کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو اور اس ملک کی معاشری پیداوار اس آبادی کی اقل ترین ضروریات کی تکمیل کرنے سے قاصر ہو۔

قلت آبادی // Under Population // : اس سے مراد ایسی آبادی ہے جو ملک کے قدرتی وسائل اور نظام معيشت کے لیے ناکافی ہو۔ یا جس آبادی سے موجود معاشری وسائل سے پورا استفادہ اس لیے نہ کیا جاسکے کہ آبادی کم ہے۔

متوازن آبادی // Appropriate Population // : اس سے مراد ایسی آبادی ہے جس کا معاشری وسائل سے ممکنہ بہترین توازن پایا جائے۔ یعنی معاشری وسائل اور آبادی کا آپسی میل اعلیٰ ترین پیداوار کا ضامن ہو۔

یہاں یہ بارہ کھنا ضروری ہے کہ یہ تینوں تصورات اضافی ہیں کیونکہ آبادی یا معاشری وسائل کا توازن بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ عین ممکن ہے کہ کسی خاص وقت پر کسی خطے کی آبادی اس ملک کی معيشت کے لیے بار ہو اور اسے کثرت آبادی کا نام دیا جائے۔ لیکن چند معدنی وسائل

کی دریافت کی وجہ سے یا صنعتی ترقی کے نتیجے کے طور پر اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہی آبادی جس پر کثرت کا گمان تھا پدلوے ہوئے حالات میں معاشی پیداوار کے لیے ناقافی سمجھی جانے لگی۔ یہی حال قلت آبادی کا بھی ہے۔ جہاں تک کہ متوازن آبادی کا سوال ہے یہ محض ایک خیالی نکتہ ہے جس کا قطعی تعین کسی سماج میں کرنا مشکل ہے۔ اور یہ کہنا بہت دشوار ہے کہ کس وقت آبادی اور وسائل پیداوار کا بہتر آہنگ کون سا ہوگا۔

ماتھس نے یہ واضح کیا تھا کہ ابتداء میں ہر سماج میں قدرتی توازن تھا کیونکہ پیدائش اور موت کا تناسب برابر تھا۔ معاہجاتی ترقی کے سبب کثرت اموات پر قابو پالیا گیا اس کے بعد تناسب لڑکھڑا گیا۔ آبادی بے تھاشا بڑھنے لگی۔ اس کے کچھ شاگردوں نے کہا ہے کہ سائنسی ترقی کے ساتھ پیدائش میں بھی کمی ہوگی۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا جب پیدائش بہت کم ہو جائے گی اور سماج بتدریج مرنے لگے گا۔ یہ صورت حال سوئیڈن وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آبادی کا مسئلہ دراصل آبادی اور زمین کے تناسب کا مسئلہ ہے۔ آبادی زمین // Manland Ratio کا تناسب پیدائش دولت کے طریقوں میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ مسلسل بدلتا رہتا ہے۔ دراصل آبادی کے مسئلہ کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ کسی ملک کی آبادی کو اس نکتہ پر لاایا جائے جب کہ بہتر پیدائش دولت ممکن ہو اور اس سے زیادہ پیداوار ان حالات میں ممکن نہ ہو۔

موجودہ زمانہ میں آبادی کے مسئلہ کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اور اس کے لیے ایک علاحدہ علم آبادیات کی بنیاد پڑھی ہے۔ اس علم میں مردم شماری کے رجحانات کا تحقیقاتی تجزیہ کیا جاتا ہے اور شرح

پیدائش، شرح اموات اور پیدائش دولت کے مابین جو ربط پایا جاتا ہے اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ دنیا کی آبادی اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ بڑھ رہی ہے کہ آج کل کے زمانہ میں اس کو دھمکہ خیز اضافہ آبادی // کی صورت حال بہت سنگین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ضبط تولید اور خاندانی منصوبہ بندی پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف تنظیمیں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ آبادی کا مسئلہ دنیا میں سب سے زیادہ بھارت کے تناظر میں اہم ہے۔ اس کے کچھ قابل ذکر پہلو یہ ہیں۔

// 1 // اکیسویں صدی میں داخل ہونے والی دنیا کا ہر پانچواں آدمی ہندوستان ہوگا۔

// 2 // ہندوستان یخیں دھمکہ خیز انداز میں آبادی بڑھ رہی ہے اس طرح پر نو دن بعد ایک چندی گڑھ ہر مہینہ کے بعد دو بھوپال اور ہر آٹھ مہینے بعد ایک آسٹریلیا ہندوستان کی آبادی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

// 3 // 2035 تک ہندوستان چین کو پیچے چھوڑ جائے گا۔

// 4 // تقریباً آدھا اضافہ صرف پانچ صوبوں بہار، مدھیہ پردیش، آسام، راجستھان اور اتر پردیش میں ہوگا۔

اس اضافہ آبادی کے لیے ذمے دار اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

// 1 // پیدائش اور موت کے تناسب میں عدم توازن۔

// 2 // بچپن کی شادیاں۔

// 3 // جہالت اور ناواقفیت۔

// 4 // مذهب ضعیف الاعتقادی اور ضبط تولید کی مخالفت۔

// 5 // غربی اور دلستگی کے ذرائع کی عدم دستیابی۔

حالات میں تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ آبادی سے متعلق پالیسیاں بھی کئی قسم کی بنائی گئیں۔

1952 میں پہلی پالیسی بنی تھی تو 1959 میں دوسری۔ لیکن ایم ایم پالیسی بنی 1972 میں جب کرن سنگھ وزیر صحت تھے۔ اس میں کئی نکات شامل تھے۔ 1979 ورکنگ گروپ نے اس کو اور زیادہ جامع بنایا۔ 1993 میں سوامی ناٹھن مکیٹھی بنی جس نے آبادی کے مسئلہ کو ترقیاتی منصوبوں سے جوڑ دیا۔

اتنی کوششوں کے اور دنیا کا سب زیادہ بڑا ضبط تولید پروگرام پھلے چار دہوں سے چلانے کے باوجود ہماری آبادی دنوں دن بڑھ رہی ہے۔ ہندوستان کی غربی کے اسباب میں بڑھتی ہوئی آبادی سرفہرست ہے۔ دراصل غربی آبادی کے اضافے کی اور آبادی غربی کی بڑھتی رفتار کے لیے ذمہ دار ہیں اس طرح یہ ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔

آدم اسمٹھ // Adam Smith, 1723-1790 : آدم اسمٹھ مشہور انگریز مفکر گزر ہے۔ جس نے اٹھار ہویں صدی میں سماجی علوم کی بنیادوں کو مسحکم کیا۔ اپنی تصنیفات کی وجہ سے اسمٹھ کو معاشیات کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اٹھار ہویں صدی کے عظیم مفکروں کی نظر دراصل بدلتے ہوئے سماجی ڈھانچے کے تمام پہلوؤں پر ہوتی تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اسمٹھ نے معاشی جدوجہد پر زیادہ توجہ دی۔ اس کی دو تصنیف بہت اہم ہیں۔ پہلی تصنیف اخلاقی جذبات کا نظریہ ہے جو 1759 میں چھپی۔ اور دوسری اہم تصنیف "دولت اقوام" ہے جو 1776 میں شائع ہوئی۔ ان تصنیف کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ

آدم اسمتحہ اپنے دور کے بدلتے ہوئے سماج کا بغور مطالعہ کر رہا تھا اور اس کو اس بات کا احساس شدت سے تھا کہ سماجی ترقی کا انحصار معاشی ترقی اور پالیسی پر ہے جس کے تقسیم کار اور پیدائش دولت کے مختلف طریق کا بغور مطالعہ ضروری ہے چنانچہ اسمتحہ نے قدیم روم اور یونان سے لے کر اپنے دور تک کے معاشی اداروں کا بغور جائزہ لیا اور معاشی طریق کے عالمی تجزیہ کی کوشش کی۔ اسمتحہ کی تصانیف سماجیاتی تجزیات سے خالی نہیں ہیں جس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اسمتحہ وہ پہلا شخص ہے جس نے معاشیات کو سیاسی معاشیات سے الگ کیا اور ساتھ ہی معاشی اداروں کا سماجی اداروں اور تقسیم کار سے گہرا تعلق بتایا۔ اسی وجہ سے اس کی تحریرات سماجیاتی نکات سے بھرپور ہیں۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ معیشت سے سیاست کی علاحدگی کے ساتھ ساتھ اسمتحہ نے انصاف کے تصور پر بحث کی۔ اسکی تحریرات کا یہ اخلاقی پہلو دراصل معاشیات کے سماجی پس منظر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہاں یہ جانا ضروری ہے کہ آدم اسمتحہ مکمل طور پر سرمایہ دار اہن نظام کا حامی تھا۔ اخلاقیات کے باوجود اس نے محنت کش طبقے کی مشکلتوں کو اہمیت نہیں دی۔

آدم خوری // Cannibalism // : دنیا کے مختلف حصوں میں کھدائی سے جو مواد اب تک ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ بیندنیا کے تقریباً سبھی حصوں میں انسانی گوشت کھانے کی رسم موجود تھی لیکن عام طور پر یہ رسم مذہبی تقریبیں کا جزو ہوتی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ انسانی گوشت صرف غذا کے لیے استعمال ہوتا ہو سوائے ایسی صورت کے جبکہ سخت قحط وغیرہ کا سامنا ہو۔ عام طور پر یہ مظلوم انسان دشمن کے قبیلوں کے ہوتے تھے۔ ویسے بہت ہی ابتدائی زمانہ میں جب دو قبیلوں میں لڑائی ہوتی تو ہارنے

والي قبليے کے سب لوگوں کو قتل کر دیا جاتا اس لیے کہ اس زمانہ میں غذا کا حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ بعد میں جب انسان نے اس مسئلہ پر تھور اقبال حاصل کیا۔ کاشت کاری اور مویشیوں کی پرورش شروع ہوئی تو یہی قیدی غلام بنائے جانے لگے۔

ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بعض علاقوں میں جب کوئی رشتہ دار مر جاتا تو احترام کے طور پر اس کے کچھ حصہ کو غذا بنایا جاتا۔ بعض جگہ سر کو دفن کر کے باقی حصہ کو کھایا جاتا۔ انیسویں صدی میں افریقہ اور بحر الکاہل کے بعض جزائر میں کھوج کار پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ بعض ایسے علاقوں میں، جو ساری دنیا سے بالکل منقطع تھے اور جہاں غذا کا حصول بہت مشکل تھا، مردم خوری اب تک رانج تھی۔

غلاموں کے سود اگر اپنی تجارت کو اخلاقی نقطہ نظر سے درست قرار دینے کے لیے فخریہ یہ بیان کرتے تھے کہ افریقی آدم خوروں کو انہوں نے مہذب سوسائٹی میں پہنچا کر آدم خوری بند کروادی۔ تاریک براعظم میں اکثر اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے والے مشنری عیسائی لوگوں کو بھی بطور سزا افریقی قبائلی پکا کر کھاتے رہے ہیں۔ کاشت کاری پر مختصر سماجوں میں اس قسم کے رواج نہیں تھے۔ ہندوستان میں کہیں بھی اس کے آثار نہیں ملتے۔ تہذیب کے دوسرے دور میں جب انسان زمین سے غله اگانے لگا تو یہ رسم بند ہو گئی۔ لیکن انیسویں صدی تک انتہائی پچھڑے ہوئے علاقوں میں باقی رہی۔ اب یہ تقریباً مفقود ہے۔

آڈٹ // Audit : آڈٹ، طریقہ حساب فہمی کو کہتے ہیں۔ دفاتر اور عوامی اداروں کے مالی معاملات پر نظر رکھنے کے لیے سرکاری طور پر آڈٹ کاررواج ہے۔ ہر ماں سال گزرنے کے بعد ان دفاتر اور تنظیموں کے حسابات کی جائزگی کی جاتی ہے جنہیں سرکار سے مالی امداد ملتی ہے تاکہ اگر کوئی بد انتظامی یا بد معاملگی ہو

تو وہ نظر میں آجائے اور اس کا انسداد کیا جاسکے۔ پہلک لمبیٹہ کمپنیاں بھی ہر سال اپنی آمدی اور اخراجات کے تعلق سے حسابات کا آڈٹ کرتی ہیں تاکہ غلط اخراجات کی نشاندہی ہو سکے اور حکومت کو ادا کیے جانے والے ٹیکسوں میں گٹبرنہ ہو۔

آڈٹ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک پری آڈٹ دوسرا پوسٹ آڈٹ۔ پری آڈٹ کی صورت میں کسی بھی قسم کی ادائیگی آڈٹ کے بعد ہی کی جاسکتی ہے لیکن عموماً پری آڈٹ کے طریقہ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ آڈیٹر حکومت کے مقرر کردہ ہوتے ہیں اور ڈائئرکٹ آڈٹ واکاؤٹس کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔

آرٹیکل آف اسوسی ایشن // Article of Association // : آرٹیکل آف اسوسی ایشن ان قواعد کو کہتے ہیں جو کمپنی کے اندر ورنی انتظامات کے لیے مرتب کیے جاتے ہیں۔ آرٹیکلس آف اسوسی ایشن // کمپنی کے انصرام کار کو منضبط کرتے ہیں اور میمورنڈم آف اسوسی ایشن ان مقاصد کو واضح کرتا ہے جس کے لیے کمپنی قائم کی گئی ہو۔ ایک لمبیٹہ پہلک کمپنی کو آرٹیکل آف اسوسی ایشن داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان لمبیٹہ // Unlimited // کمپنی یا لمبیٹہ کمپنی میں گارٹنی یا کسی پرائیویٹ کمپنی کو اپنے آرٹیکل آف اسوسی ایشن مرتب کرنا ضروری ہے جس کی رجسٹری کمپنی کی رجسٹری کے ساتھ کروائی جائے گی۔ ان لمبیٹہ کمپنی // Unlimited Company // کی صورت میں آرٹیکل آف اسوسی ایشن کے رجسٹریشن کے وقت ممبروں کی تعداد درج کی جائی گی اگر اس کمپنی کے سرمائے کا تعین ہوا ہے تو اس کا بھی اندر ارج رجسٹریشن کے وقت کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی حص / Shares کا تعین بھی کیا جائے گا۔ وہ کمپنی جس کی لمبیٹہ محدود گارنٹی ہو اس کے آرٹیکل آف

اسوسی ایشن میں بھی ممبروں کی تعداد درج ہوگی۔ پرائیوٹ مکپنی کی صورت میں حصص کی مشقی پر پابندی لگائی جائے گی۔ ممبروں کی تعداد پچاس تک محدود کی جائے گی اور پبلک سے حصص یا تمسکات کی خریداری کے اعلان پر استثناء کیا جائے گا۔ آرٹیکل آف اسوسی ایشن میں جو قواعد مکپنی کے اندر ورنی انتظامات کے متعلق منضبط ہونگے وہ مکپنی لاء یا میمورنڈم آف اسوسی ایشن کے خلاف نہ ہونے چاہئیں۔ آرٹیکل آف اسوسی ایشن میں علاوہ دیگر امور کے مکپنی کے سرمائے حصہ داروں کے مختلف اقسام، حصص کی تقسیم، حصص کے سرٹیفکٹ کی اجرائی حصص کی مشقی، مکپنی کے سرمائے میں تبدیلی، مکپنی کے قرضہ لینے کے اختیار، میٹنگ منعقد کرنے کے قواعد، ممبروں کے رائے دہندگی کے حق، منافع کی تقسیم اور تمسک اکونٹ اور آڈٹ، ڈائیرکٹر کا تقرر، میٹنگ ڈائیرکٹر، مینجر اور سکریٹری کے تقرر اور ڈائیرکٹروں کی تعداد کے تعین کے متعلق قواعد منضبط ہونگے۔ آرٹیکل آف اسوسی ایشن میں مکپنی کے اختتام یا تخلیل کے متعلق بھی تفصیلات درج ہوں گی۔

آزاد تجارت // Free Trade // : آزاد تجارت کی حالت میں بین الاقوامی سطح پر اشیا اور خدمات کا آزادہ تبادلہ ہوتا ہے۔ حکومت درآمدات اور برآمدات پر کسی قسم کی نہ پابندی لگاتی ہے اور نہ رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ آج کی صورت حال بے معنی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ بیرونی تجارت پر طرح طرح کی پابندیاں لگاتی ہے۔ اور اس کے لیے درآمدی ٹیرف، کوٹہ اور برآمدہ اعانت کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ سے ماہرین معاشیات یہ کہتے آئے ہیں کہ دنیا کی تجارت اور انفرادی آمدنی کی سطح کو بڑھانے کے لیے

آزادانہ تجارت ضروری ہے۔ لیکن مختلف ملکوں میں ترقی کی سطحوں میں اتنا فرق ہے کہ عملائی ملک نہیں۔ حالانکہ مجلس اقوام متحده اس کے لیے مسلسل کوشش ہے۔

اٹھارہویں صدی کے ختم میں جب تجارتیں // Mercantilists // نے تجارت میں حکومت کی مداخلت کی حمایت کی تھی تو اس کی سخت مخالفت ہوئی تھی۔ اور نئی معاشی آزاد روی اور آزاد کاروبار نے کافی مقبولیت حاصل کی تھی۔ کلاسیکی معاشیں آزادانہ تجارت کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ بین الاقوامی معاشی صورت حال کے تجزیہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی تھے بلکہ آدم اسمٹھ کی طرح ان کا خیال تھا کہ اگر افراد کو اپنا منافع کمانے کی آزادی مل جائے تو ہر شخص ترقی کر سکتا ہے۔ آزاد تجارت کا دور انگلستان میں تقریباً سو سال رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد معاشی قوم پرستی اپنے شباب پر پہنچی اور آزادانہ تجارت کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ اس طرح معاشی تحفظ سب سے بڑا نظریہ بن گیا۔ اگرچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے معاشی تحفظ کے خلاف مسلسل جدوجہد چل رہی ہے لیکن اس میں بہت زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہے۔

آزاد ٹریڈ یونینوں کا بین الاقوامی کنفیڈریشن // International Confederation of Free Trade // اس کنفیڈریشن کا قیام لندن میں دسمبر 1949 میں اس وقت عمل بینایا جب کچھ ٹریڈ یونینوں نے ٹریڈ یونینوں کے عالمی وفاق // WFTU // سے اپنی رکنیت ترک کر دی کیونکہ اس پر کمپیونسٹ حاوی ہو گئے تھے۔ اس کے دستور کے مطابق اس کا مقصد اقوام متحده اور بین الاقوامی تنظیم مخت اور علاقائی تنظیموں سے تعاون کرنا ہے تاکہ ٹریڈ یونینیں بطور خاص ترقی پذیر ملکوں میں آزادانہ ماحول میں

سرگرم کار ہو سکیں۔ افراد 1999 تک 143 ملکوں کی 213 قومی ٹریڈ یونینوں کے ساتھے بارہ کروڑ افراد اس کنفیڈریشن سے وابستہ ہو چکے تھے۔

اس کنفیڈریشن کے مقاصد میں کام کرنے والے لوگوں کے مفادات کو فروغ دینا، ان کی تنظیموں کی آزادی تسلیم کرنا، امیروں اور غربیوں کے درمیان فرق کو کم کرنا اور انسانی اور ٹریڈ یونینوں کے حقوق کا دفاع کرنا شامل ہے۔

کنفیڈریشن کی کانگریس کا جلاس چار برسوں میں ایک بار منعقد ہوتا ہے جو 50 ممبروں پر مشتمل انتظامیہ بورڈ کو چار سال کے لیے منتخب کرتی ہے اس میں 5 نشستیں خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔ بورڈ کا جلاس سال بینائیک بار منعقد ہوتا ہے۔

اس کا صدر مقام بروسلز // بیلیجیم // ہے۔

آسائش میں مزاحمت کے متعلق حکم القاء // Injunction to Restrain Disturbance of Easement // : اگر کسی شخص کو کوئی حق آسائش حاصل ہے اور اس آسائش میں مزاحمت کی جا رہی ہے یا مزاحمت کی دھمکی دی جا رہی ہے تو اس کے متعلق عدالتی چارہ جوئی کر کے قانون دادرسی خاص کے تحت حکم القاء حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی آسائش میں رکاوٹ پیدا کی ہو تو غالباً حقدار کو اس کا اختیار نہ ہو گا کہ وہ اپنے طور پر اس رکاوٹ کو رد کرے اور اس آسائش کو بدستور جاری رکھے بلکہ اسے اس کے متعلق عدالتی چارہ کا ر حاصل کرنا ہو گا۔

اگٹرائے // Octroi : اگر کوئی اشیا یا سامان حدود شہر کے اندر کسی دوسرے شہر یا علاقے سے بغرض استعمال یا فروخت کے لیے لایا جائے تو اس پر مصروف کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ اس مصروف کو قانون، بلدیات کی اصطلاح میں اگٹرائے کہتے ہیں اور عام اصطلاح میں اسے چنگی کہا جاتا ہے۔ اگٹرائے وصول کرنے کے لیے حدود بلدیہ پر چنگی ناکے قائم کیے جاتے ہیں اور ناکے پر ہی اس شخص کو چنگی یعنی اگٹرائے ادا کرنا پڑتا ہے جو سامان لا رہا ہو۔ اس مصروف کی وجہ سے عوام کو اکٹرپریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لیے زیادہ تر شہری انتظامیوں نے اگٹرائے کو ختم کر دیا ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ // All India Muslim League : لارڈ کرزن جب انیسویں صدی کے اوپر میں ہندستان کا واہسرائے بن کر یہاں آیا تو وہ انڈین نیشنل کانگریس کی قبولیت اور اس کی باغیانہ روشن دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اس نے کانگریس کے مقابلہ پر ایک اور جماعت کی تشکیل کے لیے کوششیں شروع کر دیں لیکن ناکام رہا۔ البتہ اس کا جانشیں لارڈ منٹو اس سلسلہ میں کامیاب رہا۔ اس نے 1906 میں شمالہ میں مسلمانوں کے ایک وفد سے ملاقات کی اور ان سے اپنی خدمت میں ایک عرض داشت پیش کرائی اور انھیں ایک مسلم جماعت کی تشکیل کا خیال دیا۔ چنانچہ دسمبر 1906 میں جب آل انڈیا محمدن ابوجیشنل کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کے لیے ہندستان کے مسلم رہنماؤں میں جمع ہوئے تو کانفرنس کے اجلاس کے بعد ایک سیاسی انجمن کی شکل میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی قرارداد ڈھاکہ کے نواب سلیمان خاں نے پیش کی تھی۔ برطانوی حکومت کے تئیں وفاداری کے جذبہ کا فروغ، ہندستانی مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ اور ان کے اندر دوسرے فرقوں کے تئیں عدالت کا استناع اس انجمن کے مقاصد

قرار دیے گئے۔ اس کے اوپر صدر سر محمد سلطان آغا خاں منتخب ہوئے اور نائب صدر کی حیثیت سے حکیم اجمل خاں کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس انجمن نے مطالبہ کیا کہ 1905 میں والسرائے لارڈ کرزن کے ذریعہ عمل میں لائی جانے والی تقسیم بنگال کو منسوخ نہیں کیا جانا چاہیے۔ پہلے اس کا صدر دفتر علی گڑھ میں قائم تھا لیکن بعد ازاں اسے لکھنؤ علاقے کر دیا گیا اور 1916 میں محمد علی جناح اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال کانگریس اور لیگ کے درمیان میثاق لکھنؤ پر دستخط ہوئے۔ اس کے تحت دونوں جماعتیں میں اشتراک و تعاون کی راہیں ہموار ہو گئیں اور دونوں نے مل کر ملک کی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ بعد ازاں دونوں کے درمیان اختلافات ہو گئے۔ 1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت ہونے والے ایکشن کے بعد دونوں کے اختلافات نے شدت اختیار کر لی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران مسلم لیگ نے برطانوی حکومت کا ساتھ دیا جبکہ کانگریس نے اس کی مخالفت کی۔ 23 مارچ 1940 کو مسلم لیگ نے لاہور میں منعقدہ اپنے اجلاس میں دو قومی نظریہ پیش کیا اور اس کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے ایک نئے وطن کا مطالبہ پیش کر دیا۔ 1940 سے 1947 تک لیگ نے قیام پاکستان کے سلسلہ میں کامیاب کوشیں کیں جن میں اسے برطانوی حکومت کی تائید اور حمایت حاصل رہی۔ انجام کار آخڑی والسرائے لارڈ ماوئٹ بیٹھنے کے بعد ہندستان کے فرقہ وارانہ مسئلہ کے لیے تقسیم ہند کو واحد حل تجویز کیا۔ اس کے تحت 14 اگست 1947 کو پاکستان معرض وجود میں آیا اور 15 اگست 1947 کو ہندستان کو تقسیم کے بعد آزادی نصیب ہو گئی۔

آمدنی - قوں // National Income // : کسی معيشت میں کسی خاص مدت کے دوران // عام طور پر ایک سال // اشیا اور خدمات کی مجموعی پیداوار کی زرعی قدر کو قومی آمدنی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا حساب تین طرح سے کیا جانا ہے :

// 1 // معيشت کی اشیا اور خدمتوں کی مجموعی پیداوار کی قدر معلوم کی جاتی ہے۔ بلا واسطہ گلسوں اور اعانت // Subsidies // کا حساب کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے صنعتوں کے آپسی بیوپار کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے تاکہ حساب کرتے وقت کسی چیز کو دو مرتبہ نہ شامل کر لیا گیا ہو۔

// 2 // اس مجموعی آمدنی کا حساب کیا جاتا ہے جو خاندانوں // Households // کو ان کی پیداواری خدمات کے لیے دی جاتی ہے۔ اس میں اس منفعت کو بھی شامل کیا جاتا ہے جو فرمیں محفوظات کی مدد میں شریک کر لیتی ہیں۔

// 3 // اس خرچ کا حساب کیا جاتا ہے جو صارفین کی اشیا اور سرمایہ کاری کی اشیا پر آتا ہے۔ سرکاری اخراجات کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اور وہ خرچ بھی محسوب کیا جاتا ہے جو غیر ملکی ہماری برآمدات پر کرتے ہیں۔ اس میں سے درآمدات پر آنے والے اندر ورنی خرچ کو منہما کر دیا جاتا ہے۔

اصولی طور پر ان تینوں طریقوں سے حساب لگانے سے جو اعداد حاصل ہوں گے وہ ایک ہی ہونے چاہئیں لیکن حساب کی دقتوں کی وجہ سے اکثر یہ ایک نہیں ہوتے اسی لیے تینوں کو بنیاد پر ایک سمجھوتے کا اندازہ // Compromise Estimate // قائم کر لیا جاتا ہے۔

چونکہ قومی آمدنی میں خدمات اور اشیا کی پیداوار کے بہاؤ گوناپا جاتا ہے۔ اس لیے اس سے اس کا اظہار ہو جاتا ہے کہ معیشت کی حالت کیسی ہے۔ اچھی یا بُری لیکن یہ کوئی مکمل اظہار یہ // Indicator // نہیں ہے۔ اس لیے کہ صرف اتنا جانا کافی نہیں ہے کہ اشیا اور خدمات کا بہاؤ گلتا ہے بلکہ یہ بھی جانا ضروری ہے کہ مختلف خاندانوں میں یہ کس طرح تقسیم ہوتا ہے، اشیا کا معیار کیا ہے، ماہول کیا ہے وغیرہ۔ اس لیے کہ قومی آمدنی اگر بڑھتی ہے تو ان سب چیزوں میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔

قومی آمدنی میں نہ صرف وہ تمام آمدنیاں شامل ہیں جو ملک کے اندر کی معیشت میں پیداوار کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں بلکہ اس میں وہ آمدنی بھی شامل ہے جو ملک کے لوگ ملک کے باہر اپنی سرگرمیوں کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ حساب کرتے وقت بلاواسطہ ٹکسوسوں اور فرسودگی وغیرہ کا بھی صحیح حساب کیا جائے۔

آمریت: موجودہ دور میں حکومتوں کی زمرہ بندی جس اصول کے مطابق کی جاتی ہے اس مبنیہ دیکھا جاتا ہے کہ سیاسی اقتدار کا مآخذ کیا ہے اور سیاسی اقتدار کا دائیرہ کار کس حد تک ہے۔ اس لحاظ سے حکومتی اختیارات کا مآخذ ایک شخص ہو سکتا ہے، چند اشخاص ہو سکتے ہیں یا ایک جماعت، طبقہ، یا پارٹی ہو سکتی ہے جو اپنے اختیارات کے استعمال میں مطلق العنان ہو اور اس پر مکھوموں کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں حکومت عوام پر ان کی مرضی کے بغیر اوپر سے مسلط کی جائے وہ "آمریت" یا "اقتدار پرست" // Authoritarian // حکومت کہلاتی ہے۔ دوسری طرف اگر سیاسی اقتدار کا مآخذ عوام ہوں

اور وہ اپنے حکمرانوں کو کنٹرول کر سکتے ہوں تو یہ "جمهوری" حکومت کہلاتی ہے۔ غرضیکہ آمربیت اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

آمربیت کی دو خاص شکلیں ہیں: اقتدار پرستی // Authoritarianism // اور کلیت پسندی // Totalitarianism //۔ اقتدار پرستانہ نظام، مطلق العنوان ملوکیت، یک نفری آمربیت یا چند شخصی حکومت اشرافیہ یا فوجی حکومت کی شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ اس نظام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیادی توجہ حکمران شخص، اشخاص یا جماعت یا پارٹی کے اقتدار کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہاں تک ضروری ہوتا ہے حکمران، عوام کی آزادی اور حقوق پر پابندی عائد کرتے ہیں۔ باقی نجی اور گروہی معاملات میں عوام کو آزادی حاصل ہوتی ہے اور ان زمروں میں حکومت مداخلت نہیں کرتی۔ "کلیت پسندی" آمربیت کی ایک مخصوص اور انتہا پسندانہ شکل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکمران فرد یا جماعت یا پارٹی کو شخص اپنے اقتدار کی حفاظت ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ حکومت اپنے ایک ہمہ گیر اور مخصوص نظریہ حیات اور پروگرام کے تحت انسان اور سماج کے تمام معاملات کو "کلی" طور پر کنٹرول کرتی اور انھیں اپنے تصور کے مطابق یکسر بدلنا چاہتی ہے۔ اس کی مثالیں داعیں اور بائیں بازو کی کلیت پسندانہ حکومتیں ہیں۔ یہ ایک نئے طرز کی آمربیت ہے جسے گزشتہ ایک صدی میں انقلابی نظریات، عالمی جنگوں، اقتصادی بحران، بین الاقوامی کشیدگی اور ذاتی اور قومی عدم تحفظ کے عام احساس جیسے عوامل نے جنم دیا۔ کلیت پسند حکومتیں اپنے انقلابی نظریات کے مطابق سماج کی تشکیل نو کرنا چاہتی ہیں۔

"کلیت پسندی" کی اصطلاح غالباً بینوں مسویں کی ایجاد کردہ ہے جس نے اس کی تعریف یوں کی: "ہر شے مملکت کے لیے ہے، یعنی کوئی چیز مملکت سے باہر نہیں، کوئی چیز مملکت کے خلاف نہیں۔" دور حاضر کی کلیت پسندانہ آمریتوں کے اسباب و علل اور ان کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن اس بات پر عام اتفاق ہے کہ سبھی کلیت پسندانہ آمریتوں بنیادی طور سے یکسان کردار کی حامل ہیں اور ان سب میں چند بنیادی خصائص یا اوصاف مشترک ہیں جو درج ذیل ہیں:

// 1 // نظریہ حیات: ہر کلیت پسند نظام کی ایک سر کاری ایڈیوالوجی // نظریہ حیات // ہوتی ہے جسے شہریوں کو کم از کم بظاہر ضرور ماننا پڑتا ہے۔ یہ نظریہ حیات نہ صرف زندگی کے سیاسی پہلو بلکہ باقی سبھی پہلوؤں کی تشریع کرتا اور حال و مستقبل کے مستقبل کے مستقبل میں ایک مکمل اور برتر سماجی نظام قائم کرنے کا وعدہ رنگت رکھتا ہے اور ماضی سے قطع تعلق کر کے مستقبل میں ایک مکمل اور برتر سماجی نظام قائم کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ روایتی آمریتوں میں پھری روایات اور ماضی کی کامیابیوں کی شناخوانی کی جاتی ہے۔ لیکن کلیت پسندانہ آمریتوں میں قاعد یا آمیر یا تو خود مخصوص نظریہ حیات کا خالق ہوتا ہے // مثلاً مسویں اور ہٹلر // یا اس کا واحد مستند شارح ہوتا ہے۔

// 2 // قاعد: ہر کلیت پسند حکومت مراتب بندی // Hierarchy کے اصول پر مبنی ہوتی ہے۔ سب سے اوپر ایک حاکم مطلق ہوتا ہے جو نہ صرف اپنے حامیوں کی پارٹی بلکہ پوری قوم کا نجات دہننے کا قاعد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خود کو عوام سے پوری طرح وابستہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ ہٹلر اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ خود

جرمن عوام ہے۔ یہ قائد عموماً عوام کی صفوں ہی میں سے نمودار ہوتا ہے۔ مثلاً ہٹلر یا مسولینی۔ قائد // II
// یا // EI Caudillo // کی ذات تمام خامیوں سے پاک اور برتر سمجھی جاتی ہے اور اس کے
احکام کو بے چونوپراقابل اطاعت مانا جاتا ہے۔

// 3 // پارٹی: کلیت پسندانہ نظام یک جماعتی ہوتے ہیں ان میں کسی بھی مخالف پارٹی یا گروہ بنانے کی
اجازت نہیں ہوتی، نہ ہی انھیں برداشت کیا جاسکتا ہے۔ کلیت پسندانہ پارٹی قائد کی ذات کا پرتو ہوتی ہے
اور اس کی رہنمائی میں انقلابی نظریہ کی تکمیل اور عوام کی حمایت کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔
پارٹیاں عموماً چیزہ، وفادار اور عالی عقیدہ اقلیت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے موقع پر نازی
پارٹی جرمن آبادی کے 4 فی صد اور اطالوی فاشست پارٹی آبادی کے 5 فی صد حصہ پر مشتمل تھیں۔ یہ
پارٹیاں یا تو حکومتی بیوروکریسی سے پیوستہ ہوتی تھیں // مثلاً نازی جرمنی میں // یا حکومتی اداروں سے
بالاتر ہوتی ہیں۔

// 4 // تشدد اور دہشت انگلیزی کا عمداء استعمال: کلیت پسندانہ حکومتیں تشدد اور جبر کے استعمال کو نہ صرف
جائز سمجھتی ہیں بلکہ اسے عظمت کا درجہ دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک عوام کو کنٹرول کرنے اور انقلابی مقاصد
حاصل کرنے کا ذریعہ پروپیگنڈے کے ساتھ دہشت انگلیزی ہے۔ ہٹلر کہا کرتا تھا کہ "طاقت ہی سے کام چلتا
ہے اور طاقت ہی پہلا قانون ہے۔ انسان نے جو مقصد بھی حاصل کیا ہے وہ محض اپنی جدت اور اپنی
بہیمیت سے حاصل کیا ہے۔"

// 5 // طاقت کی اجارہ داری ہونا۔

// 6 // رسائل و رسائل اور پروپیگنڈا کے ذریعہ پر مرکزی کنٹرول ہونا۔

// 7 // طاقت کی اجارہ داری اور رائے عامہ، قانون یاد ستور کی رکاوٹوں کا فقدان ہونا۔

// 8 // مرکزی اقتصادی کنٹرول ہونا۔

// 9 // شخصی آزادی کا فقدان ہونا۔

// 10 // دانش دشمنی اور غیر عقلیت کا عام ہونا۔

// 11 // سیاسی طاقت سے قانونی بالادستی کا خاتمہ۔

آنزس معاہدہ // Anzus Treaty // : آنzs یا آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ریاست ہائے متحده امریکا کا باہمی دفاعی معاہدہ دوسری عالمی جنگ کے بعد بحرالکاہل کے علاقہ میں ریاست ہائے متحده کے فوجی اتحادات کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس معاہدہ پر سان فرانسیسکو میں 1951 میں دستخط ہوئے تھے۔ اس کا مقصد فوجی حملہ کی صورت میں ریاست ہائے متحده امریکا کی طرف سے دونوں ملکوں کے دفاع کی ضمانت دنیا اور بحرالکاہل کے علاقہ میں ان ملکوں کی طرف سے امریکی فوجی مفادات کی حمایت ہے۔

اس معاہدہ کے ذریعے ارکان نے بحرالکاہل کے علاقہ میں کسی بھی حملے کی صورت میں دفاعی کارروائی کرنے اور اپنی مدد آپ اور امداد باہم کی بنیاد پر بیرونی حملہ آور کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کو مسحکم کرنے پر اتفاق کیا۔ یہ معاہدہ بحرالکاہل کے علاقے میں علاقائی تحفظ کا نظام قائم کرنے کی سمت میں پہلا قدم تھا۔ اس نظام کی تکمیل 1954 میں سنیلا معاہدہ کے تحت معاہدہ جنوب مشرقی ایشیا کی تنظیم // SEATO // کے قیام سے ہوئی جو 1977 میں تحلیل کردی گئی۔

اس معاهدہ کے تحت آئزس کو نسل جو تینوں فریقوں کے وزراء خارجہ یا ان کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے، مشاورتی ادارہ کا کام کرتی ہے۔ اس تنظیم کا نہ تو کوئی صدر مقام اور نہ ہی کوئی مخصوص عملہ ہے نہ ہی اس کی کوئی معیاد معین ہے البتہ کوئی بھی فریق ایک سال کا نوٹس دے کر معاهدہ سے علاحدگی اختیار کر سکتا ہے۔

آئی.یف.سی. // : دیکھیے بین الاقوامی فینانس کارپوریشن۔

ابتدائی شہنشاہیت اور کلاسیکل نمود : جمہوری نظام سے شہنشاہیت میں تبدیلی کی وجہ سے قانون روما جو اشخاص کے متعلق تھا اس میں فطری طور پر کوئی فرق نہیں آیا البتہ ایک سال کی افترافری کے بعد ایک قسم کا امن پیدا ہوا جو رومان لاء کے ارتقاء اور استحکام کے لیے بہت سازگار ثابت ہوا۔

ابن خلدون : محمد عبد الرحمن ابن خلدون // 1332-1406 // تونس // شمالی افریقہ // میں پیدا ہوا۔ یہ ایک مشہور میر، فاضل حج اور زبردست مورخ اور محقق گزار ہے۔ ابن خلدون کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جس نے اسپین کی تاریخ میں اہم سیاسی خدمات انجام دی تھیں۔ اور خود ابن خلدون بھی اعلیٰ سفارتی اور سیاسی عہدوں پر فائز تھا۔ لیکن اس کا اصل کارنامہ اس کی علمی اور تحقیقی تصنیف ہیں۔ ابن خلدون نے اسپین اور شمال مغربی افریقہ میں اپنی زندگی کے پیشتر سال گزارنے کے بعد آخری چھیس سال مصر میں گزارے۔

ابن خلدون ایک عظیم مفکر اور مورخ تھا۔ اس نے فن تاریخ میں واقعات بیانی میں تحقیق اور تفتیش کے ایک نئے انداز کی بناء ڈالی۔ اس کا مقدمہ فن تاریخ کا ایک شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس میں ابن خلدون

نے علم تمدن کی طرف زیادہ توجہ دی اور تاریخی حقائق کے اسباب و علل کے تجزیہ کی اہمیت پر زور دیا۔ اس عظیم مفکر نے عمرانیات یعنی علم تمدن کی بناء ڈالی۔ اسی لیے ابن خلدون کو عمرانیات یا سماجیات کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی بے شمار اور ضحیم تحقیقات اب بھی بڑی حد تک مزید تشرح و توجہ کی محتاج ہیں۔ ابن خلدون نے ابن سینا اور ابن رشد کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ چودھویں اور پندرہویں صدی کا مشہور مورخ المغری اس کا شاگرد تھا۔ خود ابن خلدون کی تصانیف تاریخ، قانون اور فلسفہ تاریخ پر لازوال اہمیت کی حامل ہیں۔

دور جدید میں سماجی علوم کے بانیوں میں چودھویں صدی کے اس عظیم مفکر کو جتنا اعلیٰ مقام حاصل ہونا چاہیے ابھی تک اس سے پورا انصاف نہیں ہوسکا ہے۔ ابن خلدون اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جہاں سیاست، معاشیات اور علم تمدن وغیرہ کو ایک ساتھ پڑھا اور سیکھا جاتا تھا۔ سماجیات علم کی الگ سے کوئی شاخ نہیں سمجھی جاتی تھی۔ سماجیات کو ایک علاحدہ اور مکمل علم درجہ اگست کا منٹے نے دیا۔

ابو حینیفہ، امام ابو حینیفہ: اصلی نام نعمان بن ثابت بن زوٹی تھا۔ کنیت ابو حینیفہ اور لقب امام اعظم تھا۔ نسل اعمجی تھے۔ 80 //ھ مطابق 699ء // میں پیدا ہوئے۔ فقہ کی تحصیل اپنے وطن کوفہ کے مشہور امام و فقہی عصر حماد سے کی۔ یہ ابراہیم نخنی کے شاگرد اور ممتاز فقہی صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مکتب فقہ کے خاص نمائندہ تھے۔ امام ابو حینیفہ نے امام شعی ہشام بن عمر سماک بن حرب، سلیمان بن مهران اعمش، قتادہ، شیعہ، عطاء بن ابی رباح عکرمہ، عمرہ بن دینار، سلیمان بن یسار اور سالم بن عبد اللہ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔

وہ اپنے استاد حماد کی زندگی ہی میں سن رشد کو پہنچ گئے تھے اور علم میں بھی پختہ ہو گئے تھے مگر مسند درس پر اس وقت فروکش ہوئے جب حماد کی وفات ہو گئی۔ امام ابوحنیفہ کے حلقة درس کا پھرچا ہوا تو کوفہ کی اکثر درس گاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقة میں آمدیں اور ان کے بعض اساتذہ بھی ان سے استفادہ کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے۔ امام صاحب کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ محمد بن میں بھی 'بن سعید القطان، عبد اللہ بن مبارک، ابن ابی زاعمہ، وکیح بن الجراح، یزید بن ہارون، حفص بن غیاث، ابو عاصم الشیل، عبد الرزاق بن ہمام، داؤد الطائی اور فقہا میں امام، ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام زفر حسن، بن زیاد، قاسم بن معین اور اسد بن عمرو وغیرہ ان کے خرمن علم کے خوشہ چین تھے۔ 132 // هـ / م 749 // میں آل عباس تخت و تاج کے مالک ہوئے تو انہوں نے اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا۔ دوسرے عباسی خلفیہ منصور نے بعض بدگانیوں کی بنا پر سادات و علویین کی بھی بیخ کنی شروع کی۔ اس کی بے رحمی سے تنگ اگر مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے مدینہ منورہ میں خروج کیا اور نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے علم بغاوت بلند کیا۔ امام صاحب کی تائید اور ہمدردی ان دونوں کے ساتھ رہی اور انہوں نے ابراہیم کی علانیہ، پوری امداد بھی کی مگر جب ابراہیم کو شکست ہوئی اور وہ موت کے گھاٹ اتارے گئے تو منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کو بغداد طلب کیا۔ اس کے درمیان ربع نے امام صاحب کو دربار میں پیش کرتے ہوئے کہا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے۔" منصور نے ان کے لیے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب کے صاف صاف انکار پر اس نے ان کو قید خانہ پہنچایا اور زہر دلوادیا۔ اس طرح 151 // هـ / م 767 // میں یہ

آفتاب علم و کمال، ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ آپ کی جسمانی اولاد میں صرف حمد کا نام ملتا ہے۔ یہ بھی صاحب فضل و کمال تھے۔

جس طرح علم و فضل اور ذکاوت و ذہانت کی امام ابوحنیفہ کی کوئی مثال نہ تھی، اسی طرح زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں بھی وہ بے نظیر تھے۔ ذکر و عبادت میں ان کو خاص لطف ملتا اور بڑے ذوق و خلوص سے عبادت کرتے تھے۔ ان کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ اور پاکیزہ تھے۔ طبیعت میں بڑی بے نیازی اور خودداری تھی۔ کبھی کسی کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کیا۔ امراء و سلاطین کے ہدیے اور تجائز قبول کرنے سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ امام صاحب کو ان لوگوں کے سامنے حق بات کہنے میں کبھی تامل نہیں ہوا۔ ان کا تجارتی کار و بار نہایت وسیع تھا۔ لیکن احتیاط اور دیانت کا پورا الحافظ کرتے۔ اگر کسی مال میں خرابی یا عیب ہوتا تو گاہک کو مطلع کر دیتے۔ بڑے فیاض اور سخنی تھے۔ تجارت کا ایک حصہ شیوخ و مدین کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ اس سے جو نفع ہوتا ان کو دے دیتے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جو خستہ حال ہوتے ان کی خانگی ضرورتوں کی کفالت کرتے۔ حتیٰ کہ وہ فراغت سے علم کی تکمیل کر سکیں۔

اس دولت و ثروت اور غیر معمولی عظمت و شان کے باوجود نہایت متواضع، خلیق اور حلیم تھے۔ کوئی ان سے الجھنا، برا بھلا کہتا، گالی دینا، بد تمیزی سے پیش آنا تو خاموشی اختیار کر لیتے اور معاف کر دیتے۔ ایک موقع پر خلیفہ ہارون رشید نے قاضی ابویوسف سے ان کے اوصاف دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہ نہایت پرہیزگار تھے، منہیات سے بہت بچتے تھے، اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے۔ ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لے

جاتے۔ اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھائی کے ساتھ کرتے۔ یہت بڑے عالم تھے اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے۔ ہارون نے یہ سن کر کہا صاحبین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔ نہایت خوش لباس، جامہ زیب، بہت لطافت پسند تھے۔ ہمیشہ صاف سترے کپڑے زیب تن فرماتے۔ امام ابو حنیفہ کا علمی پایہ نہایت بلند تھا۔ تفسیر، حدیث فقه و کلام میں خاص دسترس رکھتے تھے۔ روایت و حدیث میں امام بخاری کے استاد مجی' بن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ روایات کے رد و قبول میں نہایت محتاط تھے اور اس معاملہ میں ان کی شرائط بہت سخت تھیں۔ اس لیے دوسرے علماء کے مقابلہ مینان سے کم حدیثیں منقول ہیں۔ تقلیل روایت، تفہم و اجتہاد میں کمال اور قیاس و درایت میں مہارت کی وجہ سے کوتاہ نظر لوگوں نے ان پر ترک حدیث اور قیاس کو حدیث پر ترجیح دینے کا الزام عائد کیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر بے بنیاد ہے۔ امام صاحب کا خود بیان ہے کہ:

"میرا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے خدا کی کتاب کو دیکھتا ہوں اور اس سے مسئلہ اخذ کرتا ہوں، اگر اس میں کوئی حکم نہیں ملتا تو رسول اللہ کی سنت کو لیتا ہوں اور اگر اس میں بھی کوئی فیصلہ نہیں پاتا تو آپ کے اصحاب کے قول کو اختیار کرتا ہوں اور بوقت اختلاف ان میں سے جس کے قول کو مناسب سمجھتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ لیکن صحابی کے قول کے علاوہ کسی کے قول کو نہیں اختیار کرتا۔ مگر جب معاملہ صحابہ سے اتر کر ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین، عطا اور سعید تک پہنچتا ہے تو جس طرح ان لوگوں نے اجتہاد کیا تھا ویسے ہی میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔"

نیز فرمایا:

"بخدا اس شخص نے ہم پر بہتان لگایا جو یہ کہتا ہے کہ ہم نصی پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں کیا نصی کے بعد یہی قیاس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

اس سے زیادہ واضح لفظوں میں فرمایا کہ:

"جب ہم مجبور ہو جاتے ہیں اور کتاب و سنت اور صحابہ کے فیصلوں میں کوئی دلیل نہیں پاتے تو اس وقت مسکوت عنہ کو منطق پر قیاس کرتے ہیں۔"

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ پر میرے ماں، باپ قربان، ان کے آثار سر آنکھوں پر، ہمیں اس کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان کی مخالفت کریں۔ ہمارا مختار و مسلک وہی ہے جو آپ کے اصحاب سے م McConnell ہے۔ ہاں جو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے م McConnell ہے تو وہ بھی آدمی تھی اور ہم بھی آدمی ہیں۔" ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امام صاحب احادیث کو ترک کر کے صرف قیاس و استنباط سے کام لیتے تھے۔ علامہ ابن حزم اور حافظ ابن قیم نے بھی صراحت کی ہے کہ فقهائے عراق اور امام اعظم ضعیف حدیث تک کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

رہی یہ بات کہ امام ابو حنیفہ اور فقہائے عراق کو ترک حدیث کی بنا پر اہل الرائے اور علمائے ججاز کو عمل بالحدیث کی وجہ سے اہل حدیث کہا جاتا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عموماً اہل ججاز شریعت کے علل و اسباب کا محافظ کیے بغیر ظواہر حدیث سے جو کچھ ثابت ہوتا اس کی اتباع کرتے تھے۔ اس کے برخلاف اہل

عراق شریعت کے علل اور اسباب کی جستجو کرتے۔ احکام کے قواعد و ضوابط کا تقریر کرتے اور استخراج و استنباط سے کام لیتے اور احادیث کے ظواہر سے زیادہ ان کی روح اور غایت کا خیال کرتے لیکن ان کا انکار نہیں کرتے۔

اس بنا پر اول الذکر کو اصحاب حدیث اور موخر الذکر کو اصحاب رائے کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے نہ صرف امام ابوحنیفہ بلکہ ربیعیۃ المرائے، امام مالک، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام ابویوسف وغیرہ سب اہل الرائے کہلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب محدث بھی ہیں۔ پس اہل رائے تارک الحدیث کا ہم معنی نہیں۔

غرض امام ابوحنیفہ احادیث میں کم مایہ نہ تھے۔ چنانچہ علامہ ذبینی نے جنھوں نے صرف اکابر محدثین ہی کا ذکر کیا ہے، امام اعظم کو بھی حفاظ حديث میں شمار کیا ہے۔ تاہم اس میں کلام نہیں کہ تفقہ و اجتہاد امام ابوحنیفہ کا خاص طفرائے امتیاز ہے۔ قیاس، استنباط، استخراج، احکام اور تفریع مسائل میں ان کو جو ملکہ حاصل تھا اس کی نظری ملنی مشکل ہے۔ وہ فقہ کے مدون اور بانی تھے۔ امام شافعی کا مشہور قول ہے کہ 'الناس عیال فی لفقة علی ابی حنیفہ'۔ یہی وجہ ہے کہ امت نے ان کو امام اعظم کا خطاب عطا کیا اور ان کے مسلک کو سب سے زیادہ شهرت و مقبولیت نصیب ہوئی۔ تقریباً بارہ سو سال سے امت کا سواد اعظم امام ابوحنیفہ ہی کے مكتب فقه و اجتہاد کی پیروی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف جو مكتب فقه منسوب ہے اسے فقه حنفی یا مكتب حنفی کہا جاتا ہے۔ یہ مکاتب اربعہ میں سب سے قدیم ہے اس کا دار و مدار مندرجہ ذیل چیزوں پر ہے۔

// 1 // کتاب اللہ، // 2 // سنت رسول، // 3 // اجماع، // 4 // قیاس، // 5 // احسان، // 6

// عرف، // 7 // عادت۔ اس مكتب کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

// 1 // یہ نصوص نزع اور اصول عقل کے مطابق ہے // 2 // اس پر عمل کرنا آسان اور سہل ہے۔
// 3 // معاملات اور تمدنی صورتوں کا اس میں بہت محاط رکھا گیا ہے۔ // 4 // حنفی مکتب میں احکام و
مسائل کے علاوہ اور شریعت کی روح و نشاء کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ // 5 // ذمیوں کے حقوق بڑی
فرax دلی سے دیے گئے ہیں۔ امام صاحب کے زمانہ میں عقائد و کلام کے مسائل کے جابجا چرچے تھے۔ لیکن
ان کا ابتدائی تحصیل علم کے زمانہ میں اس طرف میلان نہ تھا۔ ان مسائل کے بارے میں ان کے آراء
اقوال موجود ہیں۔ جیسے وہ اعمال کو جزا ایمان نہیں سمجھتے تھے بلکہ دونوں کو دو جدا گانہ چیز خیال کرتے تھے۔ اسی
طرح ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں نہیں اور نہ کسی کا ایمان دوسرے کے ایمان سے بہتر اور فائق
ہو سکتا ہے۔ وہ تمام اہل قبلہ کو مسلمان مانتے تھے اور ان کو تکفیر نہیں کرتے تھے۔

امام کے کمالات کے ثبوت کے لیے تصنیف و تالیف کا وجود ضروری نہیں اور نہ متاخرین کی طرح ان سے
زیادہ کتابیں یادگار ہیں۔ ممکن ہے ان کی بعض تصنیفات رہی ہوں اور اب وہ معدوم ہو گئی ہوں۔ جس طرح
اس دور کو دوسرے اکابر کی تصنیفات کا کتب سیر و تراجم میں ذکر تو ملتا ہے مگر اب وہ ناپید ہیں۔

امام صاحب کی جانب جو کتابیں منسوب ہیں گو محققین کے نزدیک ان کی نسبت امام صاحب کی طرف محقق
اور ثابت نہیں تاہم ان کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ فقه اکبر، العالم و المعلم اور مسند۔

اپیل: کوئی قرض دار قرض خواہ رسیور یا اور کوئی متضرر شخص دیوالیہ کے متعلق عدالتی فیصلے کے خلاف
ڈسٹرکٹ کورٹ میں مرافعہ کر سکے گا اور ڈسٹرکٹ کورٹ کا فیصلہ ایسی صورت میں قطعی ہو گا۔ البتہ ہائی کورٹ
اس امر کی جانچ اور اطمینان کرنے کے لیے کہ تحت کا فیصلہ قانون کے مطابق کیا گیا ہے یا نہیں۔ تحت کا

رکارڈ طلب کر کے ایسا حکم دے سکے گا جو بائی کورٹ کی رائے میں مناسب ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی جو مrafعہ کی بناء پر دیے ہوئے عدالت کے حکم سے ناراض ہو بائی کورٹ میں مrafعہ کر سکتا ہے۔

اتحاد اسلامی // Pan Islamism : پان اسلام ازم کی تحریک عالم اسلام میں قوم پروری کی نشوونما اور مغربی استعمار و تسلط سے اس کی کشکش کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ اسلام محض ایک تہذیب و ثقافت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے ضابطہ حیات رکھتا ہے اس سے اسلامی ممالک میں یہ نظریہ ہمیشہ سے مقبول رہا ہے کہ تمام مسلمانان عالم کو اسلامی اشتراکی بنیاد پر متحد ہو کر ایک ہی حکومت کے پرچم تلے جمع ہو جانا چاہیے یا کم از کم ایک اسلامی وفاق بنالینا چاہیے۔ پان اسلام ازم کی تحریک کا آغاز اس وقت ہوا جب 1774 میں دولت عثمانی نے روس کے ساتھ کوکونارک Kuku کا معابدہ کیا اور سلطنت عثمانی نے اپنی سرحد کے باہر رہنے والے مسلمانوں پر، // Kanyarca باخصوص جو کریمیا میں مقیم تھے // ، اپنے مذہبی دائرة اختیار کا دعوی کیا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں 1880 تک اس نے باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی اور صدی کے خاتمه تک اس کا پروگرام اور پروپیگنڈہ اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ سلطان عبد الحمید ثانی // 1876-1908 // اس کے سرپرست اور جمال الدین افغانی اس کے پیشو اور فلسفی تھے جنھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اس کی زبردست و کالت کی۔ ان کا رسالہ 'العروة الوثقى' اس کا بیباک ترجمان تھا۔ چنانچہ 1897 میں جب جمال الدین افغانی کا انتقال ہو گیا تو پان اسلام ازم کی تحریک پوری اسلامی دنیا میں ایک مشن کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اسلامی دنیا کے مختلف دور دراز ملکوں مثلاً // جاوا، تیونس اور شنگھائی // میں اسلامی مرکز قائم ہو چکے تھے۔ 1903

میں عبد اللہ سہروردی نے لندن میں اسلامک سوسائٹی قائم کی۔ ان کا رسالہ 'پان اسلام' اس حیثیت سے ممتاز تھا کہ وہ ملکی حالات کے بحاظ سے انسانیت دوستی کو فروغ دیتا اور یورپ کی برائیوں کے مقابلہ میں ایشیاکی خوبیوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

پان اسلام ازم کی تحریک کی بابت یہ امر محفوظ رہنا چاہیے کہ دولت عباسیہ کے زوال کے بعد دینی اور دنیوی امور میں خلیفہ کا اقتدار کسی دور میں بھی عالمگیر اور بہر صورت قابل اطاعت تسلیم نہیں کیا گیا۔ 1517ء میں سلطان سلیم نے مصر کو فتح کر کے اپنی حکومت میں ضم کر لیا۔ اسی طرح عثمانی خلفاء کو اسلامی دنیا میں عروج تو حاصل ہوا لیکن مرکاش کے شریفوں اور ہند کے مغل بادشاہوں نے ان کا ہریف بننے سے گریز کرنے کے باوجود ان کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کر دیا پھر بھی مغربی سائنسی صفت کاری، استعاریت اور سیاسی قوم پروری کی یلغاروں سے تحفظ کے لیے اسلامی معاشرہ کے محافظوں نے خلافت عثمانیہ کے اقتدار کا سہارا لیا بعد ازاں پان اسلام ازم // اسلامی اتحاد // کی تحریک نے مزید استحکام بخشنا۔

جب سلطان عبد الحمید // 1876-1908 // تخت نشیں ہوا تو ہند اور مرکاش کی بادشاہتوں کے سورج غروب ہو چکے تھے۔ دولت عثمانیہ کا یہ آخری خلیفہ تھا جس نے اسلامی اتحاد کے جذبہ کو استعمال کر کے تقریباً نیس سال تک دولت عثمانیہ پر آمرانہ و جابرانہ حکومت کی۔ اس نے اتحاد اسلامی کے لیے اسلامی برادری کو لکھا را اور اس کے لیے اسلام پسندوں سے اپیل کی تاکہ انھیں ایک متحدہ قوم بنانکر مغرب سے جنگ آزمائی کی جاسکے۔ چنانچہ بیسویں صدی کے اوائل میں اس تحریک کا مقصد خلافت کے ادارہ کو جو دولت عثمانیہ کے سلطان کی ذات سے مختص تھا، قائم رکھنا اور اس کا دفاع کرنا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد 2 مارچ 1924 کو کمال اتابرک نے سلطان عبدالحمید کی حکومت کے ساتھ پان اسلام ازم // اسلامی اتحاد // کی تحریک کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ بعد ازاں فرمانروائے مکہ شاہ حسین نے خلافت قائم کرنے کی کوشش کی مگر جلد ہی ابن مسعود نے اس کا تختہ پلٹ دیا۔ اس کے بعد 1926 میں مکہ و قاہرہ اور 1931 میں یروشلم میں پان اسلامی اجتماعات ہوئے لیکن یہ بے سود ثابت ہوئے۔ بالآخر آج تک کوئی لائچہ عمل ایسا وضع نہ کیا جاسکا جو مسلمانان عالم کو باہم متحد کر دے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل نے 1962 میں مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی جس کا مقصد اسلامی اتحاد کا فروغ، ضرورت مند مسلم ممالک کی مالی اعانت، مسلم ملکوں کے درمیان تعلیمی و ثقافتی تبادلہ، تعلیمی و ظائف اور مسلم ملکوں میں سمینار اور کانفرنسیں منعقد کرنا تھا جواب بھی سرگرم کار ہے لیکن پان اسلام ازم کی تحریک کے نقطہ نظر سے نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ اسی طرح 1969 سے دسمبر 1970 تک مسلم سربراہان مملکت کی چوٹی کانفرنسوں کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی "اسلامی کانفرنس" جس کے 48 سے زیادہ ممبر ہیں اپنے قیام سے آج تک صرف تجویز پاس کرنے کے علاوہ اتحاد اسلامی کی سمت میں کوئی خاص پیش رفت نہیں کر سکی۔

اٹا عشرہ: یہ لوگ مندرجہ ذیل بارہ ائمہ کے قائل ہیں:

1 // حضرت علی،[ؑ] 2 // حضرت حسن،[ؑ] 3 // حضرت حسین،[ؑ] 4 // حضرت علی زین العابدین،[ؑ] 5 // محمد باقر بن زین العابدین،[ؑ] 6 // جعفر صادق بن باقر،[ؑ] 7 // موسیٰ کاظم،[ؑ] 8

// علی رضا، // 9 // امام محمد تقی، // 10 // علی نقی، // 11 // حسن عسکری، // 12 // محمد مهدی
// جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سرمن رائے میں روپوشن ہو گئے // .

ایران کے اکثر اور عراق کے شیعہ اثنا عشری ہیں شام لبنان اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں کے شیعہ بھی اس فرقے سے تعلق رکھتی ہیں۔

اجارہ - تعین قیمت : بازار میں اجارہ کی صورت اس وقت پائی جاتی ہے جب ایک فرم کسی ایسی شے کو فروخت کرتا ہے جس کا کوئی قریبی بدل نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی دوسرا فرم اس شے کو بناسکتا ہے اس طرح اجارہ دار کو شے کی رسد پر اختیار ہوتا ہے۔ حکومت یا کسی بھی ادارہ کے ذریعہ بر قی قوت کی فرائیمی یا حق ایجاد پر دیے گئے پٹینٹ کے تحت کسی شے کی پیداوار اجارہ کی مثالیں ہیں۔ اجارہ دار کو چونکہ شے کی رسد پر اختیار ہوتا ہے اس لیے وہ ایک ہی قیمت پر شے کی جتنی چاہے مقدار فروخت نہیں کر سکتا بلکہ زیادہ قیمت پر کم اور کم قیمت پر زیادہ مقدار فروخت کر سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقدار رسد میں کمی اور بیشی کر کے قیمت بڑھا اور گھٹا سکتا ہے اس کی وجہ سے کم قیمت پر زیادہ مقدار فروخت کر کے اپنی کل آمدنی میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن کم قیمت پر مزید مقدار فروخت کرنے سے اس کی مختتم آمدنی // کل آمدنی میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن کم قیمت پر مزید مقدار فروخت کرنے سے جو مزید آمدنی حاصل ہوتی ہے، // شے کی مزید مقدار فروخت کرنے سے قیمت پر اضافہ کرنے سے جو مزید آمدنی حاصل ہوتی ہے، // Marginal Revenue گھٹتی جاتی ہے جو قیمت کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔ مثلاً اگر 7-8-9-10-24 اور 28 روپے فی شے قیمتوں پر علی الترتیب شے کی 1-2-3 اور 4 کائیوں کی فروخت سے اسے 10-12-14-16-18-20 روپے بطور جملہ آمدنی حاصل

ہوں گے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ 8-9-10 روز پر قیمتوں پر علی الترتیب 6-8-10 اور 2 روز پر کی مختتم آمدی ہوگی

شے کی رسد چونکہ اجارہ دار کے اختیار میں ہوتی ہے اس لیے وہ قلیل مدت ہو یا طویل مدت اس میں صارفین کی کل بازاری طلب کے پیش نظر ایک ایسی قیمت مقرر کر سکتا ہے جو شے کی مطلوبہ مقدار کے اوسط مصارف سے زیادہ ہو اور اسے غیر معمولی منافع حاصل ہو سکے جسے منافع اجارہ کہتے ہیں۔ اجارہ دار کا مقصد بھی بیشترین کل منافع کانا ہوتا ہے جو پیداوار فروخت کے جملہ مصارف اور جملہ آمدی کے درمیان بیشتری فرق کے مساوی ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ ایک ایسی قیمت مقرر کرتا ہے جس پر شے کی مقدار فروخت کے مختتم مصارف اور مختتم آمدی مساوی ہو جائیں۔

اگر 3-2-1 اور 4 اکائیوں کے جملہ مصارف علی الترتیب 15-9-4 اور 22 روز پر ہوں تو اس لحاظ سے 6-5-4 اور 7 روز پر مختتم مصارف ہوں گے۔ اجارہ دار 8 روز پر قیمت پر 3 اکائیاں فروخت کرے گا کیونکہ اس کے مختتم مصارف اور مختتم آمدی دونوں میں 6 روز پر کے مساوی ہیں یہاں جملہ آمدی 24 اور جملہ مصارف 15 روز پر ہوں گے جس کا فرق 9 روز پر کے مساوی ہو گا جو بیش ترین منافع ہے۔

اجتماعی بر تاؤ // : سماجیات میں اجتماعی بر تاؤ سے مراد ایسا بر تاؤ ہے جو کسی مشکل سماجی مسئلہ کی صورت میں بین عمل کے عام تسلسل اور رجحان کے برعکس واقع ہوتا ہے۔ اس میں ملوث لوگ مل جل کر ایسے اقدامات کرتے ہیں جو وہ انفرادی اور شخصی صورت میں نہیں کر سکتے۔ اجتماعی بر تاؤ کی ضرورت دراصل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ سماجی بین عمل کے عام طور طریق کسی مسئلہ کو

حل کرنے میں یا اسے سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یوں تو پورے معاشرہ کے برtaوگو بھی غیر اصطلاحی زبان میں اجتماعی برtaوگہا جاسکتا ہے۔ لیکن سماجیات میں اس سے مراد وہی اجتماعی عمل یا رد عمل ہے جو بعض مخصوص حالات میں نمودار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی تباہی آجائی ہے مثلاً اگ لگ جائے، طغیان آجائے یا اسی قسم کا کوئی حادثہ واقع ہو یا پھر کسی خاص وجہ سے بھری پری شاہراہ پر کوئی بھی جمع ہو جائے تو ان کا جو رد عمل یا برtaوہوگا اسے اجتماعی برtaوگہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی مشتعل مجمع اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے یا کسی مقصد کے حل کے لیے دھاوا بول دیتا ہے تو یہ بھی اجتماعی برtaوئیں شامل ہے۔ اسی طرح سے منظم اور غیر منظم گروہوں کے لمحاقی عمل اور رد عمل کو بھی اجتماعی برtaوئیں شریک کیا جاسکتا ہے۔

اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ افراد کی قابل سماحت تعداد اجتماعی طور سے // Collectively کسی مقصد یا اظہار خیال کے لیے آمادہ عمل ہوتی ہے۔ عام طور سے اجتماعی برtaو اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ کوئی دشوار // Problematic صورت حال پیدا ہو جائے۔ ایسی صورت میں برtaو کے عام اور نارمل انداز غیر موثر نظر آنے لگتے ہیں اور ان طریقوں سے کوئی حل نکلتا نظر نہیں آتا۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں ذہنی بے چارگی اور اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے اجتماعی برtaوگی تشکیل ہوتی ہے۔ بعض صورتوں میں اجتماعی برtaو غیر منظمی اور بعض اوقات شدت پسند صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دراصل جذباتیت اور اضطراب کی بنیادی نوعیت ہر سماجی عمل کے پس منظر میں موجود ہوتی ہے لیکن فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ عام سماجی عمل افراد کے برtaوگو عام

حالات میں اس طرح منظم کرتا ہے کہ اس سے شدت اور بے ساختگی کی وہ کیفیت نہیں پیدا ہونے پا تی جو اجتماعی برداشتی صورت میں نظر آتی ہے۔

اجتماعی برداشتی تین اہم خصوصیات ہیں:

// 1 // خود روی یا بے ساختگی // Spontaneity //

// 2 // بے اعتدالیت اور تشدد پسندی // Extremist or Violent Attitude //

// 3 // عارضی نوعیت // Transitoriness //

// 1 // خود روی یا بے ساختگی: جب کوئی مسئلہ جاتی صورت حال یکایک پیدا ہو جاتی ہے تو لوگوں میں ذہنی بے چینی رونما ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے حالات کے رد عمل کا عام طریقہ بے موقعہ نظر آتا ہے۔ اور لوگ جذباتی اور نفسیاتی رد عمل کے نتیجہ کے طور پر بے ساختہ طور سے کسی طریقہ کار کو اپنا لیتے ہیں جو عام طور سے وہ خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ اسی لیے ایسے رد عمل کو خود رو یا بے ساختہ صفت کا حامل کہتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی احتجاجی گروہ کسی خاص حادثہ کے وقت کوئی طریقہ کار اختیار کر لیتا ہے تو بالعموم اس کی فکر اور اس کا عمل بے ساختگی کا نتیجہ ہوتا ہے جس پر یہ ممکن ہے کہ بعد میں تاسف یا خرکیا جائے لیکن انفرادی طور پر کبھی دہرایا نہ جاسکے۔

// 2 // بے اعتدالیت اور تشدد پسندی: اجتماعی برداشتی دوسری صفت بے اعتدالیت اور تشدد پسندی ہے۔ سر را ہے جب کوئی بھکڑا کھڑا ہو جاتا ہے اور لوگ حق کی تائید میں یا ناحق کی حمایت میں جذباتی طور سے سے ملوث ہو جاتے ہیں اور اکثر پر تشدد عمل کرتے ہیں تو اسی بے اعتدالیت یا تشدد پسندی کہتے ہیں۔

// 3 // عارضی نوعیت: اجتماعی برtaوگی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ عارضی ہوتا ہے یعنی اجتماعی برtaو بالعوم لمحاتی ہوتا ہے اور اسے استقرار حاصل نہیں ہوتا۔

عام طور سے اجتماعی برtaو کے محکات میں سماجی بحران، مسابقت، سماجی تصادم اور چدت پسندی یا ممکن پسندی کے عوامل شریک ہیں۔ ان تمام صورتوں میں لوگوں کا برtaو نئے تجربات اور عمل کا پیش خیہ ہوتا ہے۔ سماجی برtaو گو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ برtaو ہے جو سماج کے اقدار معینہ اور معمولی طریق کار اور توقعات کے مطابق ہوتا ہے اور دوسرا وہ برtaو ہے جو عام نجح سے ہٹ کر کسی خاص صورت حال میں رونما ہوتا ہے۔ اس دوسرے قسم کے برtaو گو منفی اجتماعی برtaو ہجتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال مجتمع کا برtaو // Crowd Behaviour // ہے۔ مجتمع کی نفسیات پر لی بان // Le Bon // نے 1895 میں مشہور تجزیاتی کتاب لکھی ہے جس پر بعد میں بہت کافی کام ہوا ہے۔ مجتمع کا برtaو بھی اجتماعی برtaو گی نمائندہ مثال ہے خواہ لوٹ یا غارت گری کا کوئی موقعیتی گروہ ہو یا طغیانی میں جان بچانے والوں کا فلاہی گروہ دونوں کے برtaو عام سماجی توقعات سے مختلف ہوتے ہیں۔ گوہ اس برtaو کے پس پر دہ بھی سماجی اقدار ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اظہار نئے اور بے ساختہ انداز پر ہوتا ہے۔

اجتماعی تحفظ // Collective Security // : یہ نظام تصور جنگ کا سدباب کرنے اور بین الاقوامی امن و تحفظ کے قیام و بقا کے سلسلہ میں توازن طاقت کے اصول کی خامیوں کی تلافی کرنے اور اس کی جگہ لینے کے لیے ایجاد کیا گیا کیونکہ قیام امن کے لیے توازن طاقت اور فوجی گروہ بندیوں کے عمل کو بے اثر پایا گیا تھا۔ جہاں توازن طاقت کا تصور بین الاقوامی نظام کی ایک حقیقت کا اظہار کرتا ہے وہیں اجتماعی تحفظ کا تصور

بین الاقوامی اخلاق، عینیت اور قانون پر مبنی ہے۔ اجتماعی تحفظ کے معنی یہ ہیں کہ "قیام امن کی ذمہ داری ساری کی ساری بین الاقوامی برادری کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اس برادری کے ایک رکن کے خلاف جاریت پوری برادری کے خلاف جاریت مانی جائے گی اور پوری برادری اپنے مشترکہ وسائل سے جارح کو روکے گی اور عدول حکمی کی صورت میں اس کے خلاف فوجی، اقتصادی اور سیاسی تعزیرات نافذ کرے گی۔"

اجتماعی تحفظ کی اسکیم توازن طاقت کی اسکیم سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں اقوام دو یادو سے زاید اتحادات میں مقتسم ہونے کے بجائے ایک ہمہ گیر اتحاد یا تنظیم میں منسلک ہو جاتی ہیں۔ اس طرح قیام امن کی ذمہ داری انفرادی یا دو فریقی ہونے کے بجائے پوری جماعت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ توازن طاقت کے نظام میں ہر مملکت یا مملکتوں کا اتحاد اپنے نجی یا گروہی مفادات کو پیش پیش رکھتا ہے۔ لیکن اجتماعی تحفظ کے مثالی نظام میں ہر مملکت اپنے انفرادی مفادات کو اجتماعی مفادات سے ہم آہنگ کرتی ہے۔ اس طرح کے انتظام کا بنیادی مقصد حالت موجودہ // Status Quo // کا ہر ملکہ جاریت سے دفاع کرنا ہوتا ہے۔

ایک نصب العین کے طور پر اجتماعی تحفظ تمام خامیوں سے مبرا ہے۔ یہ آزاد اور خود مختار مملکتوں کی برادری میں قانون کے نفاذ کے مسئلہ کا مثالی حل پیش کرتا ہے۔ لیکن اجتماعی تحفظ کو عملی شکل دینے کی جو دو کوششیں اب تک کی گئی ہیں یعنی جمیعت اقوام کے شیاق کی دفعہ 16 اور اقوام متحده کے منشور کا باب ہفتہم، وہ اس نصب العین کو حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں اور ان دونوں دستاویزوں کے تحت دونوں تنظیموں کے امکان کی کارروائیاں اجتماعی کارروائیاں کھلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ بیشتر کی دفعہ 16 میں یہ اعلان کیا گیا تھا

کہ جمیعت اقوام بیثاق کی دفعات 12، 13 اور 15 میں بیان کیے گئے، بین الاقوامی جھگڑوں کے پر امن تصفیہ سے متعلق دفعات کی خلاف ورزی میں جنگ کے ارتکاب کے خلاف اجتماعی کارروائی کرے گی۔ بین الاقوامی قانون کی دیگر خلاف ورزیاں اس کے دائرہ سے خارج تھیں۔ لیکن عمل جمیعت کی تعزیری کارروائیاں سفارش کرنے کی حد تک محدود تھیں۔ ان کو ناقہ کرنے کا کام ارکان کا انفرادی کام تھا گوپہ کام جمیعت اقوام کی کونسل کی نگرانی میں ہونا تھا۔ لیکن جمیعت کے سامنے بیثاق کی خلاف ورزی میں جارحیت کے ارتکاب کے جتنے معاملات آئے ان میں اجتماعی تعیرات کے نفاذ کے جواز اور ضرورت کے باوجود جمیعت نے کوئی اجتماعی کارروائی نہیں کی۔ 1937 میں چین پر جاپان کے حملہ کی تنہا مثال ایسی ہے کہ لیگ کی اسمبلی نے چین کو جارحیت کا مرکب قرار دے کر لیگ کے ارکان سے سفارش کی کہ وہ دفعہ 16 کے مطابق انفرادی طور پر جاپان کے خلاف تعزیری اقدامات کریں۔ لیکن کسی بھی ملک نے جارح کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

اقوام متحده کے منشور کے باب ہفتہم // دفعات 39 تا 51 // میں قانون کے نفاذ کی ایک مرکزی ایجنسی قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ بین الاقوامی امن و تحفظ کے قیام اور اس کی حفاظت کی بنیادی ذمہ داری سلامتی کونسل // سیکیورٹی کونسل // پر ڈالی گئی ہے۔ دفعہ 39 کے تحت کونسل امن کے لیے خطرہ، امن کی خلاف ورزی یا جارحیت کے اقدام کی موجودگی کا تیقن کرتی ہے اور اس بات کا حاکمہ فیصلہ کرتی ہے کہ دفعات 41 اور 42 کے تحت امن کے قیام یا بحالی کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ کونسل کے فیصلے سفارش کا درجہ نہیں بلکہ مستند حکم کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ منشور کی دفعہ 25 کے تحت یہ ہر رکن کی ذمہ داری

ہے کہ وہ منشور کے تحت سیکیورٹی کو نسل کے فیصلوں کو قبول کرنے اور انھیں ناقہ کرنے پر تیار ہوں۔ اسی طرح اقتصادی تعزیرات ناقہ کرنے کے معاملہ میں بھی کو نسل خود مختار ہے۔ // دفعہ 41 // دفعہ 42 کے تحت کو نسل فوجی تعزیرات ناقہ کرنے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ لیکن دفعہ 43 کے تحت قیام امن کو درکار بین الاقوامی پولس فورس کے لیے عملہ اور وسائل سیکیورٹی کو نسل اور اقوام متحده کے انفرادی ارکان کے درمیان سمجھوتہ کے ذریعہ فراہم کیے جائیں گے۔ البتہ اقوام متحده کی فوج تیار ہونے کے بعد اس سے کام لینے کی تمام ترمذہ داری کو نسل کی ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ کچھ ارکان اپنی ذمہ داری کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کو نسل سے تعاون نہ کریں۔ اس سے بڑھ کر خود اس باب میں دو دفعات ایسی ہیں جو اقوام متحده کے اجتماعی تحفظ کے نظام کو بے اثر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ایک ہے دفعہ 51 جس کے تحت منشور نے اقوام متحده کے ارکان کو اپنے خلاف مسلح حملہ کی صورت میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ذاتی دفاع کا فطری حق تسلیم کیا ہے۔ دفعہ 27 پیر اگراف 3 میں سیکیورٹی کو نسل کے طریق کارکی وضاحت کی گئی ہے اور کو نسل کے کسی بھی فیصلہ کے حق میں پانچوں مستقل ارکان // چین، فرانس، برطانیہ، روس اور ریاست ہائے متحده امریکا // سمیت 9 ارکان کی ثبت رائے لازمی قرار دی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر باب ہفتم کے تحت کو نسل کے کسی مجوزہ اقدام سے کوئی مستقل رکن اختلاف کرے تو کو نسل فیصلہ نہ کر سکے گی اور نہ قانون کے نفاذ کی مشینی حرکت میں آئے گی۔ مستقل ارکان کے حق تنسیخ // ویٹو پاور // کی یہی بنیاد ہے۔ اقوام متحده کے اجتماعی تحفظ کی کارکردگی کی بنیاد مشرق و مغرب کے درمیان سرد جنگ کے پھر جانے سے یہ مشینی فرسودہ ہو کر رہ گئی۔ دونوں عظیم ترین طاقتیں نے دفعہ 51 کے تحت دفاعی بلاک

اور علاقائی اتحادات قائم کے۔ تنظیم کے اجتماعی اقدام کی تنہا مثال عام اسمبلی کی جانب سے نومبر 1950 میں "اتحاد برائے امن قرارداد" // Uniting for Peace Resolution // کی منظوری تھی جس کے تحت ارکان سے جنوبی کوریا کے خلاف شمالی کوریا کی جاریت کو روکنے کی سفارش کی گئی۔ چونکہ اسمبلی کی قرارداد مخصوص سفارش کی حیثیت رکھتی ہے لہذا نفاذ کا اختصار ارکان کی رضامندی پر ہوتا ہے۔ وہ ان سفارشات کو مانند یارد کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ کوریا میں اقوام متحدہ کی کارروائی بڑی حد تک امریکا کی کارروائی تھی۔

سیاسی اعتبار سے بھی اجتماعی تحفظ کا نظام پاعدار نہیں ہو سکتا کیونکہ اجتماعی تحفظ میں لازمی طور سے "حالت موجودہ" // Status Quo // کا دفاع مضمرا ہے۔ اس طرح جمیعت اقوام کے اجتماعی تحفظ کے نظام کا مقصد 1919 میں بنائے گئے علاقائی نقشہ کی حفاظت تھا۔ لیکن پہلی جنگ عظیم میں شکست کھانے والی قویں اس نقشہ کی مخالف تھیں کیونکہ ان کے ساتھ نا انصافی ہوئی تھی۔ امریکا اور روس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن فرانس اور اس کے اتحادیوں کے نزدیک، جن کو 1919 کے معاهدات امن کے تحت وجود میں آنے والے نقشہ سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا تھا، تحفظ کے معنی یہ تھے کہ 1919 کی سرحدوں کا ہر قیمت پر دفاع کیا جائے۔ حالت موجودہ کی موافقت اور مخالفت میں قوموں کی صفت بندی پہلی جنگ عظیم کے بعد کی کیفیت نہیں بلکہ بہت پرانی ہے۔ استقرار پسند اور توسعی پسند طاقتلوں کی کشمکش بھی نئی نہیں۔ اقتدار کی اس کشمکش کو اگر مملکتی نظام کی اکائیوں کی قومی انیت اور مفاد پرستی کے آئینہ میں دیکھا جائے تو اجتماعی تحفظ عملی اعتبار سے ناقابل عمل ثابت ہو گا۔ اجتماعی اقدام اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب تمام

اقوام حالت موجودہ کی خلاف ورزی کو ناجائز قرار دے کر اجتماعی کارروائی کریں۔ اگر ایسی مثالی صورت حال

پیدا بھی ہو جائے تو اس کا منطقی نتیجہ مقامی اور محدود جگہوں کو عالمی اور غیر محدود بنانے کا ہوگا۔

اجتماعی سودا بازی // Collective Bargaining // تقسیم دولت : مزدوروں کی انجمیں اجرت میں

اضافہ کے ساتھ روزگار بحال رکھنے میں بھی دلچسپی رکھتی ہیں۔ یہ انجمیں انھیں صنعتوں میں زیادہ کامیاب

ہوتی ہیں جن میں محنت کے بد لے سرمایہ کا استعمال دشوار ہو۔ کارخانے زیادہ تر ایک جغرافیائی علاقہ میں

واقع ہوں یا مختلف علاقوں میں قائم کارخانوں میں کام کرنے والوں کے درمیان ربط آسانی کے ساتھ ممکن

ہو۔ متعلقہ صنعت کی پیداوار کی طلب نسبتاً بے پچک ہو اور محنت کی مبادل خدمات کی رسد کی پچک کم ہو۔

جس صنعت کی پیداوار مسابقت والے بازار میں فروخت ہوتی ہو اس میں مزدوروں کی جانب سے اجتماعی

سودہ بازی اجرت میں اضافہ کا مطالبہ منو اسکتی ہے مگر اس سے روزگار میں واقع ہونے والی کمی کو نہیں

روک سکتی۔ البتہ اگر پیداوار میں اجارہ داری یا نامکمل مسابقت کا دور دورہ ہو تو اجتماعی سودہ بازی روزگار

میں کمی کے بغیر اجرت میں اضافہ کروانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ بسا اوقات کارخانہ بھی اجتماعی طور پر

مزدوروں کی انجمیں سے اجرت کے بارے میں سودہ بازی کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں

اجرت کے تعین میں معاشی عوامل سے زیادہ طاقت کے توازن کو دخل ہوتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں حکومتی

تعین اجرت کے معاملہ میں مداخلت کرتی ہیں تاکہ صارفین کے مفاد اور معیشت کے مجموعی مصلح کی رعایت

بھی ملحوظ رہے اور پیداوار عمل میں تعطل کے بغیر مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان اجرت کے

بارے میں کوئی منصفانہ تبھی ہو سکے۔

اجتنابی رشتہ // Avoidance Relationship : بعض سماجوں میں یہ طریقہ رانج ہے کہ مخصوص رشتہ داروں سے یا تو بالکل رسمی // Formal تعلقات رکھے جاتے ہیں یا پھر بے حد کم روابط کی اجازت ہوتی ہے۔ ایسی صورتوں میں سماجی تمدنی اہتمام کچھ اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ ایسے رشتہ داروں کے مابین یا تو بہت حزوی یا پھر انتہائی محدود بین عمل واقع ہونے پائے۔ مثال کے طور پر ساس اور داماد کے مابین اکثر روایاتی سماجوں میں انتہائی محدود پیمانہ پر روابط کاررواج پایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ روایتی ہندو سماج میں عموماً بھوسر جیٹھ اور بڑے ندوئی سے اجتناب بر تھی ہے۔ وہ ان کو منھ نہیں دکھاتی، بات نہیں کرتی اور کسی قسم کی قربت کا اظہار نہیں کرتی۔ روایتی معاشرے میں سگے رشتہ دار ہی نہیں بلکہ دور دراز کے رشتہ داروں سے یہاں تک کہ پورے گاؤں کے بزرگوں سے بھی دوری رکھی جاتی ہے اور پرده کیا جاتا ہے جو ہندو خواتین باہر پرداہ نہیں کرتیں۔ وہ بھی رشتہ داروں سے گھر کے اندر منھ ڈھانکتی ہیں۔ یہ رواج غالباً اس لیے قائم کیا گیا تھا کیونکہ ان رشتہ داروں کے ساتھ بے تکلفی قربت یا زنا کو گناہِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ دیور اور چھوٹے ندوئی کے ساتھ چھیر چھاڑ یا ہنسی مذاق کو روا رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ویدیک زمانے کے کچھ بعد تک دیوروں سے شادی کرنے کی اجازت تھی۔ دیور کا لفظی مطلب بھی دوسرا اور یا دوسرا شوہر ہے۔ آج کے مہذب سماج میں بھی اس رواج کی باقیات موجود ہیں۔ جیٹھ سے احترام آمیز دوری اور دیور سے مذاق روا رکھا جانا ہے۔ جہاں اجتنابی رشتہ ہوتے ہیں وہاں سماج میں مذاقیہ رشتہ // Jocking Relations بھی ہوتے ہیں تاکہ سماجی سطح پر ایک توازن برقرار رہے۔

اجتہاد: لغوی معنی کسی معاملہ ممیزپوری طاقت صرف کر دینا اور کسی چیز میں غیر معمولی کاوش اور انتہائی کوشش کرنا ہیں۔ لیکن فقہ کی اصطلاح میں اس کوشش کا نام اجتہاد ہے جو شریعت کے دلائل کے ذریعہ اس کے احکام مستبطنے کے لیے کی جائے اس کا مقصد یہ ہے کہ جن پیش آنے والے امور و مسائل میں قرآن و احادیث نبوی میں کوئی واضح اور صریح ہدایت موجود نہ ہوان میں قرآن و سنت کے اشارات میں غور کر کے یہ طے کرنا اور پتہ لگانا کہ کون سی بات کتاب و سنت سے قریب ترین ہو سکتی ہے۔ پس اجتہاد کا کام ایسے امور میں شارع کے منشا کی تلاش و تعین ہے جن میں وہ معلوم و متعین نہ ہوں اجتہاد کی ضرورت اس وقت بھی پیش آتی ہے۔ جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کے ذریعہ کوئی حکم متعین کیا گیا ہو لیکن پھر وہ حکم نئے حالات یا زمان و مکان کی تبدیلیوں کے پیش نظر ناکافی اور معتبر نہ ہو اور وہ مصلح کے حصول سے قاصر نظر آنے لگے تو اس مسئلہ میں سابق اجتہاد ترک کر کے نئے اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے علاوہ اجتہاد کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ زندگی کی تبدیلیاں نت نئے مسائل سامنے لاتی رہتی ہیں بالخصوص ان دائروں میں جن میں شارع کی حکمت نے صرف بنیادی ہدایات دی ہیں۔

اس تعریف سے واضح ہوا ہوگا کہ اجتہاد کا معاملہ بڑا، اہم اور نہایت نازک ہے اس لیے اس میں پوری احتیاط اور ذمہ داری ضروری ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتب میں مجتہد کے جو اوصاف شرائط تجویز کیے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف وہی لوگ اس منصب کے اہل ہو سکتے ہیں جو دین میں پوری بصیرت علم میں پختہ استوار اور گہری سمجھ رکھتے ہوں جن کا مذاق کتاب و سنت کے مزاج سے پوری مناسبت رکھتا ہو جو زندگی کے معاملات کے نشیب و فراز اور زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ ان مقاصد و مصلح کو بھی اچھی طرح سمجھتے

ہوں جو شریعت کے احکام میں ملحوظ ہوتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کا عملی اور اخلاقی درجہ اتنا بلند ہو کہ ان کی نسبت یہ شبہ نہ کیا جاسکتا ہو کہ وہ اللہ کے دین کے معاملہ میں اپنی خواہش کو دراندہازی کا موقع دینگے یا کسی خوف اور طمع سے مغلوب ہو کر جھوٹے اجتہادات کر دینگے اور جھوٹے فتوے دینگے۔

اجتہاد کا ذریعہ قیاس ہے اس لیے قدیم اصطلاح میں یہ قیاس و رائے کے ہم معنی بولا جاتا تھا۔ اس لیے مجتہد وہ شخص کہلانے گا جو اپنی غیر معمولی جدوجہد کاوش سے علمی وجہ البصیرۃ کوئی ذاتی رائے قائم کرے۔ اس کے بر عکس مقلد اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کا قول یہ جانے بغیر کہ اس کی دلیل کیا ہے مان لے۔ اس کی دو قسمیں ہیں مجتہد مطلق جیسے ائمہ اربعہ اور مجتہد منتصب یعنی ایسا مجتہد جو اصول میں توکسی خاص فقہ کا پابند ہو لیکن فروع میں آزادی رائے سے کام لے۔ ائمہ اربعہ کے بعد یہ درجہ متعدد فقہاء کو حاصل ہوا۔ اجتہاد میں خطاو صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اگر مجتہد کا فیصلہ غلط بھی ہو تو اس کو ثواب ملے گا کیونکہ اس نے محنت و کاوش کی ہے اور اگر اس کا فیصلہ درست ہو تو اسے دہراً ثواب ملے گا۔ ایک اس کی کوشش کا جو اس نے تفہم دین میں کی دوسرا اس کی اصابت رائے کے نتیجے میں۔

اجتہاد کی نزاکت کے باوجود اس کی ضرورت ہر زمانہ کی طرح اس دور میں بھی مسلم ہے اس کا دروازہ مسدود قرار دینا غلط ہے۔

اجرت // Wages // - تقسیم دولت : کلاسیکی معاشین یہ سمجھتے ہیں کہ اجرت کی شرح گزر بسر کی سطح پر قائم رہتی ہے۔ سرمایہ دار قومی پیداوار کے ایک حصہ کو مزدوروں کے لیے خصوص کر دیتے ہیں جسے اجرت فنڈ // Wages Fund کا نام دیا گیا تھا۔ انسانی آبادی ایسی سطح پر قائم رہتی ہے کہ یہ اجرت فنڈ

مزدوروں کو گزربس کے بقدر اجرت دینے کے لیے کافی ہو جائی۔ بعد میں اجرت فنڈ کا نظریہ غیر حقیقت پسندانہ قرار دے کر ترک کر دیا گیا اور حاشیائی پیداواری پر مبنی نظریہ مقبول ہوا۔ ابتداء میں حاشیائی تحریک کے تحت یہ بنیا گیا تھا کہ محنت کی رسد کا تعین وہ تنکیف یا منفی افادہ // Disutility // کرتی ہے جو مزدور محنت کرنے میں محسوس کرتا ہے۔ مگر بعد میں اس غیر عملی تصور کو ترک کر دیا گیا اور اب محنت کی رسد کی وضاحت آمدی حاصل کرنے یا آرام کرنے کے درمیان مزدور کی ترجیحات کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریہ اجرت میں رسد کی وضاحت ہمیشہ غیر تشفی بخش رہی ہے۔

اگرچہ اکثر ماہرین معاشیات محنت کی طلب کے تعین میں حاشیائی پیداواری کو فیصلہ کن سمجھتے ہیں مگر ان کے نزدیک بھی شرح اجرت کے تعین میں بہت سے غیر معاشی عوامل مثلاً تہذیب و تمدن، رسم و رواج، سیاسی حالات وغیرہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ حاشیائی پیداواری کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ یہ بتائے کہ مذکورہ بلا عوامل کے نتیجہ میں متعین ہونے والی اجرت پر کتنے مزدوروں کو روزگار مل سکے گا۔ "Hashiayi پیداواری پر مبنی نظریہ اجرت" // Marginal Productivity Theory of Wages // کی ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ اجرت کی شرح مزدور کی پیداواری کی تعین میں ادا کرنے والے روں کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ حاشیائی پیداواری پر مبنی نظریہ کی ان کمزوریوں اور عدم مسابقت کی غیر موجودگی میں اس کا اطلاق نہ ہونے کے باوجود اب تک اجرت کا کوئی تبادل نظریہ نہیں دریافت کیا جاسکا۔ معاشین کی توجہہ اب اجرت کے تعین کے کسی عام نظریہ کی تلاش کے بجائے اس ضمن کے دوسرے مسائل کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔

مثلاً کہ اجتماعی سودہ بازی // Collective Bargaining کو تعین اجرت میں کتنا دخل ہے اور مزدوروں کی پیشہ و رانہ نجمنیں // Trade Unions کیا کردار ادا کرتی ہیں۔ نیز یہ کہ مختلف کاروباری اداروں اور صنعتوں میں اجرتوں میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کے کیا اسباب ہیں؟

اجرتوں کا فرق - تقسیم دولت : جدید نظریہ اجرت میں اجرتوں کے درمیان پائے جانے والے فرق کی توجیہ کی طرف خاصی توجیہ کی گئی ہے۔ اس کے لیے کام کی نوعیت درکار معلومات یا فنی تربیت کارخانے یا صنعت کی نفع آوری روزگار کا استقرار یا عدم استقرار نقد اجرت کے علاوہ دوسری سہولتوں یا مراعات اور سماجی وقار وغیرہ جیسے عوامل کا ذکر کیا گیا ہے۔ مختلف پیشوں اور مختلف علاقوں میں اجرت کی شرحوں کے درمیان توازن اس وقت پایا جائے گا جب ان تمام امور کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے ان شرحوں کے درمیان یک گونہ یکسانت حاصل ہو جائے۔

اجماع: یہ اسلامی فقہ کا تیسرا بنیادی مانخدہ ہے لفت میں اس کے معنی کسی کام کا پتہ ارادہ اور عزم کرنا یا کسی امر پر اتفاق رائے کرنا ہے۔ فقهاء کی اصطلاح میں امت کے اہل حل و عقد یا اصحاب و اجتہاد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے۔ یعنی رسول اللہ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانے میں کسی بھی شرعی مسئلے میں ائمہ مجتہدین کا اتفاق اجماع کہلاتا ہے اس طرح عوام یا غیر علماء و مجتہدین کا اتفاق کو اجماع نہ کہا جائے گا۔

اجماع حالات و تقاضے کی مناسبت سے ملت کی فلاح و بہبود سے متعلق جملہ امور میں ہو سکتا ہے۔ یہ دراصل قانون کی حالات و زمانہ کے مطابق ڈھانے کے لیے ایک قسم کا اختیار ہے جو مقتن حقیقی کی طرف سے ان لوگوں کو عطا ہوا ہے جو فکری و علمی حیثیت سے ممتاز ہیں اور اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اجماع کا ثبوت کتاب و سنت کی متعدد تصریحات میں موجود ہے۔ اسی لیے اسلام کے قانونی نظام میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور اجماع کے ذریعہ جو فیصلہ ہو جائے وہ نہایت مستند اور واجب العمل مانا جاتا ہے۔ اس کی مخالفت جائز نہیں ہوتی چنانچہ عام علمانے اجماع کو جدت شرعی قرار دیا ہے۔ البتہ اجماعی فیصلہ میں چونکہ زمانہ کے لفظاً اور فقہاء کی فکری و ذہنی حالت کو بڑا دخل ہوتا ہے اس بنا پر اس کا اتباع خاص اسی زمانہ والوں پر واجب ہوگا بعد کے لوگ حالات کی تبدیلی کی بنا پر دوسرے اجماعی فیصلہ پر عمل کرنے کے مجاز ہونگے۔ اسی طرح ایک ہی زمانہ میں اگر حالات تبدیل ہو جائیں تو اجماعی فیصلہ بھی بدل جائے گا۔

اجماع کی تین قسمیں ہیں۔ // 1 // اجماع قولی، // 2 // اجماعی فعلی، // 3 // اجماع سکوتی۔ اجماع قولی عام علماء سے امت کے باہمی مشورہ اور زبانی اتفاق رائے سے واقع ہوتا ہے۔ اجماع فعلی وہ ہے جو فقہاء کے بغیر کچھ کہے مجرد ان کے عمل پیرا ہونے سے ثابت ہو اجماع سکوتی کا مطلب یہ ہے کہ بعض اہل نظر کے اتفاق سے کوئی بات شائع ہو اور دوسرے اہل نظر اس سے خاموشی اختیار کریں۔

اول الذکر دو قسموں کا اجماع صریح کہتے ہیں اور عموماً اہل علم کے نزدیک تینوں قسم کا اجماع معترض ہے۔ اجماع کی جدت اس بنا پر ہے کہ امت کے تمام اہل علم و فضل کبھی کسی ایسے امر پر اتفاق رائے نہیں کر سکتے۔ جس

کے لیے ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہ ہو اس لیے ان کے اتفاق رائے کا اعتبار و حماڑ کیا جائے گا۔
آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتی۔

اجنبی // Alien // : ہر وہ شخص جو اس سماجی اور سیاسی گروپ سے والبستہ نہ ہو جہاں وہ عام طور پر رہتا ہے اسے اجنبی کہتے ہیں۔ اس گروپ کا طرز عمل اس شخص کے متعلق روایت رواج اور قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اس زمانے کی حکومتوں نے ایسے غیرملک کے باشندوں کو کچھ حقوق اور مراعات عطا کی ہیں اور اس کے متعلق بین الاقوامی قانون میں کافی مواد بھی موجود ہے کسی مملکت کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ وہ غیرملک کے باشندے کو ملک سے باہر جانے کا حکم دے۔ کئی مالک بشمول ریاست ہائے متعدد امریکا نے اپنی غیرملک کے باشندوں کے ملک میں داخلے پر پابندی عائد کی ہے جو مجرم ہوں یا مفلس ہوں یا بیمار ہوں۔ ایک غیرملک کا باشندہ جس ملک میزہتا ہے اس ملک کے قانون کا پابند ہوتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ اپنے ملک کا وفادار ہوتا ہے غیرملک کا کوئی باشندہ // Alien // اپنے ملک کے شہری ہونے کی بنا پر اپنی حکومت سے ضروری کارروائی کی درخواست کر سکتا ہے اگر مقامی حکومت اس کے جان و مال کی حفاظت سے قادر ہے۔

اجنبیت // Alienation // : اجنبیت یا پیگانگیت کی اصطلاح جدید سماجیاتی ادب میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ یوں تو یہ اصطلاح قدیم با بعد الطبعیاتی ادب میں مستعمل رہی ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر پلاٹینس // Plotinus // کی تحریرات میں ملتا ہے۔ لیکن بعد میں نو افلاطونی تصنیف میں یہ تصور زیادہ عام رہا ہے۔ جدید دور میں ہیگل نے اجنبیت کے تصور پر بڑی تفصیلی بحثیں کی ہیں جس کے بعد فوئرباخ نے اس

موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کس طرح مذہب فرد میں احساسِ اجنبيت پیدا کرتا ہے۔ کارل مارکس اور اس کے بعد جدید سماجیات دانوں کی تحریرات میں اجنبيت کی تھیوڑی پر اظہار خیال ملتا ہے۔ مارکس نے فلسفیانہ نقطہ نظر کو چھوڑ کر اجنبيت کے سماجیاتی پہلو پر زیادہ زور دیا۔ ہیگل سے متاثر ہوتے ہوئے بھی مارکس نے ان عوامل کی توضیح و تشریح کی جو افراد میں بتریج خود اپنے تخلیق کردہ ماہول کے تعلق سے احساسِ اجنبيت پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں انسان صنعت و ٹکنالوجی کی مدد سے زیادہ مادی اور سائنسی اشیا پیدا کرتا جا رہا ہے۔ اور جیسے جیسے خارجی پیداوار کی قدر و قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ خود انسان کی اہمیت ان اشیا کے درمیان گھٹتی جا رہی ہے اور حصولِ زر میں انسان اس قدر مصروف ہو گیا ہے کہ اس کے وجود کا مقصد کم ہوتا نظر آ رہا ہے۔ وجودیت اور وجود کی اہمیت صارفی اشیا کی بڑھتی ہوئی پیداوار کی کوششوں کی نذر ہوتی جا رہی ہے جو احساسِ اجنبيت پیدا کر رہے ہیں۔ انسان مشینوں کے درمیان اور صنعتی پیداوار کے تیز دھارے میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرنے لگا ہے۔ ہر فرد کی حیثیت ایک بڑی مشین میں ایک چھوٹے سے پر زے کی ہو کر رہ گئی ہے۔ اور یہ چیز موجودہ سماج میں ایک شدید احساسِ اجنبيت کا سبب بنتی جا رہی ہے۔

کارل مارکس نے اجنبيت کے احساس کو اس قسم کی اشیا کی پیداوار سے جوڑا ہے جو بذاتِ خود انسان کو غلام بنالیتی ہیں جیسے گھڑی یا بھگوان کی مورتی اس نے ان اشیا کی پیداوار کو بھی اجنبيت کا محرک مانا ہے۔ پیدا کرنے والا یعنی مزدور اور کسان خود استعمال نہیں کرپاتا۔ جیسے عمدہ عمارتوں کے معمار اور مزدور کبھی ان

میں قیام نہیں کرپاتے اس لیے ان کو بنانے والے پیدا کی گئی اشیاء سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں اور ان کو اپنے سے اعلیٰ اور بلند سمجھتے ہیں یعنی خالق مخلوق کا مکوم ہو جاتا ہے۔

کارل مارکس کے خیال کے مطابق انسان دو قسم کے حالات میں احساسِ اجنبیت کا شکار ہوتا ہے۔ ایک تو وہ حالات ہوتے ہیں جب انسان اور ماحول کے درمیان تعلقِ خاطر کا احساسِ کم ہوتا ہے یا ماحول کی خارجیت کا احساس اتنا بڑھ جاتا ہے کہ فرد بھیڑ بھرے ماحول کے درمیان تنهائی یا اجنبیت کا احساس کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگر کسی معاشرہ کے اقدار، طور طریقہ رہائش سے مطابقت پیدا کرنے میں فرد یا افراد کو دشواری محسوس ہوتی ہے تو فرد اور ماحول ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں اس لیے بھی علاحدگی یا اجنبیت کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔ دونوں قسم کی اجنبیت فرد کو بیک وقت بھی شکار بنا سکتی ہے۔

بہر حال یہ احساس بیسویں صدی کے نصف آخر میں زور پکڑنے لگا تھا کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی برق رفتار ترقی بھیشت مجموعیِ انفرادی وجود کو اتنا کم اہم ثابت کرتی جا رہی ہے کہ غیر معمولی ترقی کے باوجود انسان کی تنهائی، انحصاریں اور نفسیاتی عواض بڑھتے جا رہے ہیں۔

احتساب // Censorship : اگر حکومت کی طرف سے اظہارِ خیال پر پابندی لگائی جائے یا اس پر تحدید عائد کی جائے تو اسے احتساب یا سنسرچ پ کہا جاتا ہے۔ حکومت اظہارِ خیال پر یہ پابندی اس عذر پر لگاتی ہے کہ اس سے سیاسی، سماجی یا اخلاقی نظام کو خطرہ ہے۔ یہ پابندی مرکزی حکومت کی طرف سے بھی لگائی جا سکتی ہے یا مقامی انتظامیہ یا کسی ذہبی ادارے کی طرف سے بھی۔ یہ پابندی اخباروں، تحریک، سنیما،

ریڈیو، تقریر، تحریر، ادب، غرض اظہار خیال کے سب ہی یا کسی ایک یا زیادہ وسائل پر لگائی جا سکتی ہے۔ یہ پابندی اظہار خیال سے پہلے بھی احتیاط کے طور پر لگائی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں سنسرشپ کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جب ملک میں ایمر جنسی ناقذ کر دی جاتی ہے۔ ہندوستان میں جب 1976 میں ایمر جنسی لگائی گئی تھی تو ملک میں سنسرشپ کا دباو بڑھ گیا تھا۔ احتساب کا رواج آج دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں ہے اور جہاں جمہوریت نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی شکل میں ڈکٹیٹر شپ یا مطلق العنان ہے وہاں تو مکمل احتساب ہے۔ جمہوری ملکوں میں بھی کم یا زیادہ مگر احتساب کا نظام ضرور موجود ہے۔

مشرق اور مغرب دونوں جگہ احتساب کا نظام زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ رومان دور سے آج تک کی مطلق العنان حکومتوں میں سخت اور مکمل قسم کا احتساب ہمیشہ رہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض وقت بادشاہ کے اپنے فرقہ کے عقائد کے سوا باقی تمام عقائد پر پابندی لگادی جاتی تھی۔ بلکہ اس پر لوگ جیلوں میں بھی بند کر دیے جاتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں تو ہر ملک کو احتساب کی ضرورت کو مانا پڑتا تھا۔ عہد و سلطی میں عیسائی ملکوں میں مسلمہ مذہبی عقائد سے ذرا سا بھی اخراج کرنے پر تعزیر اور سخت سزا کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پادریوں نے اس کے لیے طرح طرح کی اذیتیں اور سزا میں ایجاد کر رکھی تھیں۔ رومان کیتھولک بادشاہ پر ٹولٹنٹ عقائد والوں پر حملے کر دیتے تھے۔

19ویں صدی میں اکثر ملکوں میں فشن نگاری کے خلاف سخت قوانین بنائے گئے تھے اور ان قوانین کا فائدہ اٹھا کر ہر اس تحریر اور کتاب کا گلا گھوٹنے کی کوشش کی گئی جو حکمرانوں کو پسند نہیں تھیں۔ بغاوت کے پرچار کے خلاف قوانین بنائے گئے تھے اور آزادی کو کھلنے کی کوشش کی گئی۔ جب آزاد ملکوں کا یہ حال ہو تو

ایشیا و افریقہ کے ملکوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ یہ ممالک تو اظہار خیال کی ہر آزادی سے محروم تھے۔

آزادی کے بعد ہندوستان ایک بڑی جمہوریت کے طور پر ابھرا، جہاں تحریر و تقریر کی آزادی ہر شہری کا بنیادی حق تھی مگر اپنے دور اسٹر جنسی میں اس ملک کو بھی سنسرشپ کے سخت مراحل سے گزرنا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ساری دنیا میں آزادی اور آزادی خیال کی تحریکوں کو بہت بڑھا املا۔ خاص طور پر ترقی یافتہ ملکوں میں پچھلی پابندیاں بہت کم ہو گئی ہیں۔ اگرچہ بہت سارے نوآزاد ملکوں میں جہاں جمہوری حکومتیں نہیں ہیں سخت احتساب کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

احکام: حکم کی جمع ہے مگر قرآن میں صرف واحد استعمال ہوا ہے اس کے معنی صحیح اور فہم اور صحیح فہم کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔ گواں کا اطلاق صحیح کی طرح غلط فیصلے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے // مالک کیف تحکمون // تم لوگ کیسے فیصلے کرتے ہو۔ دوسری جگہ ہے // انکم ابجاھلیہ یغون // یعنی کیا وہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں لیکن اصلاحیہ صحیح فیصلہ دلوں کا ہے اور قول فیصل کے لیے بولا جاتا ہے۔

اس لفظ کے دوسرے معنی اس اصلی معنی پر مبنی ہیں جیسے امر اختیار اور فرمان کے معنی میں۔ اللہ کا ارشاد ہے الاله ا الخلق و الامر // اگہ اللہ ہی کے لیے پیدا کرنا اور حکم دینا ہے // دوسری جگہ ہے ان الحکم الا اللہ // فیصلہ امر و اختیار صرف خدا کا ہے // اسی طرح حکومتوں کے کلی اختیارات اور بادشاہوں کے اور امر اور فرائیں کے لیے بھی یہ عام طور پر مستعمل ہے۔

شارع کے ارشادات وہدیات اور شریعت کے مسائل و قوانین اور تشریعی ضوابط بھی احکام کہلاتے ہیں فرقہ کی کتابوں کے مختلف ابواب و فصول میں جو مسائل درج ہوتے ہیں وہ بھی احکام کہے جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی خاص موضوع کے اصول و قواعد و فنون کے ضوابط و قوانین بھی احکام کہلاتے ہیں۔ احکام انہوں کا مطلب یہ ہے کہ انہوں کے قواعد و قوانین اسی طرح احکام النجم سے مراد نہ جو مسائل و تعلقات ہوتے ہیں۔

اختتامی مکتب خیال // Marginal School // : اختتامی مکتب خیال ان معاشیں پر مشتمل ہے جو معاشی نظریوں کی تشریح میں معاشی مقداروں // Economic Quantities // کے مختتم تصور کو پیش کرتے ہیں۔ طلب و رسد کے تعین کے سلسلے میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح قانون طلب کی بنیاد قانون تقلیل افادہ پر ہے اور کسی شے کی قیمت اس کے افادہ مختتم سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قانون رسد کا تعلق قانون تقلیل مصارف سے ہے اور کسی شے کی قیمت رسد اس کے مصارف مختتم سے کم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ معاشی نظریوں کے اس تجزیہ و توجیہ کو اختتامی تجزیہ // Marginal Analysis // کہتے ہیں۔ اس طریق تجزیہ کے ذریعہ ہی پانی اور ہیرے جیسی چیزوں کی قدر و قیمت کے تضاد کو حل کرنا ممکن ہو سکا اور اس کی مدد سے اشیا صرف کی قیمتوں کے تعین کے ایک عام اصول کی تشكیل ممکن ہوئی اور ساتھ ہی عاملین پیداوار کی قیمتوں کے تعین کے عام اصول // جسے تقسیم کا نظریہ پیداواری مختتم // Marginal Productivity Theory of Distribution کہتے ہیں // بنائے جاسکے۔ اختتامی تجزیہ پر باوجود اس ہیئت کے مختلف قسم کی تنقیدیں کی جاتی رہی ہیں جن میں سے کچھ تقسیم کے نظریہ پیداواری مختتم سے اور کچھ اشیا صرف کی قیمتوں کے تعین کے اصول سے متعلق ہیں۔ جہاں تک اشیا صرف کی قیمتوں کے تعین کا

افادہ مختتم اور مصارف مختتم کے مساوی ہونے کا تعلق ہے مختلف تنقیدوں میں اہم تنقید یہ ہے کہ اگر دو یا
 دو سے زیادہ اشیا کا استعمال مشترکہ ہو اور ان کا تناسب معین ہو تو کسی ایک شے کے افادہ مختتم کا تجھیہ
 نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح دو یا دو سے زیادہ اشیا کی مشترکہ پیداوار اور معین تناسب میں کسی صورت میں ان
 میں سے کسی ایک کے مصارف مختتم کا تجھیہ ممکن نہیں۔ ایک اور قابل ذکر اعتراض یہ ہے کہ فرم عملی طور
 پر نہ تو ہمیشہ بیشترین منافع حاصل کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی اس کے ذہن میں مصارف مختتم کا کوئی تصور ہوتا
 ہے وہ عموماً وسط مصارف کو پیش نظر رکھتا ہے اور بیشترین منافع کے بجائے بیشترین مقدار فروخت کے
 ذریعہ ایک معقول مقدار منافع کو کافی سمجھتا ہے۔ لیکن یہاں ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی
 خریدار مختلف اشیا کی خریداری کے سلسلہ میں یہ نہیں سوچتا کہ جو روپیہ وہ کسی ایک چیز کی مزید مقدار پر خرچ
 کرے گا اگر وہی کسی دوسری شے کی مزید مقدار پر کرے تو اسے کسی قدر افادہ حاصل ہوگا۔ اس طرح ایک
 فرم اپنی پیداوار کو بڑھانے کے سلسلے میں اس بات کو پیش نظر رکھتا ہے کہ مزید پیداوار کو بڑھانے سے جو
 مزید مصارف ہوں گے اس کی فروخت سے حاصل ہونے والی مزید آمدنی سے مزید فائدہ حاصل ہو سکے۔
 پیداکار اور صارفین کے اسی قسم کے عام طرز عمل کو ظاہر کرنے کے لیے "مختتم" کا تصور معاشی تحریے
 میں جو اہمیت رکھتا ہے اس کو بالکلیہ طور پر رد نہیں کیا جاسکتا۔

اخوان المسلمون // : اخوان المسلمين دنیاۓ عرب میں عہد حاضر کی
 لمسلمون // : اخوان المسلمين دنیاۓ عرب میں عہد حاضر کی
 سب سے بڑی اسلامی سیاسی تحریک ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اٹھار ہویں صدی کے اوائل سے اب
 تک اسلامی احیا اور سیاسی پیداواری کی جتنی بھی کوششیں عالم عرب میں ہوئیں ان میں سب سے ممتاز مقام

اخوان المسلمون کو حاصل ہے۔ دراصل یہ مصر کی ایک مذہبی اور سیاسی تحریک ہے جس کی بنیاد مصر کے ایک ممتاز عالم دین حسن البنا نے 11 اپریل 1929 میں ڈالی تھی۔ اس تحریک کا مقصد خالص دین اور مذہبی روایات کو زندہ کرنا اور ان کے مطابق مسلم معاشرہ اور حکومت کی تجدید کرنا تھا۔ اس تحریک نے مصر کے تمام طبقوں بالخصوص زیریں اور متوسط طبقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کے اثرات دوسرے تمام عرب ملکوں میں پھیل گئی۔

1936 میں جب فلسطین کی کشمکش شروع ہوئی تو اخوانیوں نے عربوں کی ہر ممکن حمایت کی۔ 1939 میں دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں اخوان المسلمون نے سیاسی، تنظیمی، معاشی، معاشرتی اور تجارتی جدوجہد کے میدانوں میں قدم رکھا۔ جنگ عظیم دوم // 1939-1945 // کے دوران مصر کی سیاسی حالت ڈگر گوں تھی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد اخوانیوں نے برطانوی اقتدار کے خلاف عدم تعاون کی زبردست تحریک چلائی اور اس کے خلاف اعلان جہاد کا مطالبہ کیا۔ 1948 کی جنگ فلسطین میں اخوانیوں نے عرب لیگ کے پرچم تلے عدیم المثال شجاعت اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ 8 دسمبر 1949 کو محمود فہمی التقراشی نے اخوانیوں کے دوبارہ اعلان جہاد کے مطالبہ پر اپنی حکومت کی بقا اور انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے اسے غیر قانونی تنظیم قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دی۔ اس کے بعد جلد ہی بیس روز کے اندر التقراشی کو قتل کر دیا گیا۔ اس کا الزام اخوانیوں پر لگا چنانچہ جوابی کارروائی میں اس تحریک کے بانی حسن البنا کو 12 فروری 1949 کو شہید کر دیا گیا۔

اکتوبر 1951 کی آزادی کی کشمکش میں اخوان المسلمون نے بھرپور حصہ لیا۔ جولائی 1952 میں شاہ فاروق کے خلاف جنرل نجیب کی بغاوت اور پھر 1953 میں فوج میں بھی نفوذ کر گئے تھے کیونکہ ان کے فوجیوں سے بڑے خوشنگوار تعلقات تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اخوانیوں کا اثر فوج میں خاصاً بڑھ گیا تھا۔ 1948 کی جنگ فلسطین میں اخوانیوں اور فوجی افسروں نے باہم مل کر جنگ لڑی تھی اور اخوانیوں کی جانبازی اور خلوص نے ان افسروں کو بہت متاثر کیا تھا۔ 1951-52 میں پھر جنگ سوئز میں بھی اخوانیوں کو دادشجاعت دینے کا موقع ملا۔ اس طرح اخوانی لوگ فوج سے بہت قریب ہو گئے۔ لیکن 1952 کے انقلاب کے بعد جدید مصر کی تعمیر نو کے مسئلہ پر فوج اور اخوانیوں کے مابین اختلاف برپا ہو گیا اور اس نے ناقابل عبور خلیج کی صورت اختیار کر لی۔ جو وقت کے ساتھ دراز ہوتی گئی۔ اخوانی اسلامی ریاست کے قیام کے خواہاں تھے اور فوج سیکولر ریاست قائم کرنا چاہتی تھی۔ اخوانی محramat کے مکمل انسداد، نہر سوئز سے انگریزوں کا غیر مشروط انخلاء کے ساتھ مصر اور نہر سوئز کو بین الاقوامی شاہراہ تسلیم کیے جانے کے سخت خلاف تھے۔ 28 مارچ 1954 کو جمال عبدالناصر کے فوجی حکمران بن جانے کے بعد اخوانیوں اور حکومت کے مابین کشمکش نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ 26 اکتوبر 1954 کو جب ناصر پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا تو مکنہ قاتل کو اخوان المسلمون سے منسوب کر کے اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ اس کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور اس کے چوٹی کے علماء و فضلاً تختہ دار پر چڑھا دیے گئے۔ ان میں سید قطب شہید کا نام بہت نمایاں ہے۔

اخوان المسلمين کی شاخص مختلف ملکوں میں کام کرتی ہیں۔ شام کے شہر دمشق میں بھی 1937 میں اس کی شاخ قائم ہو گئی۔ مختلف علاقوں میں اس کی شاخص مختلف ناموں سے کام کرتی ہیں۔ یروشلم، لبنان اور سوڈان میں بھی اس کی شاخص قائم ہوئیں۔ 1946 میں لبنان کی شاخ نے جنگ فلسطین میں نہایت سرگرم حصہ لیا۔ عراق میں یہ تحریک شیخ محمد محمود الطاف کے زیر نگرانی کام کرتی تھی۔ مشرقی افریقہ کے بعض حصوں تک بھی یہ تحریک پہنچی اور واقعہ یہ ہے اس تحریک کے اثرات تمام اسلامی دنیا پر مرتب ہوئے جو آج یعنی 2001 میں بھی اس کے وابستگان مختلف مسلم مالک میں مختلف سطحوں پر موجود ہیں۔ ان کا مرکز مصر ہے اور موجودہ حکومت نے ان پر پابندی تو نہیں عائد کی ہے تاہم ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتی ہے۔

اخوان المسلمين کے موجودہ مرشد عام قاعد مصطفیٰ مشہور ہیں۔

ادارہ // Institution : عام طور سے ہم کسی بھی انجمن یا تنظیم کو ادارہ کے نام سے منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً "ادارہ علم و ادب" یا "ادارہ فلاح قوم" وغیرہ۔ معاشرتی علوم کے زاویہ نظر سے ادارہ کی صطلاح کا یہ استعمال غلط ہے۔ اصلاً "ادارہ" کسی چیز کو منظم کرنے کا نام ہے۔ یہ لوک ریت // Folkways // سخت اقدار // Mores اور قوانین کا ایک مربوط مجموعہ ہے جو ایک یا اس سے زیادہ تفاسیر کے گرد تغیر کیا جاتا ہے یا ہو جاتا ہے۔ معاشرتی ربط و ضبط کے مسلمہ مروجہ مقبول اور منظور شدہ طریقوں کے عظیم سلسلہ کو ہم ادارہ کہتے ہیں۔ یہ معاشرتی تعلقات کا ایک ایسا منظم نظام // System // ہے جو مشترک اقدار // اور طرز ہائے اقدار // Procedures // کو مادی شکل عطا کرتا ہے اور سماج کی بعض بنیادی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ مشترک اقدار سے ہمارا اشارہ مشترک تصورات و مقاصد کی طرف ہے۔

مشترک اقدار سے ہم وہ معیاری // کرداری وضعات // Standardized Behaviour // Patterns مرا د لیتے ہیں جن کی تعمیل گروہ Group // کرتا ہے۔ تعلق کے نظام سے مراد کاربائے منصبی // Roles // اور حیثیتوں // Statuses // کا وہ تابانا ہے جس میں افراد کا عمل جاری رہتا ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں خاندان مشترک اقدار کا ایک مرکز // محبت اولاد اور خاندانی زندگی سے متعلق // مشترک طرز اقدار کا ایک مجموعہ // بچے کی تربیت خاندانی معمولات سے متعلق // اور کاربائے منصبی اور حیثیتوں کا ایک جال // شوہر بیوی بچہ نوجوان یا دوشیزہ اور منسوب یا منسوبہ کو محیط کرتے ہوئے // ہوتا ہے۔ یہ سب مل کر معاشرتی تعلق کا ایک ایسا نظام تشکیل دیتے ہیں جس کے ذریعہ خاندانی زندگی کو جاری رکھنا ممکن ہے۔

ادارہ کو بنیادی طور پر سماجی اور انفرادی ضروریات سے جوڑ کر سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا۔
ہر سماج میں افراد کی بے شمار نجی اور سماجی ضروریات ہوتی ہیں۔ ان ضروریات کو سماج میں قابل قبول بلکہ پسندیدہ انداز میں پورا کرنے کے لیے ایک طریقہ کار سکھایا جاتا ہے۔ ساتھ میں کچھ ذرائع بھی ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ کار اور ذرائع ہر شخص کو ایک ہی انداز میں بھانے پڑتے ہیں کیونکہ ہر انسان اگر من مانے طریقے سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے لگے تو سماجی نظام چکنا چور ہو جائے۔

کولے نے ادارہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔ "لگاتار جاری رہنے والی ضروریات یا خواہشات کو پورا کرنے والے سماجی وراثت کے ذریعہ حاصل ہونے والے اجتماعی برداشت کا نظام ادارہ کہلاتا ہے۔"

بوگاردس نے بھی تقریباً ہمی کیا ہے کہ "ایک سماجی ادارہ سماج میں ایک ساختی بندوبست ہے جو تسلیم شدہ طریقوں کے ذریعہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔"

ہندوستان اور دوسرے قدامت پسند معاشروں میں سماجی اداروں کی کچھ خصوصیات اس طرح ہیں:

// 1 // قدامت، // 2 // تسلسل، // 3 // انجذاب، // 4 // تمام اکائیوں کا بنیادی اتحاد اور // 5 // مذهب پرستی یا بنیاد پرستی۔

قدیم سماجوں میں مختلف ضروریات کو جو نجی اور سماجی دونوں طور پر تسلیم شدہ ہوں، پورا کرنے کے لیے مختلف ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔ سماج ان کو دھیرے دھیرے غیر شعوری طور پر راہ دیتا ہے۔ یہ اکثر خود روپ وحشیوں کی طرح بڑھ جاتے ہیں لیکن بعد میں کاٹ چھانٹ کر ان کو ایک بہتر شکل دے دی جاتی ہے۔

دور حاضر کے پیچیدہ Complex // معاشرہ میں پانچ اہم بنیادی ادارے مانے جاتے ہیں جو خاندان، مذهب، حکومت، معاش اور تعلیم سے متعلق ہیں۔ آج کل جبکہ سائنس کی اقدار اور طرز ہائے اقدار کو بے انتہا اہمیت حاصل ہو چکی ہے اور یہ بے حد معیاری ہو چکے ہیں۔ بعض اصحاب نظر "سائنسی ادارہ" کو بھی اس فہرست میں شامل کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔ معاشرتی خدمت // Social Service // یا طبی نگہداشت // Medical Care // میں شامل فعالیات // Activities // اس قدر متعین طور پر وضع // Pattern // اختیار کر چکی ہیں کہ کردار کے ان نظاموں کو بھی ادارہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ادارہ کی عالم وجود میں آنے کے لیے کسی منصوبہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لوگ اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر قابل عمل وضعات ان کے ہاتھ آجائی ہیں جو تکرار عمل کی وجہ سے معیاری رسوم // Customs کی شکل میں پختہ پڑ جاتی ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے یہ وضعات لوک اساطیر // Folklore کی ایک شکل اختیار کر لیتی ہیں جو انھیں حق بجانب ثابت کرتی ہے اور ان کے لیے جواز فراہم کرتی ہے۔ مثلاً اُسبت یا سگائی نے شوہر بیوی کے جوڑے کے انتخاب کے سلسلہ میں رواج کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

جہاں ایک طرف ہر ادارہ کی اپنی انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں وہاں پر ہر ادارہ کچھ حیثیتوں سے دوسرے تمام اداروں سے مماثل بھی ہوتا ہے۔ تمام اداروں کے لیے اپنے شرکا کی وفاداری کا برقرار رکھنا، مختلف اہل تفاعل // Functionaries کو اختیار // Authority سونپنا، کردار کے معیارات کی ضابطہ بندی کرنا اور دوسرے اداروں کے ساتھ میل جوں کرنے کے طریقوں کو فروغ دینا لازمی ہوتا ہے چونکہ یہ عام مسائل ہیں اس لیے انھیں حل کرنے کے لیے وہ ادارے بھی جن کے ہدف // Goals ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہوتے ہیں کافی حد تک مماثل طریقہائے کار // Techniques استعمال کرتے ہیں۔

تمام ادارے اپنے مخصوص علامم // Symbols کو تشکیل دیتے اور پروان چڑھاتے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنی یاد دہانی اجمال کے ساتھ کراتے رہتے ہیں۔ مثلاً گونی جھنڈے کو سلامی ریاست سے وفاداری کی یاد دہانی کراتی رہتی ہے۔ بعض اوقات ترجم بھی علامت بن جاتا ہے جیسے جلسے یا بھجن وغیرہ میں ترجم

ذہب سے وفاداری کو تقویت دیتا ہے۔ اسی طرح عمارت بھی ادارہ کی علامت بن سکتی ہے۔ مثلاً مندر، مسجد، گرجا، گرو دوارہ وغیرہ کی عمارتیں۔

وفاداری کے عام احساس کی تلقین کے ساتھ ادارہ اپنے ارکان سے ان کارہائے منصبی کو لازماً نجام دلاتا ہے جو انھیں ادارہ کی طرف سے تفویض کیے گئے ہیں۔ ان کارہائے منصبی کا اظہار اکثر رسمی قوانین // Formal Codes کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً ملک سے وفاداری کی قسم شادی کے رشتہ کا عہدہ قوم کی خدمت کا عہدہ وغیرہ۔ یہ رسمی قوانین اس مجموعی کردار کا ایک حصہ ہوتے ہیں جس سے ادارتی // Institutional کار منصبی وجود میں آتا ہے۔

ہر ادارہ کی ایک ساخت // Structure // ہوتی ہے اور معیاراتی // Normative // ساخت معیارات // Norms // توقعات قواعد طرز اقدام ظ کا تحریر یا غیر تحریر یا غیر رسمی // Informals // طائفہ ہوتا ہے۔ عملہ جاتی // Personnel // ساخت اشخاص کارہائے منصبی اور حیثیتوں کا جال ہوتی ہے۔ جن کے ذریعہ ادارہ کی فعالیات کو جاری رکھا جاتا ہے۔ دونوں معیاراتی اور عملہ جاتی ساختوں کو چست یا ڈھیلی ڈھالا // Loosely // ساخت کہا جاسکتا ہے۔ Closely //

بعض ادارتی اکائیاں // Units // چست ساخت شدہ ہوتی ہیں کیونکہ ان میں اختیار بے انتہا مرکوز // ہوتا ہے اور طرزہائے اقدار بے حد معیاری ہوتے ہیں۔ ادارتی اکائیوں میں مقامی گروہوں // Local Groups // یا افراد کے لیے خود مختاری // Autonomy // قطعاً نہیں ہوتی۔ دوسری ڈھیلی ڈھالی ساخت شدہ ادارتی اکائیوں میں مرکزیت // Centralization // کم ہوتی ہے اور

عمل کے لیے زیادہ آزادی میسر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بیشتر موقع کے قواعد کے تجویز // Prescription // کرنے میں بھی نسبتاً زیادہ آزادی ہوتی ہے۔ ڈھینی ڈھالی ساخت شدہ ادارتی اکائی میں کارہائے منصبی کی توضیح کم ہوتی ہے اور حالات کے تقاضے کے مطابق فرد یا مقامی گروہ کے ذریعہ ان کارہائے منصبی کا توافق // Adjustment // ممکن ہو جاتا ہے۔ ریاست اور فوج عموماً چست ساخت شدہ ادارے ہوتے ہیں جن کے کارہائے منصبی اور ہر صفت // Rank // کے لیے ایک حیثیت // Status // احکامات کی بے لوچ تعیین اور مفصل تنظیمی وضعات کی معین طور پر توضیح ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں خاندان ایک پچدار ساخت شدہ ادارہ ہے جس میں کارہائے منصبی اور حیثیتیں غیر یقینی ہوتی ہیں بلکہ بعض اوقات یہ خاصی گنجائی ہوتی ہیں۔

معاشرہ اس قدر پچیدہ ہے اور اس کی قوتیں // Forces // اتنی قسم کا باہمی تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں کہ کسی خاص عمل کے تمام نتائج کی پیش بینی کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ادارہ کے تفاعلات // Functions // معاشرہ کی پچیدگی کی وجہ سے ہی یک جہتی نہیں بلکہ دو جہتی ہوتے ہیں۔ اس کے مظہر // Manifest // تفاعلات وہ ہوتے ہیں جن کو آسانی کے ساتھ ادارہ کے صریح مقاصد // Processed Objectives // کے جزو کی حیثیت سے شناخت کیا جاسکتا ہے اور مستور // Latent // تفاعلات وہ ہوتے ہیں جو بے قصد ہوتے ہیں اور بے شناخت ہو سکتے ہیں یا اگر شناخت شدہ ہوں تو انھیں فرعی پیداوار // By Products // قرار دیا جائے گا۔ ہمارے اقتصادی اداروں کا مظہر تفاعل اشیا کی پیداوار تقسیم خدمات اور منافع ہے۔ ان کے مستور تفاعلات شہری زندگی // Urbanisation // کو فروغ دینا خاندانی نظام میں

ردو عمل کرنا ٹریڈ یونینوں کی تعداد میں اضافہ کرنا تعلیم کا رخ بدلتا اور دوسری بہت سی تبدیلیاں لانا ہیں۔ کسی ادارہ کے مستور تفactualات صریح مقاصد کے لیے مدد و معاون ہو سکتے ہیں یا اس سے غیر متعلق // Irrelevant ہو سکتے ہیں۔ یا ایسے نتائج تک پہنچا سکتے ہیں جو کہ خود اداروں کے معیارات کے لیے ضرر رسال ثابت ہوں۔

کوئی بھی ادارہ خلا میں عمل پیرا نہیں ہوتا۔ ہم کسی بھی معاشرتی ادارہ کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ متعلقہ ثقافت // Culture کے ساتھ اس کی نسبتوں کا مطالعہ نہ کریں۔ مذہب، حکومت، تجارت، تعلیم، خاندان سب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عمل مقابل کی ایک مستقل حالت میں وجود رکھتے ہیں۔ تجارتی حالات متعین کرتے ہیں کہ کتنے لوگ خود کو ازدواجی زندگی کی ذمہ داری سنجا لئے کا اہل تصور کرتے ہیں۔ شادی اور پیدائش کی شرح اشیائے ضرورت کی طلب کو منتشر کرتی ہے۔ تعلیم ان رویوں // Attitude کو پروان چڑھاتی ہے جو مذہبی اعتقادات کو قبول یا رد کراتے ہیں جو با مذہب یا تو علم و فضل کو مہیز کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ خدا کا علم نصیب ہوتا ہے یا سائنسی تلاش و جستجو کی فکر کرتا ہے کہ اس سے ناقص تصورات پر زد پڑتی ہے۔ تاجر، معلم، مذہبی پیشاور اور دوسرے تمام اداروں کے اہل تفاعل حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ حکومت کے کام ان کے ادارتی کاموں کی کامیابی یا ناکامیابی کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

تمام ادارے تبدیل ہوتے ہوئے معاشرہ کے مطابق اپنا تطابق // Adaptation // لازماً اور مسلسل کرتے رہتے ہیں۔ ایک ادارہ میں تبدیلیاں دوسرے اداروں کو حسب ضرورت تبدیل ہونے پر مجبور کر دیتی

ہیں۔ مثلاً اگر خاندانی وضعات میں تبدیلی واقع ہوگی تو ریاست معاشرتی تحفظ کے نظام کو قائم کرے گی۔ اگر مزدور کھیتوں سے کارخانوں کی طرف بھرت کریں گے تو اہل مذہب کو اپنا انداز بیان و تبلیغ بدلتا پڑے گا تاکہ نئے حالات کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ اس طرح کوئی بھی ادارہ نہ تو دوسرے اداروں کو متاثر کرنے سے گریز کر سکتا ہے اور نہ خود کو دوسرے اداروں سے متاثر ہونے سے بچا سکتا ہے۔

اُڈیکٹا مجسٹریٹم // Edicta Magistratum // : اُڈیکٹا مجسٹریٹم رومن لاء کی اصطلاح میں ان اعلانات یا احکامات کو کہا جاتا تھا جو ابتداء میں کوئی اعلیٰ مجسٹریٹ ان امور کے متعلق جس کا اسے اختیار تھا زبانی دیا کرتا تھا۔ رومن لاء کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ مجسٹریٹ جن کو کسی مسئلے کے متعلق اختیار سماعت دیا جاتا تھا وہ اس کا پوری طرح استعمال کرتے تھے اور ان کے صادر کردہ احکامات رومن لاء کے اہم ترین مأخذ ہن گئے۔ ار بن ڈیلوپمنٹ اتحارٹی // Urban Development Authority // : شہری ترقی کے لیے وسائل مہیا کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے سرکاری سطح پر ار بن ڈیلوپمنٹ اتحارٹی ایک قانون کے ذریعہ قائم کی جاتی ہے۔ اس اتحارٹی کے فرائض میں ماسٹرپلان کی تیاری شامل ہے جس کے تحت مقامی انتظامیہ کے مشورے سے شہر کی توسعی اور دیگر ترقیاتی اسکیمیں عمل میں لائی جاتی ہیں اور زمینوں کے استعمال کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ ار بن ڈیلوپمنٹ اتحارٹی کے ار کان حکومت کے نامزد کردہ ہوتے ہیں۔

ارتقاء // Evolution // : ارتقاء ان چند تصورات میں سے ہے جو دنیاۓ فکر کے مختلف میدانوں میں مشترک ہیں۔ چنانچہ ارتقاء کی اصطلاح سماجی علوم طبعی علوم اور فلسفہ تینوں میں مستعمل ہے۔ کوہہ برمیدان میں اس تصور کے مضمرات جدا جدہ ہیں۔ ارتقاء کے تصور کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ عالم موجودات میں جو کچھ بھی نظر

آتا ہے وہ ایک نامعلوم اور لاتہاں تبدیلیوں کے سلسلہ کا ایک تفاضلی تتجہ ہے۔ اور کسی وقت جو بھی کیفیت یا نظم پایا جاتا ہے۔ وہ بھی تبدیلیوں کے سلسلہ کی محض ایک کڑی ہے۔ گویا ارتقاء قانون فطرت کی ایک اٹل حقیقت ہے۔ ارتقاء کے تصور سے جونکات والستہ کیے جاتے ہیں ان میں تبدیلی، نظم، جہت، ترقی اور اکمال اہم ہیں۔ ارتقاء کا بنیادی نکتہ تبدیلی ہے یعنی اس کائنات کا ہر ذرہ اور اس کی ہر حقیقت مسلسل تبدیلیوں سے گزرتی رہتی ہے۔ لیکن ان تبدیلیوں میں ہمیشہ ایک قسم کا نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ مفکرین کا یہ بھی خیال ہے کہ تبدیلی اور نظم کے طریقے منزل نہیں ہوتے بلکہ اس خاص اور با معنی جہتیں ہوتی ہیں۔ تبدیلیوں کی یہ جہتیں موجودات کو ترقی کی سمت لیے جا رہی ہیں اور تبدیلیوں کا یہ پورا سلسلہ اور اس کا مقصد عالم موجودات اور خارجی حقائق کو تنکیل یا کمال کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس پورے ماحول کو جو ہمیشہ سے جاری ہی عمل ارتقاء کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ طبی سماجی فکری اور مابعد الطیعیاتی ہر میدان میں ارتقاء کا سلسلہ ابتداء سے جاری ہے۔ دوسرے کچھ مفکرین اس سلسلے کو ثابت یا منفی نہ سمجھ کر محض ایک عمل اور رد عمل کا سلسلہ سمجھتے ہیں۔

زندگی اور قوت نمو کے ارتقاء کے ساتھ سماجی ارتقاء کے تصور کو وسط انیسویں صدی سے اہمیت حاصل ہو گئی۔ 1959 میں ڈارون کی مشہور کتاب 'آغاز انواع' // The Origin of Species // کی اشاعت کے بعد ارتقائی نظریہ کو عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ڈارون ارتقائی نظریہ کا بانی ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ ڈارون کی کتاب کے بعد بیشتر مغربی مفکرین نے فطری اور سماجی علوم میں اس تصور کو اپنے مباحث کا مرکز قرار دیا۔ چنانچہ مشہور سماجیات داں ہربرٹ اسپنسر نے 1864 اور 1867 کے درمیان

سماجی ارتقاء پر کافی بحث کی۔ سماجی ارتقاء کے تعلق سے دو قسم کے نظریات پیش کیے گئے۔ ایک نظریہ کی رو سے تمام سماج ایک ہی جہت یا منزل کی طرف مختلف را ہوں سے رواں دواں ہے۔ اس نظریہ کو سماجی ارتقاء کا یک جہتی نظریہ // Unilinear Evolution // کہا جانا ہے۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ ارتقاء کا سلسلہ مختلف جہتوں میں بھی ہو سکتا ہے اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر سماج لازمی طور پر ارتقاء کی یکساں منازل سے گزرے۔ اس نظریہ کو ہمہ جہتی // Multilinear // ارتقاء کا نظریہ کہتے ہیں۔ مختلف ممالک میں مختلف ماحول اور حالات میں سماجی ادارے اور سماجی انجمنیں ارتقاء کی منزلوں سے گزرتی رہتی ہیں۔ یہ ادارے اور انجمنیں جو جہتیں اختیار کرتی ہیں ان کا دارو مدار بین سماجی تعلقات انسانی فہم، ادراک، تجربے اور خارجی ماحول کے تقاضوں پر ہوتا ہے۔ مختلف زمانوں اور حالات میں سماجی برداشت کے معینات // Determinants چونکہ تبدیلی قانون اور ارتقاء کا بنیادی نکتہ ہے اس لیے اس کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔ لیکن ارتقائی تبدیلیوں کا اختصار سماجیاتی نقطہ نظر حالات کے تقاضوں اور افراد کے رد عمل کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔ یہ رد عمل کبھی ثابت ہوتے ہیں اور کبھی منفی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وقتنے طور پر ارتقاء میں تعطل سانظر آتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ تعطل نہیں ہوتا بلکہ تبدیلی کی ایک نسبتاً غیر فعال یا سکونی کیفیت ہوتی ہے جو ہمیشہ اضافی ہوتی ہے اور کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ سماجی ارتقاء کے نظریہ کو انیسویں صدی میں جو مقبولیت حاصل تھی اس میں بیسویں صدی میں کمی ہو گئی ہے۔ بیسویں صدی میں 1920 کے بعد سے یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ انسان

بڑی حد تک ارتقاء کی جہتوں کو اپنے قابو میں کر کے با مقصد سماجی اور نظریاتی ماحول کی تشکیل کر سکتا ہے۔ چنانچہ سماجی منصوبہ بندی کے نظریات اسی انداز فکر کا نتیجہ ہیں۔

تمدنی ارتقاء: کائنات کا ہر ذرہ ہر لمحہ تخلیق، تبدیلیوں، تفرقات اور امتزاجات کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اور اس پورے ماحول کو ارتقاء کہا گیا ہے۔ مخلوقات عالم میں انسان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنی فکر دو رس کی مدد سے بڑی حد تک نہ صرف ماحول پر قابو پاس کا ہے بلکہ اس میں اپنی ضرورت کے مطابق تغیر اور تبدیلی بھی کرتا رہا ہے۔ اسی لیے انسان کو تمدن ساز کہا گیا ہے۔ تمدن سے مراد انسان کی ہر وہ مادی یا غیر مادی اکتسابی تخلیق ہے جس کی مدد سے انسان ایک طرف تو اپنے ماحول سے آگئی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف اس سے مطابقت پیدا کرنے میں مدد لیتا ہے۔ سائنس، ٹکنالوجی، زبان، ادب، فلسفہ، شاعری، موسیقی، فن تعمیر، زراعت و صنعت غرض کہ ہر وہ تکنیک جو انسانی زندگی کے کسی نہ کسی مقصد کے حصول میں مدد دیتی ہے۔ اس کے تمدن کا جزو کہلاتی ہے جس طرح کائنات کے دوسرے مظاہر ارتقاء کی منزلوں سے گزر رہے ہیں اسی طرح تمدن بھی ارتقائی منازل طے کرتا رہا ہے۔ اور سادہ ترین قبائلی تمدن سے شروع ہو کر موجودہ پیغمبریہ منزل تک پہنچا ہے۔

تمدنی ارتقاء پر سب سے پہلے مفکرین نے اس وقت توجہ دینی شروع کی جب مغربی مہم پسندوں کو نئے ممالک کی دریافتیوں کے دوران نئے مالک اور نئے تمدنوں سے سابقہ پڑا۔ یہ سلسلہ باخوص سہقوں صدی سے شروع ہو کر حال تک جاری ہے۔ انیسویں صدی میں ڈارون، ہر برٹ اسپنسر مورگن اور ٹاٹلر ارتقائی نظریہ کے اہم مفکرین گزرے ہیں۔ تمدنی ارتقائی نظریہ کے دو اہم مکاتیب ہیں۔ ایک کی رو سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تمام

تمدن درجہ بدرجہ یکساں ارتقائی مراحل سے گزرتے ہیں۔ اسے یک جہتی ارتقائی نظریہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے مکتب خیال کی رو سے مختلف تمدن ایک دوسرے سے غیر متعلق اور آزادانہ طور پر ارتقائی منزلیں طے کرتے رہے ہیں اسے ہمہ جہتی ارتقاء کہا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے تمنی ارتقائی مفکرین میں اے جی کلیئر لزلی و ہائٹ جولین اسٹیوارٹ اور گارڈن چائلڈ قابل ذکر ہیں۔

یہاں پہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ سماجی ترقی // Social Development // اور تمدن ارتقاء کو ایک نہیں سمجھنا چاہیے۔ // سماجی ترقی کی تفصیل آگے موجود ہے //

ارسطو // Aristotle // : ارسطو // 384 تا 322 ق.م. // قویم یونان کا سب سے عظیم فلسفی اور مفکر گزرا ہے۔ جو یونان کے دارالسلطنت مقدونیہ کے قریب اسٹاگرا کے شہر میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی کے بیس سال افلاطون کی اکادمی میں گزارے اور اس عظیم فلسفی کی صحبت اور اس کے مباحث سے استفادہ کیا۔ افلاطون کے انتقال کے بعد ارسطو ایتھر مشتعل ہو گیا جہاں اس نے ایک مشہور درسگاہ قائم کی۔ درمیانی وقفہ ارسطو نے سکندر اعظم کے اتالیق کی حیثیت سے بھی گزرا۔

ارسطو کی تصانیف تمام اہم موضوعات پر مشتمل ہیں جن میں منطق، نظریہ سائنس، طبیعیات، حیاتیات، نفسیات، مابعد الطیعیات، اخلاقیات، سیاسیات، خطابت اور جماليات کے فنون شامل ہیں۔ ان تمام علوم پر اس کی دقت نظر اتنی زیادہ تھی کہ بجا طور سے ارسطو کو ان میں سے اکثر علوم کے سب سے بڑے اور ابتدائی مفکرین میں شمار کیا جاتا ہے۔

جہاں تک سماجی علوم کا تعلق ہے ارسطو کی تحقیقات حسب ذیل موضوعات پر زیادہ ممتاز اور نمایاں رہیں۔ // 1 // اس نے تحقیق کے نئے طریقوں کی بناء ڈالی جس میں انسان کی عقلیت پر زیادہ زور دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ارسطو نے انسان اور قدرت کی قانون تسلسل اور ارتقاء کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ // 2 // ارسطو نے اخلاقی اور سماجی قوتوں اور محکمات کے باہمی بین عمل کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ وہ آج کے اس خیال سے متفق نہیں تھا کہ سماجی علوم کو "لاقدرانہ" // Value Free / Non-normative // ہونا چاہیے یا اخلاقیات کو ایک علاحدہ آزادانہ وجود حاصل ہونا چاہیے۔ // 3 // اس نے اخلاق سیاست اور سماجی نظریہ کے باقاعدہ مطالعہ کی بناء ڈالی اور اسی کے ساتھ ساتھ معاشیات، قانون اور تعلیم کے تصورات اور سماج میں ان کے فعالی اور باہمی تعلق پر تحقیقاتی روشنی ڈالی۔ سماجی علوم کے میدان میں ارسطو کا عظیم کارنامہ تحقیق کے میدان میں نئے اور سائنسی طریق کی دریافت ہے۔ جس میں استراتجی // اور استقرائی // Inductive // Deductive کے تمام بڑے مفکرین نے ان ہی خطوط پر اپنی تحقیقات کو آگے بڑھایا ہے۔ ارسطو کی بے شمار تصانیف میں سیاسیات // Polity // اس کا سب سے بڑا شاہکار ہے۔ یہ کتاب محض پولیٹکل سائنس تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں انسانی اداروں کے ارتقاء کے فطری نظام، ایک مثالی سماجی نظم کی تشکیل موجودہ سماجی سیاسی اشکال اور اداروں کی درجہ بندی اور اُن کے تجزیہ کے مباحث شامل ہیں۔ سماجی فکر میں ارسطو کا مقام بہت بلند ہے کیونکہ اس نے سماجی ارتقاء، اخلاقیات، معاشیات، سیاسیات، قانون اور تعلیم کے موضوعات پر سیر حاصل بخشیں کی ہیں۔

ارکان اور حصہ داران // Share Holder // Members and Share Holders : حصہ دار

سے وہ شخص مراد ہے جس نے کمپنی سے حصہ خریدے ہوں اور ممبر سے مراد وہ شخص ہے جس کا نام
ممبروں کے رجسٹر میں درج ہو اور وہ شخص مراد ہے جس نے میمورنڈم آف اسوسی ایشن پر دستخط کیے
ہوں۔ عام طور پر کمپنی لاء کے تحت ممبر اور حصہ دار // Share Holder // کے ایک بھی معنی ہیں۔

خصوصاً ایسی کمپنی جس کا سرمایہ صرف حصہ پر مبنی ہو اس کا ہر حصہ دار // Share Holder // ممبر
کہلاتا ہے البتہ ایسی کمپنی جو لمبیڈگار نٹی رکھتی ہو یا جوان لمبیڈ // Unlimited // ہو اس میں ہر ممبر کا
حصہ دار // Share Holder // ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ ایسی کمپنی کا ممبر اس وقت بن جاتا
ہے جب وہ کمپنی کا ممبر ہونے کے لیے آمادہ ہو۔ ایسے شخص کو مزید کسی درخواست دینے کی ضرورت نہیں
ہوتی اور اس کے نام کوئی حصہ // Share // مختص کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ کمپنی کے
رجسٹریشن کے بعد وہ شخص ممبر بن جاتا ہے وہ ڈائئرکٹر جو رجسٹر اکٹ کمپنی کے سامنے دستخط کرتے ہیں اور
مطہن کرتے ہیں کہ وہ لازمی حصہ // Qualifying Shares // خریدنے کے لئے بھی کمپنی کے
رجسٹریشن کے بعد کمپنی کا ممبر سمجھا جائے گا۔ کمپنی لاء میں یہ تو تعریف نہیں کی گئی کہ کونسا شخص ممبر بن
سکتا ہے لیکن وہ شخص جو ممبر بنتا ہے وہ کمپنی سے ایک قسم کا معاہدہ کرتا ہے اس لیے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ
ہر وہ شخص کمپنی کا ممبر بن سکتا ہے جو قانون معاہدہ کے تحت معاہدہ کرنے کا مجاز ہو۔ ایک نابلغ شخص کسی
کمپنی کا ممبر نہیں بن سکتا۔ ایک کمپنی دوسری کمپنی کی ممبر بن سکتی ہے۔
ایک ممبر کسی کمپنی کا ممبر باقی نہ رہے گا:

// 1 // اگر اس نے اپنے حصص کو دوسرے شخص کو فروخت کر دیا ہو اور اس دوسرے شخص کا

نام مکپنی کے رجسٹر آف ممبرز میں درج ہو۔

// 2 // اگر سود یا دیگر ادا شدی رقوم کی عدم ادائیگی کی بناء پر مکپنی کی جانب سے حصص کی ضبطی عمل میں آئی ہو۔

// 3 // اگر اس ممبر نے اپنے حصص مکپنی کو واپس کر دیے ہوں۔

// 4 // اگر اس نے پر اسپلکٹس میں کوئی غلط بات درج کی جانے کی وجہ سے اپنی رکنیت کے معاملے کو فسخ کر دیا ہو۔

// 5 // اگر مکپنی ختم یا تحلیل ہو گئی ہو۔

از اللہ الْحَفَاعُونَ خلافۃ الْخُلُفَاء: یہ بارھویں صدی ہجری کے نامور اور جلیل القدر عالم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

1114 - 1176ھ // کی معرکۃ الارا اور مہتم بالشان تصنیف ہے اس کا اصل موضوع خلفاء راشدین

خصوصاً شیخین // حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما // کی خلافت کی اثبات ہے جس سے اسلام میں صحابہ

کرام کا درجہ و مرتبہ ان کے فضائل و مناقب اور حقوق وغیرہ پوری طرح واضح ہو گئے ہیں اس سلسلہ میں

حدیث تفسیر اور کلام کے متعدد نکات و معارف بھی زیر بحث آئے ہیں۔ علاوہ ازیں خلافت کی حقیقت و

اہمیت اسلام کے اصول عمران و تمدن اور اسلامی نظریہ سیاست و حکومت پر نہایت مختلقانہ گفتگو کی گئی ہے۔

گوکتاب مقصد اہل سنت و الجماعت کے نقطہ نظر کی توثیق و اثبات ہے تاہم ایسے نزاعی مسئلہ میں بھی مصنف

نے بڑا سلچا ہوا معقول اور معروضی انداز اختیار کیا ہے اور کہیں غیر جانبدارانہ رنگ نہیں آنے دیا ہے۔

انھوں نے جو کچھ لکھا ہے دلائل تحقیق اور انصاف کے ساتھ لکھا ہے، اس بنا پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا یہ بجا خیال ہے کہ اس موضوع پر پورے اسلامی لٹرپر میں ایسی مفید اور عمدہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔
کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور چار جلدیوں میں چھپی تھی اس کے اردو اور عربی ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

از الہ حیثیت عرفی // Defamation // : حیثیت عرفی کسی شخص کی اس حیثیت کو کہتے ہیں جو اس کو سماج میں حاصل ہو یہ حیثیت اس کو خاندانی و جاہت یا عہدے یا کسی کار خیر کے کرنے اور اس کی نیک چلنی یا کوئی اور کام کے کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس حیثیت عرفی کو قائم و برقرار رکھنے کا شخص مذکور کو قانونی حق حاصل ہے اور دیگر اشخاص کا یہ فرض ہے کہ اس شخص کی اس حیثیت عرفی کو کسی فعل یا الفاظ سے کسی قسم کی ٹھیس نہ پہنچائے۔ اس مخصوص طارت // Tort // کا نام از الہ حیثیت عرفی ہے۔ اس شخص کو جس کی توبین ہوئی ہو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مرتكب طارت // Tort // کے خلاف دیوانی دعویٰ کر کے ہرجانہ پائے۔

از الہ حیثیت عرفی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تحریری اور دوسرا تقریری۔

از الہ حیثیت عرفی تحریری // Libel // : جب کبھی کوئی شخص تحریر یا تصویر یا تمثیل کی صورت میں کوئی کچیز بغیر جواز کے شایع کرے اور جس سے یہ احتمال ہو کہ جن کے پاس وہ پہنچے گی ان کے دل میں مدعی کے متعلق خیالات حقارت پیدا ہونگے اور اس سے مدعی کی نیک نامی متاثر ہو گی اور اس کا امکان ہو گا کہ اس

سے مدعی کے کاروبار متاثر ہونگے یا اس کے پیشہ کو نقصان پہنچے گا تو اسے ازالہ حیثیت عرفی تحریری کہا جاتا ہے۔ ازالہ حیثیت عرفی تارٹ بھی ہے اور جرم بھی۔

ازالہ حیثیت عرفی تحریری و تقریری کافری // Difference between Libel and Slander //

پہلے قسم کے ازالہ حیثیت عرفی میں مدعی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کسی خاص نقصان کو ثابت کرے البتہ دوسرا قسم میں جب تک کسی نقصان کو ثابت نہ کرے مدعی کو کامیابی نہ ہوگی۔ سوائے اس کے کہ الفاظ استعمال شدہ سے مدعی پر کسی جرم کے ارتکاب کا الزام لگایا گیا ہو۔ یا یہ بتلایا گیا ہو کہ مدعی کسی ایسے متعددی مرض میں بتلا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے میل جوں کے قابل نہ رہا ہو یا استعمال شدہ الفاظ مدعی کے کاروبار یا پیشہ سے متعلق ہوں اور جس سے اس کو نقصان پہنچایا جب کہ مدعیہ عورت یا لڑکی ہو اور یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ آوارہ یا بد چلن ہے۔ مندرجہ بالا صورتوں میں خاص نقصان ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔

ازالہ حیثیت عرفی تقریری // Slander // : جب کبھی کوئی شخص بذریعہ بیان زبانی بغیر وجہ یا اذر جائز کے مدعی کے متعلق شائع کرے یہ احتمال ہو کہ جن کے پاس وہ پہنچے گا ان کے دل میں مدعی کے متعلق خیالات حقارت و تمسخر پیدا ہونگے اور اس کی ذات یا کاروبار کو نقصان پہنچے گا تو بیان ازالہ حیثیت عرفی تقریری // Slander // کہلاتے گا۔

استھصال اطفال // Child Abuse // : ایک عام اندازہ کے تحت آج تقریباً 37 فیصد افراد ہندستان میں چودہ سال سے کم عمر ہیں لیکن "بچہ" کی تعریف اس سے کچھ وسیع ہے۔

بھارت کے جی. جی. ایکٹ // Juvenile Justice Act, 1986 // کے مطابق گرل چائلڈ ہر اٹھارہ سال سے تک عمر لڑکی کو کہا ہے۔ اس کے باوجود آئی. پی. سی کے تحت پندرہ سال کو بچپن کی سرحد مانا گیا ہے۔ اقوام متحدہ نے اٹھارہ سال تک کی عمر کو بچپن کہا ہے۔ بچہ مزدوری کے سلسلے میں بھی کئی کمی پیمانے ہیں۔

1989 میں جنرل اسمبلی میں بچوں کے حقوق کے سلسلے میں کنوشن تیار کیا گیا اور فوراً گمنטור کر لیا گیا۔ اسی وقت کل ملا کر 61 ملکوں نے اس پر دستخط کر دیے۔ یہ 54 نکاتی کنوشن بچوں کو بنیادی تحفظ مہیا کرتا ہے لیکن جو بچے اس کے دائرے سے باہر رہ جاتے ہیں ان کا استھصال کیا جاسکتا ہے۔ بد قسمتی سے تیسرا دنیا کے ممالک میں سے اکثر میں بچوں کو تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا کوہ ان میں سے کئی نے اس قرارداد پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔

- استھصالی رویہ کو سمجھنے سے پہلے قرارداد کے اہم نکات کو سمجھنا ضروری ہے۔ مثلاً
 - ہر بچے تو اپنی زندگی بچانے اور زندہ رہنے کا حق ہے۔
 - ہر بچے کو نام اور وطنیت ملنی چاہیے۔
 - تمام قانونی معاملات بچے کی بہتری کے حساب سے طے ہونا چاہیے۔
 - حقوق دینے میں کوئی جانب داری نہیں برقراری جانی چاہیے۔
 - بچے کو عام حالات میں والدین کے ساتھ رہنا چاہیے۔
 - بچے کے محافظ ماں باپ ہیں لیکن حکومت اس میں مدد کرے گی۔

- حکومت بچوں کو جسمانی اور دماغی بدلسوکی اور استھصال سے بچائے گی۔
 - بے خاں نما بچوں کو حکومت ایک کنہبہ فراہم کرے گی۔
 - معذور بچوں کو خاص سہولتیں دی جائیں گی۔
 - معاہجاتی اور تعلیمی خدمات حکومت کا فریضہ ہوں گی۔
 - بچے کو ٹھیکیلئے کوڈ نے اور آرام کا وقت ملے گا۔
 - حکومت بچوں کو معاشی تحفظ دے گی اور مالی استھصال سے بچائے گی۔
 - بچوں کی تجارت نہیں ہوگی۔
 - بچوں کو سزاۓ موت اور دوسری سخت سزاۓ نہیں ہونگی۔
 - بچے قید کا زمانہ بڑے لوگوں کے ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ ہی گزاریں گے۔
 - بچوں کو تشدد اور دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے سے بچایا جائے گا۔
 - قبائلی اور اقلیتی گروہوں کے بچوں کو ان کی اپنی پسند کا ماحول ہر ممکن حد تک فراہم کیا جائے گا۔
 - جو بچے استھصال کا شکار ہو چکے ہیں ان کی آباد کاری کا ہر ممکن پروگرام بنایا جائے گا۔
 - اگر بچے کو قانونی سزا دی جائے گی تو وہ ایسی نہیں ہوگی جو کہ توہین آمیز ہو یا عزت نفس کو مجروح کرے۔
- ان سب سارے نکات کے باوجود بچوں کو کئی طرح سے استھصال کا شکار بنایا جاتا ہے۔ ان کے لیے کئی مشکل حالات موجود ہیں۔ مثلاً:

بچوں کو ملکیت اور غلامی۔ // 1 //

بچے مزدوری۔ // 2 //

- // Street and Working Children // // 3 // بچے کی سڑک نشیں سرگرمیاں

بچے کی ٹھروں میں نوکری۔ // 4 //

بچوں سے جانب دارانہ سکوک // 5 //

بچوں کا جنسیاتی استھصال۔ // 6 //

بچے جسم فروشی اور پورنوجرافی۔ // 7 //

// 8 // دہشت گردی اور اسلحہ چلانے کی ٹریننگ اور ان کا دہشت گرد کے طور پر استعمال کرنا۔

ان سب کے علاوہ عغوانِ شباب میں قرار پانے والے حمل اور حمل میں ہی قتل کر دیے جانے والی بچیوں کی موت کو بھی پوری طرح سے استھصال ہی کی میں ہی رکھنا چاہیے۔

بھارت سرکار شروع سے ہی بچوں کے لیے اپنے فرائض سے آگاہ رہی ہے۔ 22 اگست 1974 کو سرکار

نے بچوں کے لیے ایک مکمل پالیسی کا اعلانیہ جاری کیا۔ اس میں بچوں کے لیے چائلڈ ایلفیئر بورڈ قائم کر دیا گیا۔

جس میں استھصال اور بے توجہی کا شکار بچوں کے لیے کئی قسم کی خدمات شروع کی گئی۔ یہ پالیسی عالمی

ترجیحات اور ہندستانی پس منظر کے مطابق بنائی گئی لیکن زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ بچے نہ تو ووٹ بینک ہیں

اور نہ ہی اپنی یونین بناسکتے۔ اس لیے ان کے پاس سیاسی طاقت نہیں ہے۔ اسی لیے مختلف سیاسی جماعتیں

ان کو نظر انداز کرتی ہیں۔

ان کا استھصال پورا سماج کرتا ہے افسوس تو یہ ہے کہ اس میں والدین بھی شامل ہیں۔ تیسری دنیا میں اکثر بچوں کے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جاتا ہے۔ لڑکیاں کبھی کبھی پیدائش سے پہلے ہی مار دی جاتی ہیں۔ بچوں کو موت کے علاوہ گھٹیا زندگی، خراب صحت اور بھاری کام سماج اور خاندان کی طرف سے ورثے میں ملتا ہے۔ اس طرح پس ماندہ مالک کے بچے ہر طرح سے پستے ہیں۔

ہندستان میں چونکہ کنبہ انہی تک کافی مضبوط بنیادی اکائی ہے اس لیے بچے کو نام وطنیت اور خاندان عموماً ملتا ہی ہے لیکن بڑھتی ہوئی دہشت گردی بے وطنی اور بحرث کی وجہ سے آج کل مشکلات پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔

بچوں میں ملکومیت اور غلامی دو بہت بڑے مسائل ہیں جن پر غور تو کیا جاتا ہے مگر ان کے لیے انہی تک زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔ مثلاً قالین بانی کا بچہ غلامی سے تعلق ہے اس کے علاوہ اسٹون کریشر میں کام کرنے خاندان اور ان کے بچے بھی غلام یا رہن شدہ لوگ ہوتے ہیں۔ سوامی اگنی ولیش اور کیلاش ستیار تھی وغیرہ نے اس سلسلے میں رضا کار انہ تنظیموں کے ذریعہ بہت کام کیا ہے۔ ان کے کام کو مقامی ملکی اور بین الاقوامی طور پر بہت اہمیت دی گئی ہے لیکن بچہ غلامی ختم نہیں ہوئی۔

بچہ مزدوری بچہ غلامی سے ملتی جلتی ہی ہے۔ غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق بھارت میں تقریباً ساڑھے چھ کروڑ بچے بال مزدور ہیں جن میں سے تقریباً سب ہی غیر منظم // Unorganized // مزدوروں کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یونیسیف نے دس کروڑ ہندوستانی بچوں کے اسکول نہ جانے کا سبب کسی نہ کسی حد تک

بال مزدوری کا شکار مانا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ ہندستان بال مزدوری کا سب سے بڑا سپلائر ہے۔ ان غیر اسکولی بچوں میں اکثریت لڑکیوں کی ہے جو باہر کے ساتھ ساتھ گھر میں بھی مصروف رہتی ہیں۔ سڑک نشیں بچے اس قسم کے بچے ہیں جن کو غیر سماں مزدور سمجھا جاتا ہے۔ سڑک نشیں بچے // Street Children // کہلاتے ہیں۔ ان کی موجودگی کو شہروں کی طرف بھرت اور گاؤں اور قصبوں کے شہر بن جانے کے عمل سے جوڑا جاتا ہے۔ اکثر یہ لاوارٹوں کی طرح گھومتے رہتے ہیں بھیک مانگنا اور جسم فروشی بھی ان میں عام ہوتی ہے۔ یہ سڑکوں فٹ پاٹھوں اور جھگیوں میں رہتے ہیں۔ بلغ دنیا میں یہ اپنے آپ کو بے یار و مددگار پاتے ہیں۔

گھروں میں گھریلو کام کاج کے لیے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں رکھے جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی کی جاتی ہے۔ ویسے بھی بچے کا کام کرنا اسکول نہ جانا اور کھیل نہ سکنا اپنے آپ میں ہی استھصال ہے۔ ان بچوں کے ساتھ بے رحمانہ مارپیٹ کی ہی نہیں بلکہ جسمانی استھصال کی خبریں بھی اکثر چھپتی رہتی ہیں۔ سڑک نشیں بچے بھی استھصال کے شکار بچوں کی ایک قسم ہیں۔ جو ہر بڑے شہر میں نظر آتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ استھصالی عمل میں ماں باپ کا کردار بھی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بچیوں کے سلسلے میں غیر منصفانہ رویہ بھی والدین ہی اپناتے ہیں۔ جس کو معاشرے کی حمایت بھی حاصل ہوتی ہے۔ بیٹیوں کی شیرخواری میں جان سے مار کر کبھی کسی بارات کی میزبانی نہ کرنے پر فخر کرنا ہمارے ملک میں عام ہے۔ پڑھے لکھے لوگ جنس کی تحقیق کرو اکر کوکھ میں ہی لڑکیوں کو مار دیتے ہیں۔ بچپن کی شادی اور بچپن کی بیوگی کے

ذریعہ لڑکیوں کا بچپن چھین لینا ہمارے ملک میں روایت رہی ہے۔ آج بھی شوکاسی وغیرہ میں بچیوں سے کام کروانا اور لڑکوں کو اسکول بھیجناعام ہے۔ غذا اور تعلیم میں جانب داری تقریباً ہر گھر میں نظر آجائی ہے۔ یہ مانا جاسکتا ہے کہ مختلف قسم کے استھصال کا شکار لڑکیاں زیادہ ہوتی ہیں۔

بچہ طوائفیت اور ان کی عربیان فوٹوگرافی آج کی صنعتی دنیا کی ایک اندھسری بن چکی ہے۔ طوائف کا پیشہ اختیار کرنے والی کافی عورتیں اپنی لڑکیوں کو بچہ طوائفیت میں ملوث کروادیتی ہیں۔ طوائفیت کے علاوہ آج کل پورنوگرافی کا کام مکپوٹر اور انٹرنیٹ کی مدد سے ہوتا ہے۔ مکپوٹر کے فشن کھیل جن میں بچیوں کی تصویریں ہوتی ہیں بہت مقبول ہو رہے ہیں۔

ان سب سے زیادہ تخریب کار ہے دہشت گردی میں بچوں کا اشتراک۔ اس میں بچوں کے کچے ذہنوں کو ایک خاص قسم کی ذہنیت کے ساتھ میں ڈھالا جاتا ہے۔ اور مرنے کے لیے توپوں کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے کچھ لوگوں کے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں لیکن یہ بچوں کے حق میں یہ بدترین قسم کا استھصال ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ بچوں کی برین واشنگ مذہب کے نام پر اور اکثر مذہبی اداروں میں ہوتی ہے۔

مختصر آگہا جاسکتا ہے کہ بہترین قسم کے حقوق کے مستحق سمجھے جانے والے بچے درحقیقت بدترین استھصال سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں پالیسیاں بنائی گئیں۔ ادارے قائم کیے گئے پروگرام شروع کیے گئے، بجٹ بنائے گئے لیکن زیادہ کچھ نہیں ہو سکا اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

// 2 //

غربی اور مغلوک اتحادی کی انتہا۔

// 3 //

سرمایہ دار ان نظام جس میں غریبوں کی کسی پر سی کا کوئی تدارک نہیں ہوتا۔

// 4 //

دھماکہ خیز اضافہ آبادی

// 5 //

سیاسی انتشار خاص طور سے تیسرا دنیا کے مالک میں جاری مستقل سیاسی اتحال پتھل۔
ان سب عوامل کے سبب ان مسائل کافی اتحاد کوئی کافی و شافی حل نہیں نکل سکا ہے۔ اس سلسلے میں
لوگوں میں مشتبہ رائے عامہ بننے لگی ہے۔ لیکن عملی طور پر صورت حال پہلے جیسی ہی ہے۔
استھصال با بھبر // Extortion // : کوئی شخص اگر بالارادہ کسی دوسرے شخص میں خود سے یا کسی اور
شخص کو نقصان پہنچانے کا خوف پیدا کرے اور اس کے ذریعہ سے بد دیانتی سے شخص مخوف کو کسی جائز داد
یا کفالت المال یا کسی شے کے جو کفالت المال بنائی جاسکے، کسی شخص کے حوالہ کرنے کی تحریک کرے وہ
استھصال با بھبر کا مرتكب ہوگا۔

نقصان پہنچانے کا ایسا خوف پیدا کرنا جس کی وجہ سے وہ شخص جس کو ڈرایا جائے کوئی مال حوالہ کرے اور
اگر اس تجویف اور اس کی وجہ سے مال کی حوالگی وقوع میں آئے تو یہ جرم استھصال با بھبر ہو جاتا ہے۔
کسی شخص کو دھمکی یا خوف دلا کر اس سے کوئی چیز بد دیانتی سے حاصل کی جائے یا کسی دوسرے شخص کے
حوالے کروائی جائے یا اس شخص سے ایسا کام کروایا جائے جس سے اس کو مالی یا جسمانی نقصان پہنچے تو یہ
سب چیزیں کروانے والا جرم کا مرتكب ہوگا۔

مثلاً زید بکر کو یہ دھگی دے کہ وہ اسے روپیہ دے ورنہ ایک ایسی تحریر شائع کر دے گا جس سے اس کی حیثیت عرفی منتشر ہوگی اور بکر سے روپیہ دینے کا مطالبہ کرے تو زید استھصال با بھر کا مرتب ہوگا۔ زید بکر کو ضرر شدید پہنچانے کی دھگی دے کر سادے کاغذ پر اس کے دستخط یا مہر حاصل کر لے اور بکر اس کاغذ پر دستخط کر کے زید کے حوالے کر دے تو یہ استھصال با بھر ہو گا کیونکہ اس صورت میں وہ کاغذ جس پر اس طرح دستخط ہوئے کفالت المال ہو سکتے ہے۔

عدالت کو ہر مقدمہ کے حالات کے لحاظ سے اس امر کا فیصلہ کرنا ہو گا کہ مضرت جس کی دھگی دی گئی تھی وہ ایسی تھی یا نہیں کہ جس سے وہ اثر پیدا ہو سکتا جس کے پیدا کرنے کی ملزم کی نیت تھی اور حالات کے لحاظ سے شخص مخوف کو واقعی یا اندریشہ پیدا ہو کہ اس کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں مضرت کا پہنچنا یقینی تھا۔ جس شخص کو نقصان پہنچانے کی دھگی دی گئی ہو اس کے لیے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ اس نے مال اس لیے حوالہ کیا کہ اس پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ کا سوال ہے اور اس کے متعلق رائے قائم کرتے وقت مقدمہ کے کل حالات اور واقعات پر غور کرنا ضروری ہے۔ خوف ایسی نوعیت کا ہونا چاہیے کہ اس کی وجہ سے شخص مخوف کو آزادی حاصل نہ رہے اور اس کے زیر اثر وہ ایسے فعل پر راضی ہو جائے جس پر وہ اس صورت میں رضامند نہ ہوتا اگر اس پر اس خوف کا اثر نہ ہوتا۔

کسی شخص کو یہ دھگی دے کر روپیہ حاصل کرنا کہ اس کو نوکری سے موقوف کر دیا جائے گا، استھصال با بھر ہے۔ کسی ملزم نے اگر ایک شخص کو گرفتار کر کے جس بے جا میں رکھا اور اس کو دھگی دی کہ وہ اس وقت

تک رہا نہ کیا جائے گا جب تک دو سورپیہ ادا نہ کرے اور اس شخص نے شخص ثالث سے دو سورپیہ فرضہ لے کر ملزم کو دے دیے تو اس صورت میں ملزم استھصال با محبر کا مرتكب سمجھا جائے گا۔

استصواب // Reference : اگر کوئی حاکم فوج داری ضلع یا سیشن جج مناسب سمجھے تو کسی قانونی بحث کے متعلق جو کسی مقدمے میں پیدا ہوئی کورٹ سے استصواب کر سکے گا یا مقدمہ کا فیصلہ اس شرط پر کرے گا کہ اس کا نفاذ ہائی کورٹ کے فیصلے پر مخصر ہو جب کسی امر کی بابت ہائی کورٹ سے استصواب کیا جائے تو ہائی کورٹ بعد فیصلہ اپنی تجویز کی نقل اس عدالت میں بھیج دے گا جس نے استصواب کیا ہوا اور عدالت اس مقدمے کا ہائی کورٹ کی تجویز کی مطابقت مینفیصلہ کرے گی۔

استصواب رائے // Refrendum : استصواب رائے عوامی انتخاب کا ایک ایسا طریقہ کار ہے جس کے مطابق کسی مخصوص سیاسی مسئلہ پر رائے دہندگان کی رائے معلوم کی جائے تاکہ براہ راست عوام کی رائے سے اس کا فیصلہ کیا جاسکے۔ مثلاً قومی حکومت یا مجلس قانون ساز سے اگر کسی مسئلہ پر اختلاف رائے پیدا ہو جائے اور یہ محسوس کیا جائے کہ اس مسئلہ پر عوام کا نقطہ نظر بھی جانا ضروری ہے تو اس صورت میں جو رائے شماری ہوگی اسے استصواب رائے // ریفرنڈم // کہا جائے گا۔ بعض ملکوں میں دستور میں کسی بھی قسم کی تبدیلی استصواب رائے کے ذریعہ عوام کی رضامندی لے کر ہی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً آئرلینڈ اور آسٹریلیا کے دساتیر استصواب رائے کے ذریعہ ہی تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔ انتخاب کا یہ طریقہ کار مخفض دستوری مسائل تک ہی محدود نہیں بلکہ سوئٹرلینڈ میں نہ صرف دستور میں تبدیلی کے لیے بلکہ اس قانون کے لیے بھی استصواب رائے ضروری ہے جس کے لیے تیس ہزار شہری اصرار کریں۔

استصواب رائے کی تین اقسام ہیں۔ ایک لازمی، دوسرے اختیاری، تیسرا رضا کارانہ۔ لازمی استصواب رائے سے مراد یہ ہے کہ کسی دستور کے بعض حصے ایسے ہو سکتے ہیں جن سے متعلق قانون سازی کے لیے استصواب رائے ضروری ہو۔ ایسی صورت میں متعلقہ قانون منظور یا مسترد ہو سکتا ہے۔ مثلاً امریکی دستور میں ترمیم و تنسیخ لازمی استصواب رائے سے تعلق رکھتی ہے۔

اختیاری استصواب رائے سے مراد یہ ہے کہ مقتنه کے بناء ہوئے کسی بھی قانون کو جب معتمدہ رائے عامہ اسے عدالت میں چیلنج کر دے تو استصواب رائے کرایا جاسکتا ہے۔

رضا کارانہ استصواب رائے سے مراد یہ ہے کہ مقتنه کسی بھی مسئلہ کو استصواب رائے کے ذریعہ رائے دہندگان کے سامنے پیش کر سکتی ہے تاکہ وہ متعلقہ مسئلہ کو حل کر سکیں یا اس کی بابت اپنی رائے دے سکیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکا اور سوئٹزرلینڈ میں استصواب رائے کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ دولت مشترکہ کے بیشتر ملکوں میں بھی دستوری ترمیم کے لیے استصواب رائے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ پاکستان میں جنرل محمد ضیاء الحق استصواب رائے ہی کے ذریعہ صدر منتخب ہوئے تھے۔ تاہم استصواب رائے کا استعمال عام حالات میں ہندوستان اور برطانیہ میں نہیں کیا جاتا۔

استصواب، نگرانی و تجویز ثانی // Reference, Revision and Review :

استصواب // Reference // : عدالت خود یا کسی فرقہ کی درخواست پر ایسے مقدمہ کو جس میں اس کی مصادرہ ڈگری کا مرافعہ نہ ہو سکتا ہو یا تعمیل ڈگری مینکوئی بحث قانونی یا رواج کے متعلق پیدا ہو اور اس

عدالت کو شبہ ہو تو وہ مجاز ہے کہ مختصر و افعال لکھ کر مع اپنی رائے کے بغرض فیصلہ ہائی کورٹ میں پہنچنے اور کارروائی مقدمہ کو جاری رکھے یا ملتوی کر دے۔ لیکن جواب کے حصول تک فیصلہ صادر نہ کرے ہائی کورٹ کو مجاز ہے کہ استصواب کو ضروری ترمیم کے لیے اس عدالت تحت میں واپس بھیجے اور فریقین کے عذر اساعت کر کے اس استصواب کی نسبت فیصلہ صادر کرے اور اس کی نقل استصواب کنندہ عدالت میں بھیجے جو اس کے متعلق فیصلہ کرے گی خرچ استصواب جزو خرچ مقدمہ سمجھا جائے گا۔

نگرانی // Revision // : امور ذیل ظاہر ہوں تو ہائی کورٹ کو مجاز ہے کہ مثل مقدمہ کی جس کا مرافعہ ہائی کورٹ میں نہ ہو سکتا ہو اور جس کا عدالت ماتحت نے فیصلہ کیا ہو طلب کر سکے اور مناسب حکم صادر کر سکے۔

// الف // عدالت نے وہ اختیار استعمال کیا ہو جو قانوناً حاصل نہ تھا یا

// ب // وہ اختیار استعمال میں نہ لایا گیا ہو جو حاصل تھا یا

// ج // عدالت ماتحت نے اختیار کا استعمال خلاف قانون کیا ہے یا کوئی اہم غلطی کی ہو۔ تجویز ثانی // Review // : ذیل کے وجہ کی بنیاد پر ہر ڈگری یا حکم کی تجویز ثانی ہو سکے گی خواہ ڈگری یا حکم عدالت ابتدائی کا ہو یا مرافعہ کا۔

// الف // جبکہ کوئی جدید اور اہم امر یا شہادت کا علم ہو جس کا علم صدور ڈگری یا حکم تک باوجود کافی کوشش کے نہ ہوا ہو یا جونہ پیش کی جاسکتی ہو یا

// ب // جبکہ بادی النظر میں کوئی غلطی یا سہو ایسا ظاہر ہو کہ اس سے درخواست گزار کو نقصان پہنچا ہو۔ یا

// ج // جبکہ کوئی اور کافی وجہ ہوں۔

اس مدت کا اخراج جو قانونی کارروائی میں گز رے: میعاد سماعت جو کسی مقدمہ مرافعہ یا درخواست کے لیے مقرر ہے اس کے محسوب کرنے میں جس دن سے کہ وہ میعاد شمار ہونی چاہیے وہ خارج کیا جائے گا۔ م Rafعہ درخواست اجازت مرافعہ اور درخواست تجویز ثانی کی میعاد کے شمار کرنے میں وہ دن جب فیصلہ صادر ہوا ہو اور وہ مدت خارج کی جائے گی جو ڈگری میں سزا یا حکم کی جس کا م Rafعہ یا تجویز ثانی کی گئی ہو یا جس کا قانوناً پیش کرنا ضروری ہو نقل حاصل کرنے میں گز رے۔

جب کسی ڈگری کا م Rafعہ یا اسکی تجویز ثانی کی درخواست پیش ہو تو وہ مدت بھی خارج کی جائے گی جو اس فیصلہ کی نقل حاصل کرنے میں گز رے وہ مدت بھی خارج کی جائے گی جو اس فیصلہ کی نقل حاصل کرنے میں گز رے جس پر وہ ڈگری بنی ہو۔

جو میعاد درخواست فیصلہ نالش کے لیے مقرر ہے اس کے شمار کرنے میں وہ مدت خارج کی جائے گی جو اس فیصلہ کی نقل حاصل کرنے کے لیے ضروری ہو۔

اس میعاد کے شمار میں جو کسی مقدمہ کے لیے مقرر کی گئی ہو وہ مدت خارج کی جائے گی جس میں مدعاییہ یا مجملہ ایسے مدعاییہ کے جس کی شرکت کے بغیر مقدمہ رجوع نہ ہو سکے ایک یا ایک سے زیادہ مدعاییہ ہندوستان کے یا ان علاقوں کے باہر رہتے ہوں جن کی ڈگریوں کی تعمیل ہندوستان میں کسی قرارداد کی بناء پر ہو سکتی ہو یا احکام صرف مدعاییہ سے متعلق ہوں اور دعویٰ 'مدعی' بمقابلہ مدعاییہ میں میعاد کا آغاز نہ ہو گی مدعی جو ہندوستان کے باہر رہتا ہو اپنے مختار مجاز کے ذریعہ پیروی کر سکتا ہے لیکن جب کہ وہ بالارادہ

ہندوستان کے باہر رہتا ہو تو میعاد رک نہیں سکتی یہ احکام اس مدعی سے متعلق نہیں ہے جو بوجہ جس دوام ہندوستان کے باہر رہتا ہو۔

اس مدت کا اخراج نیک نیتی سے کسی ایسی عدالت میں کارروائی کی جائے جسے اختیار سماعت حاصل نہ ہو۔

اس میعاد کی سماعت میں جو کسی مقدمہ کے لیے مقرر کی گئی ہو وہ مدت خارج کی جائے گی۔ جس میں مدعی بہ تنہی قرار واقعی مدعاعلیہ کے مقابلہ میں دوسری کارروائی دیوانی کی پیروی میں عدالت ابتدائی یا عدالت مرافعہ میں مصروف رہا ہو بشرطیکہ وہ کارروائی اس بنائے دعویٰ پر مبنی ہو نیک نیتی سے ایسی عدالت میں کی گئی ہو جو بوجہ نقص اختیار سماعت یا اس طرح کے اور اسباب سے اس کی سماعت نہ کر سکتی ہو۔

اس میعاد کے شمار میں جو کسی درخواست کے لیے مقرر کی گئی ہو وہ مدت خارج کی جائے گی جس میں وہ درخواست گزار تن دہی سے قرار واقعی دادرس کے لیے اس فریق کے مقابلہ میں دوسری کارروائی دیوانی عدالت ابتدائی یا عدالت مرافعہ میں کرتا رہا ہو بشرطیکہ کارروائی مذکور نیک نیتی سے ایسی عدالت میں کی گئی ہو جو بوجہ نقص اختیار سماعت اور سبب کے اس کی سماعت نہ کر سکتی ہو۔

جس عرصہ تک مقدمہ یا درخواست سابق دائرة ہی ہو اس کے خارج کرنے میں اس مقدمہ کے رجوع کرنے اور درخواست دینے کا دن اور وہ دن جب کارروائی ختم ہوئی ہو دونوں محسوب ہونگے۔

احکام صدر کے اغراض کے لیے مدعی اور اس درخواست گزار کے متعلق جو کسی مرافعہ پر اعتراض کر رہا ہو یہ سمجھا جائے گا کہ کارروائی کر رہے ہیں محققی با بعد کے استعمال یا فریقین یا استعمال یا بناۓ تحقیقات جاری

ہوں اور فریقین اس کے فیصلے کے لیے چارہ کار قانون میں مصروف ہوں تو یہ قرار دینا کہ اس وقت اس کی میعاد جاری رہے گی اصول میعاد کے خلاف ہوگا۔

اس میعاد کے شمار میں جو کسی مقدمہ یاد رخواست تعمیل ڈگری کے لیے کی گئی ہو جب مقدمہ یا ڈگری کی تکمیل حکم اتنا عیٰ یا کسی اور حکم کی بنابر ملتوی کی گئی ہو وہ میعاد جب تک حکم اتنا عیٰ قائم رہے اور وہ دن جب وہ جاری اور منسون ہوا ہو خارج کیا جائے گا۔

جب کسی قانون کی رو سے مدعی پر لازم ہو کہ مقدمہ کسی عدالت میں رجوع کرنے سے قبل کسی اور محکمہ میں اس کے متعلق کارروائی کرے یا اجازت حاصل کرے یا مدعاعلیٰ کو نوٹس دے تو وہ مدت بواس کارروائی میں یا اجازت حاصل کرنے میں گزرے یا بواس کے لیے قانون میں معین ہو میعاد کے شمار میں خارج کی جائے گی۔

جو مقدمہ حصول قبضہ کے لیے ایسے مشتری کی طرف سے ہو جس نے کسی نیلام صیغہ تعمیل ڈگری میں جائز ا خریدی ہو اس کی میعاد شمار کرنے میں وہ مدت جس میں فسخ نیلام کی کارروائی ہوتی رہی ہو محسوبانہ ہوگی۔

استعمار، استعماریت : استعماریت // Colonialism // کے عام معنی ایک ملک کے ذریعہ دوسرے ملک یا علاقہ کو بتدربیج اور منظم طریقہ سے سیاسی اور اقتصادی طور پر مکوم بنانے یا ایسے مکوم علاقوں کو برقرار رکھنے کی پالیسی کے ہیں۔ اس معنی میں نوابادیوں یا مکوم علاقوں کا وجود قدیم زمانہ سے ملتا ہے۔ ایشیا میں عربوں، منگولوں اور چینیوں کی توسعی، استعماری نوعیت کی تھی۔ خصوصی طور پر استعمار سے مراد یورپی طاقتوں کی پندرہویں اور سولہویں صدی کی جغرافیائی دریافتتوں کے بعد سے سمندر پار علاقوں میں جنگ، فتوحات اور

خالی علاقوں میں نوآباد کاری کی کوششوں سے ہے۔ استعماری طاقتیں نئے علاقوں کی تلاش، نوآباد کاری اور جنگ کے حادثوں سے استعماری طاقتیں بن گئیں۔ اس سلسلے میں اسپین اور پرتگال نے نوآباد کاری کی ابتدا کی۔ انگلستان، فرانس اور ہالینڈ نے ان کے مقبوضات پر دست درازی کی اور یہ مالک اپنی استعماری سلطنت وسیع کرتے گئے۔ بعد میں ڈنمارک، ناروے اور سویڈن نے بھی معمولی علاقے حاصل کیے۔ یورپی استعمار انیسویں صدی کے خاتمہ تک اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا جس کے محکمات سیاسی اور اقتصادی دونوں تھے۔ ایشیا اور افریقہ میں یورپ کی استعماری توسعہ کا محرك سامراجیت بھی تھی یعنی اندر وون یورپ بڑی طاقتیں کے درمیان اقتدار کی کشمکش میں سمندر پار مقبوضات کا حصول قومی طاقت کی نشانی اور اس کی بنیاد سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف یورپ میں سائنس اور لکنالوچی کی مدد سے صنعتی انقلاب کے پھیلنے اور قومی سرمایہ دار اہن نظام کے پھلنے پھولنے سے آزاد تجارت، سرمایہ کی نکاسی، خام مال کی فراہمی اور مصنوعات کی فروخت کے لیے منڈیوں کی تلاش ہوئی۔ برطانیہ، فرانس اور ہالینڈ کے علاوہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں بیلچیم، جرمنی، اطالیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکا اور جاپان نے بھی اہم داشت اور ان کی سیاسی، تہذیبی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی و بہبود کا اخلاقی نصب العین۔ یا نوآباد کار ملک اپنے یہاں آبادی کی کثرت اور اقتصادی ترقی کے لیے خام مواد کی نایابی کی بنا پر مزید علاقے اور منڈیاں

حاصل کرنے کا جواز پیش کرتا ہے مثلاً دونوں عالمی جنگوں کے درمیان جرمنی، اطالیہ اور جاپان کی توسعہ، نوآبادیاتی نظام، پہلی عالمی جنگ کے بعد سے ٹوٹنا شروع ہوا اور دوسری عالمی جنگ کے بعد قومی آزادی کی تحریکوں اور اقوام متعدد کی کوششوں سے دنیا کی بیشتر نوآبادیاں آزاد ہو چکی ہیں۔ درحقیقت استعماری ملکوں کی حیثیت صنعتی اور معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ اور ان کی تہذیب مشینی دور کی پیغمبر اوار تھی جبکہ نوآبادیاتوں کی معیشت پسمندگی سے دوچار تھی اور زراعتی تھی جہاں نہ تو صنعتوں کا وجود تھا اور نہ ہی تعلیم کا دور دورہ۔ نوآبادیاتی علاقے محض حکمران ممالک کی مصنوعات کے لیے منڈیوں اور خام مال کے رسم کا مرکز تھے۔ استعماری حکومت کے امتیازی خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

- // 1 // یورپی ملکوں یا یورپی نسل کے لوگوں سے آباد ملکوں کا دوسری نسل کے لوگوں خصوصاً ایشیائی و افریقی اقوام پر براہ راست سیاسی کنٹرول۔
- // 2 // نوآبادی کے اندر ایک سفید فام حکمران اقلیت کی بالادستی۔
- // 3 // مقامی افراد پر مشتمل ایک وفادار نوکر شاہی جو حکمران طاقت کے سیاسی، فوجی اور اقتصادی مفادات کی تکمیل اور ملکی وسائل کے استعماری استھصال میں مدد دیتی ہے۔
- // 4 // نوآبادی میں سائنس و ٹکنالوجی پر مبنی مغربی تہذیب اور مقامی زراعتی اور جاگیردارانہ نظام سے والبستہ فرسودہ مشرقی تہذیب کے درمیان ٹکراؤ اور مغربی تہذیب کا تسلط۔
- // 5 // نوآبادی کے عوام اور وسائل کا معاشی استھصال۔

// 6 // حکمران اقلیت میں نسلی، تہذیبی اور اخلاقی برتری کا احساس اور مقانی آبادی کو ذہنی، اخلاقی، تہذیبی، علمی اور تکنیکی اعتبار سے پسمندہ اور محتاج رکھنے کا رویہ۔

جہاں ایشیا و افریقہ و لاطینی امریکا کے پسمندہ خطوں میں استعماری نظام ٹوٹ چکا ہے ویسے تو سبع پسند طاقتوں نے نواز اد ملکوں پر بالواسطہ سیاسی و اقتصادی تسلط جانے کے لیے نئے طریقے اپنانے ہیں۔

استعمار نو: نئے استعمار // Neo-Colonialism // سے مراد استعمار کی بالواسطہ اور نئی شکلیں ہیں۔ نوا آبادیاتی نظام کے خاتمہ کے باوجود سامراجی طاقتیں ایشیا و افریقہ اور لاطینی امریکا کے پسمندہ ملکوں کو سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اپنے زیر اثر رکھنا چاہتی ہیں۔ مغربی طاقتوں نے اکثر ان سابق نوا آبادیات کے عوام میں قومی آزادی کی تحریکوں کو اقتصادی ترقی کے غیر سرمایہ دار انہ راستوں کو اپنانے کی کوششوں کو ناکام بنانے کی کوشش کی ہے۔ "نیا استعمار" اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے طرح طرح کے سیاسی ذرائع استعمال کرتا ہے مثلاً متعلقہ ملکوں میں فوجی اڈوں کا قیام یا پرانے اڈوں کی برقراری، نئی اقوام کو بین الاقوامی بلاکوں سے وابستہ کرنے اور انھیں ان کا محتاج و دست نگر بنانا، خانہ جنگیوں میں سفارتی اور بالواسطہ فوجی مداخلت اور اپنے موافق فریق کو جتنے کی کوشش، فوجی انقلابات کے ذریعہ کلھ پتلی حکومت کا قیام وغیرہ۔ اقتصادی ذرائع میں بیرونی امداد کو اولیت حاصل ہے جس کے ذریعہ نئے ملکوں میں پسمندہ زراعتی معيشت کو قائم رکھ کر نجی کاروبار کو بڑھاوا دے کر انھیں صنعتی ملکوں کے لیے خام مال کی فراہمی اور مصنوعات کے نکاس کی منڈی بنائے رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں سے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں میں تشکیل شدہ کثیر قومی کارپوریشنوں // Multinational Corporations کی سرگرمیاں بھی نواستماری مقاصد کے

حصول میں مدد دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ ادارے ملکی معیشت کی اپنی اجارہ دارانہ حیثیت کی بناء پر ملکی صنعت و
ملکناالوجی کی نشوونما کو روکتے، ملکی وسائل کا پوری طرح استھمال کرتے اور ملکی سرمایہ کو باہر بھجتے ہیں۔

استقرارِ حق // Declaration of Title // : وہ شخص جو کسی جائداد کے متعلق کوئی قانونی حق رکھتا ہو

ایک ایسے شخص کے خلاف جو اس کے اس قانونی حق کو نہ مانے قانون دادرس خاص // Specific
// Relief Act کے تحت چارہ جوئی کر سکتا ہے اور عدالت اس شخص کو جائیداد پر قانونی حق کے متعلق
دادرس دے سکتی ہے۔ استقرارِ حق // Declaration of Title // کی بابت یہ عدالتی فیصلہ صرف
فریقین مقدمہ کی حد تک قابل پابندی رہے گا۔

اسٹاف // Staff // : انتظامی ڈھانچہ اسٹاف // عملہ یا رکن // کسی بھی ادارہ کے انتظامی ڈھانچے میں نظم
و نسق کے لیے لازمی جزو ہوتا ہے۔ نظم و نسق عامہ میں ملازمین سرکار کے انصرام کار یعنی ان کی زمرہ
بندی، درجوں میں تقسیم، بھرتی، ترقی، تربیت وغیرہ جیسے امور شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ملازمین کی تنخوا،
شرائط ملازمت، چال چلن، نظم و ضبط، باہمی مشاورت اور بد عنوانیاں جیسے متعدد امور بھی اس میں زیر بحث
آتے ہیں۔

خدمات عامہ کا انتظام اور اس کے مسائل ہر ملک کے اپنے تاریخی پس منظر، آئین و قوانین، قواعد اور ضوابط
کے تابع ہوتے ہیں۔ ہر ملک میں متعلقہ عملہ کے انتظام کا ایک مخصوص طریقہ رائج ہے۔

ہر ملک میں نظم و نسق مختلف اداروں کو تفویض ہوتا ہے۔ یہ ادارے یا تو آئینی اساسی رکھتے ہیں یا پھر عاملانہ
نویت کے ہوتے ہیں۔

ترتیب و درجہ بندی : انتظامی ڈھانچے کی ترتیب اور درجہ بندی نظم و نسق عامہ کا ایک مسلسلہ اصول ہے۔ درجہ بندی سے مراد فرائض، مناصب، ذمہ داریوں اور ضروری قابلیتوں کے لحاظ سے اسٹاف کی مختلف زمروں میں تقسیم ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ اس طریقہ کار سے اہل غرض حضرات نیز انتظامیہ کے لیے سہولت پیدا کی جائے تو دوسرا، ہم مقصد یہ ہے کہ ملازمت کے خواہاں امیدواروں کے لیے روشن امکانات پیدا کیے جائیں۔ اس تعلق سے بھرتی کا ایک باقاعدہ طریقہ رواج پاتا ہے۔ نیز اسٹاف کی ترقی کی ایک مستقل پالیسی معین ہوتی ہے جس سے انتظامیہ کو اسٹاف کی ترقی کے لیے موزوں سہولتیں مہیا کرنے کا موقعہ ملتا ہے تو ملازمین کی تنخواہوں کے اسکیل مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی وضاحت بھی کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ درجہ بندی کی وجہ سے تقسیم کار اور حکومت کے مختلف محکموں میں کام کرنے والے اسٹاف کے درمیان منصفانہ برداشتی بنا کر مسلکم ہوتی ہے اور ساتھ ہی اسٹاف کی کارگزاری کی موثر نگرانی بھی کی جاسکتی ہے۔ غرض یہ کہ اسٹاف کی زمرہ بندی اور درجہ واری تقسیم، نظم و نسق کی منصوبہ بندی کا ایک موثر اور معقول طریقہ ہے۔

بھرتی : کسی ادارہ یا محکمہ کی خدمات کے لیے بھرتی کا اصول ایک موثر طریقہ ہے۔ نظم و نسق عامہ میں سرکاری ملازمین کی حد تک تو یہ کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کئی لحاظ سے ملازمین سرکار کا پورا ڈھانچہ اسی بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے۔ سیوں سرسوں میں ملازمین کے روشن مستقبل کا دار و مدار اسی بھرتی کے طریقہ کار پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خدمات عامہ کی کارکردگی اور اخلاقی معیار کا اختصار بھی بڑی حد تک بھرتی کی پالیسی ہی پر ہوتا ہے۔ یہ پالیسی امیدواروں کے لیے تقریباً مساوی موقع فراہم کرنے کے لیے

ہوتی ہے۔ اس پالیسی میں امتحانوں کا سلسلہ ہوتا ہے تاکہ تقریات میجانب داری کے امکانات کم سے کم پیدا ہوں۔ امیدواروں کی قابلیت سے متعلق قواعد مقرر کرنے اور بعض قیود عاید کرنے کا منشاء بھی یہی ہوتا ہے کہ کارکردگی کے ضروری معیار کو برقرار رکھا جائے۔ بھرتی کے لیے بعض امور ضروری ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ متعلقہ ادارہ یا محکمہ اپنا مطلوبہ منصوبہ بھرتی کرنے والی انگلیسی کو بھیجتا ہے۔ تشویری ذرائع سے مطلوبہ اسمائیوں کا اعلان کیا جاتا ہے تاکہ موزوں امیدوار اپنی خدمات پیش کر سکیں۔ مقابلاتی امتحانات منعقد کیے جاتے ہیں تاکہ بہتر صلاحیتوں والے امیدواروں کا انتخاب کیا جاسکے۔ امتحان کے بعد منتخب کامیاب امیدواروں کو انٹرویو کے لیے بلایا جاتا ہے۔ اس انٹرویو میں مدعوہ امیدواروں سے گفتگو کر کے ان کی صلاحیتوں کو پرکھتے ہیں اور ان میں سے بہتر امیدواروں کو منتخب کرتے ہیں جن کی فہرست متعلقہ ادارے / محکمہ کو بھیج دی جاتی ہے اور پھر کہیں متعلقہ محکمہ ان امیدواروں کا تقرر کرتا ہے۔

ترقی: کچھ ادارے اور محکمے براہ راست بھی اپنے لیے کارکنوں کا انتخاب کرتے ہیں لیکن وہاں بھی سلسلہ ایسا ہی ہوتا ہے یعنی پہلے امتحان اور پھر انٹرویو۔ خدمات عامہ کے نظام میں ملازمین کی ترقی سے نہ صرف ان کے فرائض اور ذمہ داریاں بڑھتی ہیں بلکہ ان کے مرتبہ، عہدہ اور یافت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ترقی، تنخواہ پانے والے افراد کو بہتر کارکردگی کی جانب مائل کرنے اور قابل و تجربہ کار افراد کو اپنی خدمات سے وابستہ رکھنے کا ایک موثر طریقہ ہے۔ اس طرح کی حوصلہ افزائی سے ملازمین بھی یکسوئی اور محنت سے کام کرتے ہیں اور تنخواہ میں اضافے سے ان کو اپنی معاشی بہتری کے موقع بھی ملتے ہیں۔ اس طرح انظامیہ اور ملازمین دونوں کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ جہاں انظامیہ ایک طرف تجربہ کار اور مستعد

ملازمین کی کارکردگی سے مستفید ہوتا ہے تو وہیں دوسری طرف ملازمین کو ان کی کارکردگی اور فرض شناسی کا صلہ بھی ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی کی پوری کارروائی سے انظامیہ اور ملازمین کو بڑا تعلق خاطر رہتا ہے تاہم اس معاملہ میں دونوں الگ الگ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ انظامیہ ملازمین کے نظم و ضبط اور ان کے اخلاقی معیار کو بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتا ہے اور ان کی کارکردگی کو بڑھانے پر زور دیتا ہے تو ملازمین کے نزدیک ترقی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ان دونقطوں میں ایک خوشگوار توازن پیدا کرنا بھرتی کرنے والی ایجنسیوں کا فرض ہے۔ ملازمین کی ترقی کے سلسلہ میں عام طور سے قابلیت اور اہلیت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے لیکن اس میں سنیارٹی کو اسی وقت ترجیح دی جاتی ہے جبکہ امیدواروں کی قابلیت اور اہلیت تقریباً مساوی مساوی ہو۔ البتہ لیو یونیورسٹی میں عارضی ترقی سنیارٹی کی اساس پر ہی کی جاتی ہے۔

تریبیت // Training // : انظامیہ ملازمین کی ٹریننگ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ بھرتی کے وقت امیدواروں کی صرف عام صلاحیتوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ کارکردگی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھنے اور متعلقہ معاملات کی تہ تک پہنچ کر انھیں صحیح ڈھنگ پر نپٹانے کے لیے اسٹاف کی ٹریننگ نہایت ضروری ہوتی ہے کیونکہ بجا طور پر یہ فرض کیا جاتا ہے کہ تربیت یافتہ عملہ ہی نظم و نسق کے پیچیدہ مسائل اور آئے دن کی ضروریات کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے۔ اگر ایسی تربیت نہ دی جائے تو عملہ لکیر کا فقیر ہو کر رہ جائے گا۔ نہ تو اس میں بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوگا اور نہ وہ نئے تقاضوں کو سمجھ سکے گا۔ ٹریننگ ہی کی بدولت عملہ اپنی خامیوں کو دور کر سکتا اور جدید معلومات و تجربات سے استفادہ کر سکتا ہے۔ تربیت کی بدولت نظر میں وسعت، کردار میں استقامت اور مزاج میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ تاہم

ٹریننگ کے بارے میں ہر ملک کی اپنی اپنی پالیسی اور الگ طریقہ نگار ہوتا ہے جس کا زیادہ تر داروں مدارکی مخصوص خدمت کی نوعیت پر ہوتا ہے۔ ملاز میں سرکار کی ضروریات کے مطابق ٹریننگ کے مختلف پروگرام عمل میں لائے جاتے ہیں۔ یہ ذمہ داری عموماً مختلف ٹریننگ انسٹیٹوٹ اور یونیورسٹیاں اٹھاتی ہیں۔

انظام۔ نظام: ایک چیف اگزیکٹیو کے لیے یہ عملانہ ممکن ہے کہ وہ اپنے دفتر کے پورے کام بذات خود انجام دے۔ حکومت کو بڑے اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے جنہیں ڈپارٹمنٹ یا مکملے کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت میں یہ حیثیت مجموعی حکومت کی مشنری کے اجزاء ہیں۔ ڈپارٹمنٹ کام کی نوعیت کے اعتبار سے چھوٹے اور بڑے ہو سکتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مختلف ڈپارٹمنٹ کے قیام کی وجہ سے عوام کو انتظامیہ سے ربط قائم کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

سرکاری مکملوں کی تقسیم کچھ اسی طرح کی جاتی ہے۔

سکریٹری

اڈیشنل سکریٹری یا جائینٹ سکریٹری

ڈپٹی سکریٹری

اسسٹنٹ سکریٹری

سکشن افسر

عملے کے دیگر افراد

اعلیٰ عہدہ دار آل انڈیا سروس کے ہوتے ہیں اور وہ حکومت کی سیاسی تبدیلیوں سے مطلق متاثر نہیں ہوتے۔ وہ حکومت کے مستقل عہدہ دار ہوتے ہیں جو اپنے سیاسی افسروں کی پالیسی کی تشکیل اور اسکیم کی ترتیب میں مشیر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اور ان کے کام میں مدد دیتے ہیں۔ ان عہدہ داروں کی موجودگی سیاست دانوں کے لیے ضروری ہے۔

اسرافیل: یہ بھی ایک فرشتہ کا نام ہے جو قیامت کے روز صور پھونکنے کے جب اللہ کا حکم ہوگا اور یہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے تو سارے جاندار انسان جنات چرند پرند فنا ہو جائیں گے۔ صور کی آواز نہایت تیز اور ڈرائیں ہوگی۔ جب حضرت اسرافیل دوسری دفعہ صور پھونکنے کے تو سب زندہ ہو جائیں گے۔

اسکول کے نفسیاتی امدادی کام // Psycho-auxiliary Activities of School // : ہمارا آج کا تعلیمی نظام بڑی حد تک ان اصولوں پر مبنی ہے جو براہ راست نفسیات کے مطالعہ کے نتیجہ ہیں۔ مغرب میں تعلیم کو بچہ کی نفسیات پر قائم کرنے کی جو تحریک انیسویں صدی کے آخر میں پستالوزی، ہب رارٹ اور فروبل کی کوششوں سے شروع ہوئی تھی، اپنے اثر کے اعتبار سے برابر ترقی کرتی رہی اور آج صرف یہی نہیں کہ نصاب، طریقہ تعلیم اور امتحانات کو تمام تر تعلیمی نفسیاتی اصولوں پر ڈھالنے کی کوشش برابر جاری ہے بلکہ بچہ کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں جو گھر کے علاوہ اسکول کے اثرات کا بھی نتیجہ تسلیم کی جاتی ہے، اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ اسکول میں درس و تدریس کے علاوہ کچھ ایسے نفسیاتی امدادی کاموں کا بھی العقاد کیا جائے جو بچہ کی تمام ذہنی، جذباتی، اخلاقی اور سماجی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اور ان تمام نفسیاتی مسائل کو حل

کرنے میں بچہ کی مدد کر سکیں جو آپ سے اپنی روزمرہ کی زندگی میں ماحول کی ناسازگاری اور دیگر شخصی وجوہ کی بنا پر پیش آتے ہیں۔

یہ بات اب عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف یہی نہیں کہ استاد ایک مقرر کردہ نصاب بچہ کو مکمل کر دے اور پھر امتحان لے کر اسے کامیاب یا ناکامیاب قرار دے۔ بلکہ صحیح معنوں میں تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ بچہ کی تمام ذہنی، جذباتی، اخلاقی اور سماجی صلاحیتوں کو بروئے کار لے کر اس کی پوری شخصیت کی تعمیر کی جائے۔ لیکن یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ صلاحیت کے اعتبار سے ہر بچہ دوسرے سے مختلف ہے اور اسی لیے ہر بچہ کے مسائل بھی جداگانہ ہیں۔ مدرس جس کا بنیادی کام آج بھی مضمون کی تعلیم دینا ہے اس میں شک نہیں کہ اپنے منصب کے اعتبار سے بچہ کی شخصیت کی تعمیر کا بھی ذمہ دار ہے لیکن آج کے پیچیدہ سماج میں جو روز بروز اور بھی پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے اور جس کے مسائل بھی روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں، ایک استاد کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی مخصوص محدود تربیت کی مدد سے بچوں کے نفسیاتی مسائل کو سلب جانے میں بھی ان کی مدد کر سکے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت سمجھی گئی کہ اسکوں میں کچھ لیسے امدادی کاموں // کا بھی اہتمام کیا جائے جو بچہ کو اس کی تعلیمی شخصی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں اُس کی مدد کر سکیں۔

نفسیاتی امدادی کاموں کی تحریک کا آغاز امریکا میں بیسویں صدی کے دوسرے دہی میں ہوا۔ اس کی ابتداء مختلف تحریکوں کے اثر کا نتیجہ کہی جا سکتی ہے۔ ایک ذہنی حفظان صحت // Mental Hygiene کی تحریک اور دوسری نفسیاتی جانچ // Psychological Testing کی تحریک۔ یہ ساری تحریکیں دراصل

تعلیم میں نفیسات کے بڑھتے ہوئے اثر کا تیجہ کہی جا سکتی ہیں۔ جیسے جیسے بچوں کے نفیساتی مطالعہ میں دلچسپی بڑھتی گئی ویسے یہ تحریکیں بھی زور پکڑتی گئیں اور آج امریکا میں ایسے اسکول کم ملین گے جن میں اس طرح کے کاموں کی تھوڑی بہت جھلک نہ ملتی ہو۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دولت کی فراوانی اور ذرائع کی فراہمی کے باوجود امریکا میں آج بھی تقریباً آدھے اسکول ایسے ہیں جن میں نفیساتی امدادی کام محض برائے نام کیے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں تو انھی اس طرح کے کام پارچ فی صد اسکولوں میں بھی مشکل سے ملیں گے۔ آزادی کے بعد کچھ روشن خیال ماہرین تعلیم کی کوششوں سے نفیساتی امدادی کام سے ملتی جلتی ایک دوسری تحریک جسے صلاح کاری کی تحریک // Guidance Movement // کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہندوستان میں شروع ہوئی اور اتر پردیش کے تعلیمی شہر ال آباد میں بیورو آف سائیکالوجی // کی بنیاد پڑی۔ اس بیورو کا سب سے اہم کام آٹھویں جماعت کے بچوں کو نفیساتی جانش کی بنیاد پر اعلیٰ ثانوی // Higher Secondary // تعلیم کے لیے مضامین کے انتخاب میں ان کی مدد کرنا تھا۔ اس کے علاوہ اس بیورو میں ایک چھوٹے پیمانہ پر ذہنی امراض میں بنتلا بچوں کا نفیساتی علاج بھی کیا جاتا تھا۔ 1954 میں مرکزی حکومت نے صلاح کاری کی تحریک کو فروغ دینے کے لیے دہلی میں سنٹرل بیورو آف اپجو کیپشنل اینڈ ووکیشنل گائیڈنس // Central Bureau of Educational & Vocational Guidance کی تربیت کا انتظام کرنا تھا تاکہ وہ تعلیم اور پیشے سے متعلق اصلاح کاری کے فرائض کو بخوبی انجام دے سکیں۔ یہ کام آج بھی جاری ہے۔ یہاں پر یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ مقصد کے اعتبار سے نفیساتی امدادی

کام اور صلاح کاری دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ مگر عمل کے اعتبار سے صلاح کاری کا دائروہ زیادہ وسیع ہے کیونکہ اس میں بچہ کے نفسیاتی، شخصی، سماجی مسائل کے علاوہ اس کی تعلیم اور پیشے سے متعلق ضرورتوں کو پورا کرنے پر بھی زور دیا جاتا ہے اور کونسلر // Counsellor // یا صلاح کار جو اس کام کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اپنی تربیت کے اعتبار سے ایک نارمل بچہ کے جملہ مسائل کو حل کرنے کی ابیت رکھتا ہے۔ لیکن نفسیاتی لہادی کام کا تعلق مخصوص طور پر ان بچوں سے ہوتا ہے جو ذہنی، جسمانی یا سماجی پس مانگی کے باعث نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ ان مسائل کا اثر اکثر ان کی تعلیم اور شخصیت پر براپڑتا ہے۔ اسی لیے ماہر نفسیات مدارس یا اسکول سائیکالوجسٹ // School Psychologist // کے فرائض میں وہ تمام کام آتے ہیں جو بچہ کو اپنے مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں اس کی مدد کر سکیں اور اس طرح اس کی شخصیت کی بہتر تعمیر و تشکیل میں معاون ہو سکیں۔ ماہر نفسیات مدارس // School Psychologist // اپنے کام کو سائنسی طور پر انجام دینے کے لیے نفسیاتی جاگہ کے ذریعہ بچہ کی ذہنی اور شخصی سماجی زندگی سے متعلق ایسا مواد فراہم کرتا ہے جو اُسے بچہ کو پوری طرح سمجھنے اور اسے مدد دینے میں اس کی رہنمائی کر سکے۔ نفسیاتی جاگہ کے علاوہ وہ بہت سی قابل اعتبار // Reliable // اطلاعات اسکول، مگر اور پڑوس سے بھی حاصل کرتا ہے۔

ماہر نفسیات مدارس // School Psychologist // کے کام کو چند مثالوں کے ذریعہ واضح کیا جاسکتا ہے۔ اسکول میں کچھ بچے ذہنی پس مانگی یا تعلیمی پچھڑے پن کا شکار ہوتے ہیں۔ ذہنی پس مانگی یا تعلیمی پچھڑے پن ان بچوں کے لیے بہت سے نفسیاتی مسائل پیدا کرتا ہے۔ ماہر نفسیات مدارس // School

// کا یہ کام ہے کہ وہ ذہنی پس ماندہ بچوں کے لیے ان کی ذہنی سطح کے مطابق مناسب Psychologist نصاب کا انتظام کرائے اور ان بچوں کے لیے جو تعلیمی پیغمبرے پن // Educational Backwardness کا شکار ہیں اصلاحی مدد بھم پہنچائے تاکہ وہ جلد ہی عام بچوں کی تعلیمی سطح پر پہنچ سکیں۔ بہت سے بچے سماجی و نفسیاتی اسباب کی بناء پر بے راہ // Delinquent ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچے پڑھنے سے جی چراتے ہیں اور اکثر اسکول سے بھاگ جاتے ہیں۔ ماہر نفسیات مدارس // School Psychologist کا یہ کام ہے کہ وہ مناسب نفسیاتی تدبیر کے ذریعہ انھیں راہ پر لگائے۔ اس کے لیے سب سے پہلے بچہ کا نفسیاتی تجزیہ کرنا ہوتا ہے اور پھر اس کے ماحول، مزاج اور دلچسپی کے مطابق اسے ضروری مدد دینا ہوتا ہے تاکہ رفتہ رفتہ بچہ اپنے اوپر قابو پاسکے اور صحیح راہ اختیار کر لے۔ اکثر بچے والدین یا استادوں کی بے جا سخت گیری کے باعث یا سماج کی کوتاه اندیشی کے سبب سے ایسی ذہنی لمحنوں کا شکار ہو جاتے ہیں جو ان کی ذہنی اور عملی زندگی پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ ایسے بچے نہ تو اپنی پڑھائی میں اور نہ زندگی کے دوسرے مسائل کو حل کرنے میں کامیابی حاصل کر پاتے ہیں۔ ماہر نفسیات مدارس // School Psychologist ایسے بچوں کے علاج کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

Eskimo // : اسکیمو شہابی امریکا کے انتہائی شمال کے علاقہ کے لوگ ہیں جو زیادہ تر منطقہ قطب شمالی میں رہتے ہیں۔ ان کی کل تعداد 60 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ تقریباً 2 ہزار باشندے سابق سوویت یونین کے سائیبریا علاقہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے گرین لینڈ علاقہ کے باشندوں کی نسل میں

سفید فاموں کا میل ہے ورنہ زیادہ تر آبادی الگ تھلگ ہے اور صدیوں سے ان کی نسل میں کوئی میل نہیں ہوا ہے۔ خدوخال کے اعتبار سے وہ کسی مخصوص نسل کے نمائندہ نظر آتے ہیں۔

اسکیمو سینکڑوں میل کے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن سب ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ جسمانی اور تہذیبی طور پر بھی یکساں ہیں۔ ان کے چہرے منگولیائی ہیں اور جسمانی ساخت کے نحاظ سے بھی ایشیائی معلوم ہوتے ہیں۔ قطب شمالی کے انتہائی سرد موسم سے انہوں نے انتہائی کامیابی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے۔ بڑی بڑی سمندری مخلیاں اور دوسرے دودھ دینے والے جانوروں پر ان کی زندگی مرکوز ہے۔ غذا، کپڑے، کھانے پکانے اور جلانے کا تیل، مختلف ضروریات کے اوزار اور دفاع کے ہتھیار سب ان ہی سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ شکار کے فن میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ گوشت وہ بغیر پکائے کپا ہی کھا لیتے ہیں۔

موسم گرما میں یہ پورے علاقہ میں تازہ پانی اور غذا کے لیے گھومتے ہیں۔ مخلیوں اور جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔ سیل یا دریائی بچھڑے کی کھال سے وہ نہ صرف کپڑے بناتے ہیں بلکہ ڈیرے بھی تیار کرتے ہیں جن میں وہ گروہوں میں رہتے ہیں۔ سرمایہ میں یہ لکڑی کے مکان بنانے کر رہتے ہیں یا پھر زمین میں گڈھے کھود کر پتھر کی دیواریں بنانے لیتے ہیں اور چھت کو لکڑی یا کھال سے ڈھکتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ برف کے گھر بنانے کر رہتے تھے۔ ان کو اپنی ضروریات کے لیے دور دور سفر کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے سامان ڈھونے کے لیے وہ ایک قسم کی بغیر پہیہ کی گاڑی 'سلیج' بنانے لیتے ہیں۔ جنھیں سدھے ہوئے بڑے بڑے کٹے کھینچتے ہیں۔

اسکیمو فنون لطیفہ میں کافی ترقی یافتہ ہیں۔ ہڈیوں اور سینگھوں سے یہ نہایت خوبصورت چیزیں بناتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے گروپ میں رہتے ہیں۔ ہر گروپ کا ایک سردار ہوتا ہے جو قابلیت اور صلاحیت کی بناء پر چنا جاتا ہے۔ بہت کم چیزیں نجی ہوتی ہیں۔ سب چیزیں ہر شخص اپنی ضروریات کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے۔ لڑائی جھکڑے اور اختلافات مل کر طے کرتے جاتے ہیں۔ مذہب کافی ترقی یافتہ ہے لیکن روزانہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ جدید آلات حرب مثلاً پستول، بندوقیں وغیرہ بھی وہاں پہنچنے لگی ہیں جن سے شکار کے کاموں میں انھیں کافی مدد ملتی ہے۔

روایتی انداز میں رہنے والے اسکیموواپنے قبلے میں ایک بڑے مشترکہ خاندان کی طرح رہتے ہیں۔ ان کو ہر چیز مل جل کر استعمال کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ سخت موسم کی وجہ سے یہ اپنے بزرگوں کو مرنے کے لیے برف کے طوفان میں چھوڑ جاتے ہیں۔ موسم بدلتے وقت جب وہ بھرت کرتے ہیں تو اپنے بزرگوں کو ساتھ نہیں لے جاتے ہیں۔ ان میں تمدن اپنے ابتدائی شکل میں موجود ہے اس لیے ماہرین سماجیات اس کا مطالعہ کرنے کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ ان کو بجا طور پر زندہ عجائب گھر سمجھا جاسکتا ہے۔

اسماعیلیہ: یہ بھی فرقہ امامیہ کی ایک شاخ ہے جو اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے۔ ائمہ کے سلسلہ میں امام جعفر صادق تک ان کا اشنا عشريون سے اتفاق ہے مگر ان کے بعد وہ ان کے بیٹے موسی کاظم کے بجائے ان کے دوسرے بیٹے اسماعیل کو امام قرار دیتے ہیں گو اسماعیل کے بعد محمد مکتوم امام ہوئے جو مستور ائمہ میں پہلے امام تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر صادق پھر ان کے بیٹے محمد حبیب کو امام قرار دیا گیا جو آخری مستور امام تھے۔ ان کے بعد عبد اللہ مہدی امام ہوئے جن کو امام المغرب کہا جاتا ہے اس کے بعد ان

کی اولاد مصر کی خلیفہ ہوئی جو فاطمی کہلانے اس فرقہ کے نزدیک امام کا ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ مستور بھی ہوتا ہے اور اس حالت میں بھی اس کی اطلاعات لازمی ہے امام کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا اس کے افعال پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں یہ لوگ کسی حد تک جنوبی و سطحی افریقہ بلاد شام پاکستان اور ہندوستان میں آباد ہیں کسی زمانہ میں یہ بر سر اقتدار بھی تھے فاطمیہ مصر و شام اسماعیلی ہی تھے۔ قرامطہ جو ایک زمانہ میں متعدد ملکوں پر قابض تھے اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

یہ لوگ باطنیہ اور باطنیتی بھی کہلاتے ہی کیونکہ یہ اپنے عقائد کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں ابتداء میں جور و ستم کے ڈر سے اخفاء کا رجحان ان کے اندر پیدا ہوا مگر پھر یہ ان کی عادت ثانیہ بن گئی۔ علاوه ازین وہ اکثر حالات میں امام کو مستور مانتے ہیں ان کی رائے میں مغرب میں ان کی سلطنت کے قیام تک مستور تھا۔ ان کو باطنیہ کہنے کی یہ وجہ بھی ہے کہ ان کے خیال میں شریعت کا ایک ظاہر ہونا ہے اور ایک باطن۔ عام لوگوں کو صرف ظواہر شریعت کا علم ہوتا ہے مگر امام کو باطن کا علم بھی ہوتا ہے اسی بنا پر وہ الفاظ قرآن کی تاو پلیں کرتے ہیں۔

اسمنٹھ، آدم // Smith, Adam // : آدم اسمنٹھ انگلستان اور یورپ کا مشہور دانش ور ماہر معاشیات تھا۔ انگلستان کی کلاسیکی معاشیات کی بنیاد انھیں کے معاشی نظریوں پر رکھی گئی ہے۔ ایڈم اسمنٹھ اسکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ اس کی پرورش اس کی ماں نے کی۔ چودہ سال کی عمر میں گلاسگو یونیورسٹی میں اس نے فرانس بھیس // F. Hutchison // کی رہنمائی میں تعلیم حاصل کی جہاں اسے اکسفورڈ یونیورسٹی میں مزید تعلیم کے لیے وظیفہ ملا۔ یہاں اس نے 1746 تک چھ سال گزارے۔ 1748 سے

1751 تک اس نے ایڈبیر ایونیورسٹی میں تعلیم دی۔ 1751 سے 1763 تک وہ گلاسگو یونیورسٹی میں رہا۔ پہلے اسے منطق کا پروفیسر بنایا گیا اور اس کے ایک سال بعد فرانس، پیسٹن کی جگہ اخلاقی فلسفہ کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔

1764 سے 1766 تک وہ ڈیوک آف بک لیوگھ کا اتنا لیق رہا اور ڈیوک کے ساتھ فرانس کی سیر کی۔ ایڈم اسمٹھ نے معاشیات پر اپنی سب سے اہم تصنیف "دولت اقوام کی نوعیت اور اسباب کے بارے میں تحقیقات" // An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations // 1776 میں شائع کی۔ ایڈم اسمٹھ کی اسی تصنیف پر برطانیہ کی مشہور کلاسکی معاشیات کی بنیاد پڑی جس کی ابتدا ریکارڈو سے ہوتی ہے۔ اور اس کا سلسلہ مارشل سے ہوتا ہوا ای۔ ایل۔ پیکو تک چلا گیا۔ ایڈم اسمٹھ نے اپنی تصنیف میں یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ کسی کمیونٹی میں دولت کس طرح بڑھتی ہے۔ اس کے اسباب کیا ہیں اس نے فطر آئینوں // Physiocrats // کے اس نظریہ کو رد کر دیا تھا کہ زراعت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس نے مصنوعات کی پیداوار کو بھی مساوی اور اہم مقام دیا ہے۔ اور قدر // Value کو جانچنے کے لیے محنت // Labour کو بنیادی پیمانہ قرار دیا ہے اور بتلایا کہ اگر // الف // کام کرنے کے لیے دو آدمیوں کی محنت درکار ہوتی ہے اور // ب // کام کے لیے چار آدمیوں کی تو // ب // کی قدر // الف // سے دو گنی ہوگی اگرچہ چیزوں کی حقیقی قیمت ان کی طلب اور رسد پر مخصر ہوتی ہے۔ اسمٹھ نے بتلایا کہ افزائش دولت میں دو عناصر کام کرتے ہیں۔ // 1 // مزدور طبقہ کی مہارت، // 2 // پیداواری اور غیر پیداواری محنت کا آپسی تناسب۔ جہاں تک مزدور طبقہ کی مہارت کا تعلق ہے اس میں

تقطیم محنت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً پن بنانے کی صفت کو لجئے۔ اگر سارے کام یعنی تار چھینجنے، اسے کائیں، اس کے سر کو موٹا کرنے اور دوسرے سر یکونک دار بنانے کے مختلف کام ایک ہی شخص سے لیے جائیں تو پہلوں کی پیداوار بہت کم ہو گی لیکن اس کے برعکس اگر ایک شخص کام کے صرف کسی ایک حصہ میں مہارت حاصل کر لے اور پورے کام کئی ماہرین کریں تو اس سے اتنے بھی وقت میں پہلے کے مقابلہ میں کئی سو گناہنیں تیار ہوں گی اور پیداوار کا انحصار مال کی کھپت یا طلب پر ہو گا۔ جہاں تک دوسرے عنصر یعنی پیداواری وغیرپیداواری محنت کے تناسب کا سوال ہے اس کا انحصار اجتماع دولت // پر ہے جس کی مدد سے ایسی مشینیں تیار ہو سکتی ہے جو کام میں مزدور کی مدد کریں اور روزگار کے موقع میں اضافہ ہو۔ اور اس کے لیے اسمتح نے اجرتوں کے فنڈ قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ کسی بھی عمل پیداوار میں پیداوار کے قابل استعمال شکل تک پہنچنے میں کچھ وقت لگتا ہے لیکن اس دوران مzdorوں کی ضروریات کی تکمیل ہوتی رہنی چاہیے۔ اسمتح کا یقین تھا کہ معاشی نظام بڑی خوش اسلوبی اور ہم آہنگی کے ساتھ چل رہا ہے اور اس میں حکومت کی مداخلت کم سے کم ہونی چاہیے // دیکھیے معاشیات عدم مداخلت //۔ اسمتح کے نزدیک اگرچہ ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کام کرتا ہے لیکن اس کے اس طرح کام کرنے سے سب ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے پیچے ایک غائبانہ طاقت کام کرتی ہے اور یہ سب کچھ آزاد اہ مسابقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک کارکرد معیشت کے لیے آزاد مسابقت نہایت ضروری ہے۔

اسمنہ کی دولت اقوام کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف معاشیات اور تاریخ کا طالب علم تھا بلکہ بڑا عملی انسان بھی تھا مثلاً اس کا احساس تھا کہ وہ کون سی قوتوں پیں جو آزادانہ مسابقت کے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ ایک ہی کاروبار کے لوگ اگر کبھی دل بہلانے یا خوشی منانے کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اس قسم کا اجتماع عوام کے خلاف کوئی سازش کرنے یا قیمتیں بڑھانے کی ترکیب ڈھونڈنے پر ختم ہوتا ہے۔ مالیات پر بحث کرتے ہوئے اس نے ٹیکس کے بارے میں چار اصول گنائے ہیں۔ 1 // مساوات // ہر شخص پر اس کی ادائیگی کی صلاحیت کے مطابق ٹیکس لگانا چاہیے // ، 2 // یقین کی کیفیت // Certainty // آسانی // Convenience // 3 // آسانی // Economy // 4 // کفایت //

اسنادیات: گزشتہ پچاس برس میں کتب خانہ کے ذخیرہ میں اقسام مواد کے اعتبار سے بڑی تبدیلی آگئی ہے۔ کتاب کے علاوہ غیر کتابی مواد۔ تحقیقات علمی کی رپورٹ، قلمی یا ٹائپ کیے ہوئے مسودے، رسالہ اور رسالہ کے مضامن کی عکسی نقل، پیٹنٹ اور معیار۔ ذخیرہ کتب خانہ کا اہم حصہ بن چکے ہیں۔ مخصوص دائرة علم سے متعلق کتب خانوں میں جو کسی تحقیقی و ترقیاتی ادارے سے منسلک ہیں غیر کتابی مواد غالب اکثریت میں ہوتے ہیں۔ اس تبدیلی کی وجہ سے کتب خانہ میں موجود مواد کتاب کے نام سے نہ منسوب کر کے اس کے لیے سند کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ لفظ سند جس سے علم قانون کی اصطلاح میں وہ تحریر مراد ہے جو مصدقہ ہو اور وقت ضرورت کسی دعویٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کی جاسکے یا علم تعلیم میانپنے پانے والے کی تعلیمی صلاحیت کی تصدیق کرے، علم کتب خانہ داری میں وسیع مفہوم میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اگرچہ بنیادی

مفهوم یعنی "مصدقہ تحریر" اب بھی باقی رہا۔ علم کتب خانہ داری میں سند سے مراد وہ معلوماتی واحدہ ہے جو متعلقہ مضمون کے نوریافت خیال، نظریہ، کلیہ یا تحقیق کے نتائج کا احاطہ کرتا ہو اور جسے وجود میں آنے کے بعد پہلی دفعہ اظہار کا جامہ پہنایا گیا ہو۔ اس لپس منتظر میں عمومی حوالجاتی خدمت کے لیے کتابی مواد سے مرتب کتابیات کی جگہ ایک خاص ماہر مضمون کے لیے نوریافت نتیجہ تحقیق کی تحریرات پر مبنی اشاریہ نے لے لی اور اس عمل اور اس خدمت کو اسنادیات کا نام دیا گیا۔

مختلف علماء نے اسنادیات کی اپنے اپنے طور پر تعریف بیان کی ہے۔ مور تمرتا ہے // Mortimer Taube // کے مطابق "اسنادیات نام ہے ان مجموعی سرگرمیوں کا جو مخصوص نوعیت کی معلومات کی ترسیل میں کی جاتی ہیں ان میں ترسیل سے قبل کے عمل یعنی حوالہ جاتی مواد کی تیاری، ان کی نقل کاری اور بعد کے عمل یعنی فراہمی حوالہ دونوں شامل ہیں۔ لاعبریرینس گلاسری مرتبہ ہیرڈ کے مطابق "علم اور حوالہ علم کو رقم کرنا ان کی اس طور پر ترتیب کہ فوری نشانہ ہی ممکن ہو سکے اور مختلف وسائل کے ذریعہ ان کی ترسیل کا نام اسنادیات ہی"۔ پروفیسر ایس آر رنگانا تھن نے اسنادیات کی تعریف زیادہ وضاحت سے کی ہے ان کا کہنا ہے کہ آج کا لاعبریرین درجہ اختصاص کے قارئن کی جانب سے نوزائیدہ مختصر ترین تصور کی فرماش کے پیش نظر نئے حالات سے دوچار ہے۔ اب اسے نئے طریقہ کار، نیارویہ اور خدمت قاری کے لیے نئے انداز کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اسنادیات کی اصطلاح اسی طریقہ کار، رویہ اور سرگرمیوں کی شدت کے اظہار کو واضح کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ رنگانا تھن صاحب کے مطابق "علم کی مخصوص شاخ میں درجہ اختصاص کے دانشور کے نوریافت مختصرین نکتہ تصور کے حوالہ کو لاائق استفادہ بنانا اور اس کا فروغ

اسنادیات ہی" دوسرے لفظوں میں یہ حوالہ فرائی کی وجہ خدمت ہے جو ایک ماہر دانشور کے لیے مکمل طور پر برق رفتاری سے بعینہ نو دریافت مختصر ترین تصور جود رکار ہواس کی نشاندہی کرے۔ اس تعریف میں تین شرائط پر زور ہے۔ خدمت حوالہ کی رفتار تیز ترین ہونی چاہیے کہ دانشور کا وقت قیمتی ہے، حوالہ ٹھیک ٹھیک اسی تصور یا نکتہ کا ہونا چاہیے اور خدمت حوالہ میں درکار نکتہ خیال کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ ہونا چاہیے۔

تاریخ: حوالہ فرائم کرنے کی اسنادیاتی خدمت کتب خانوں کے حوالہ فرایم کرنے کے روایتی ڈھنگ کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئی۔ روایتی کتب خانوں میں کتابوں کو قارئین تک پہنچانے سے زیادہ توجہ تحفظ کتب و اسناد پر دی جاسکے جس کے نتیجہ میں فہرست سازی عموماً مصنف کے نام سے کی جاتی تھی۔ چنانچہ برٹش میوزیم // حال برٹش لائبریری // اور لائبریری آف کانگریس کے مطبوعہ کیٹلگ مصنف وار مرتب ہیں۔ اس طرح کے کیٹلگ سے کسی ایک مضمون یا اس کے کسی ایک پہلو پر مواد کی تلاش کا کام بہت مشکل تھا۔ یہ مشکل خاص طور پر سائنسی اور تکنیکی مضامین کے دائروں میں کام کرنے والوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ دوسری طرف طباعت کے طریقے میں تبدیلی کے سبب شائع شدہ مواد کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ سہقیں صدی کے وسط میں سائنسداروں نے اکیڈمیاں قائم کرنی شروع کر دی تھیں۔ سائنسی موضوعات پر رسائل شائع ہونے لگے تھے۔ سائنسی علوم پر پہلا رسالہ پیرس سے جرنل دی اسکاؤنس // کے نام سے 1665 میں شائع ہوا۔ دو ماہ بعد فلاسفیکل ٹرانزیکشنز // Journal des Scavans // رائل سوسائٹی نے انگلینڈ سے شائع کیا۔ انیسویں صدی تک یہ Philosophical Transactions

تعداد اتنی بڑھ چکی تھی کہ اب درکار مضمون کی تلاش غیر ممکن ہو چکی تھی۔ چنانچہ اسمیٹسونین انسٹی ٹیوٹ //
برٹش ایسو سی ایشن برائے ایڈوانسمنٹ آف سائنس کے سامنے مضامین کی اشاریہ سازی کی تجویز رکھی جس
کے نتیجہ میں 1901 میں شائع جملہ سائنسی مضامین کے 22 جلدوں پر مشتمل اور موضوعی ترتیب پر مرتب
کیٹلگ 1902 میں شائع ہوا لیکن یہ تجربہ بہت جلد ناکام ہو گیا۔

اسی زمانہ مینبر و سیلز میں سماجی علوم کے مضامین کی ایک دنیا بھر میں شائع مضامین کی جامع کتابیات شائع کرنے
کے لیے پال اٹلت // Paul Otlet // اور لا فونٹین // La Fontaine // کارڈوں پر اشاریہ سازی کر
رہے تھے۔ اس کام کے لیے انہوں نے 1895 میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف بلوگرافی //

کرنے کے لیے انہوں نے ڈیوی ڈیسیل اسکیم درجہ بندی منتخب کی لیکن جب اس کے مطابق کارڈوں کو
ترتیب دینے کا کام شروع کیا تو اسکیم کے اصول و ضوابط اور ڈھانچے میں تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ نتیجہ میں ایک
نئی اسکیم درجہ بندی یعنی یودی سی یا یونیورسل ڈیسیل کلاسی فی کیشن وجود میں آئی۔ 1931 میں انسٹی ٹیوٹ کا
نام بدل کر انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ڈاکو مینیٹش // International Institute of Documentation

Documentation // رکھا گیا۔ اس طرح کتابیات کی تیاری کے ضمن میں اسنادیات کی اصطلاح منظر عام
پر آئی۔ بیسویں صدی کے وسط تک رسائل کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ چکی تھی اور مختلف کاروباری کمپنیوں
اور تحقیقی اداروں اور انجمنوں نے رسائل کے مضامین کی اشاریہ سازی اور تلخیص نگاری شروع کر دی تھی

لیکن کسی مرتب نظام کی عدم موجودگی میں ان خدمات میں، ہم آہنگی نہ تھی جس کی وجہ سے کچھ مضامین میں اشاریہ سازی اور تخلیقی خدمات بیک وقت کئی جگہوں پر ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف کچھ مضامین ایسے تھے جن کی طرف توجہ کی کمی تھی۔ صورت حال کی اس پیچیدگی اور اس کے نقصانات کی جانب اشارہ پروفیسر جے ڈی بernal // J.D.Bernal // نے اپنے مضمون میں کیا جسے انہوں نے 1948 کی رائل سوسائٹی کی سائنس فلک کالفرنس میں پڑھا تھا۔ 1950 میں یونیسکو نے اپنے تکنیکی امداد پروگرام کے تحت مختلف ممالک میں ڈاکو مینٹیشن یا اسنادیات کے فروغ کے لیے قومی سطح کے ڈاکو مینٹیشن سنٹر کے قیام کے لیے ماہرین کی خدمات، ضروری ساز وسائل اور مالی امداد دی۔ ہندستان میں انسڈاک Indian National Documentation // 1952

میں یونیسکو کے تعاون سے قائم ہوا۔ انسڈاک میں جہاں حوالہ جاتی خدمت کے لیے سائنسی مضامین کی اشاریہ سازی شروع ہوئی اس کے ساتھ ہی مواد علمی کی عکسی نقل کی تیاری اور یورپی زبانوں میں شائع مضامین کے انگریزی ترجمہ کا بھی بندوبست کیا گیا۔ اب قومی سطح پر دوسرے مضامین میں بھی ڈاکو مینٹیشن مرکز یا اسنادیاتی مرکز قائم ہو چکے ہیں جن میں نیشنل اسمال اینٹر پرائز نیشنل ڈاکو مینٹیشن سنٹر // حیدرآباد // سو شل سائنس ڈاکو مینٹیشن سنٹر // دہلی //، انڈین نیشنل ڈاکو مینٹیشن سنٹر فار فیملی پلانگ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر انٹرنیشنل نیوکلیر انفارمیشن سسٹم // وی آنا // اور انٹرنیشنل انفارمیشن // انس // سسٹم فار ایگر یکلچرل سائنسز اینڈ ٹکنالوجی // ایگر اس // قابل ذکر ہیں۔

دائرہ کار: اسنادیاتی مرکز کے دائرہ کار میں درج ذیل امور آتے ہیں:

ترتیب اسنادیاتی فہرست: یعنی اسنادیات کا موضوع کے اعتبار سے مرتب کرنا۔ اس فہرست میں درج مضامین و دیگر حوالہ جاتی مواد کی ترتیب مصنف کے نام سے نہ کر کے نفس مضمون کے مطابق کی جاتی ہے تاکہ مطلوبہ موضوع پر جملہ مواد یکجا درج ہو۔ جملہ مواد ایک متعلق موضوعی سرخی کے تحت درج کیا جاتا ہے۔ موضوعی سرخی حاصل کرنے کے مختلف طریقے وضع کیے گئے۔ ایک طریقہ زنجیری طریقہ ترتیب سرخ یا چین پروسیجر // Chain Procedure دوسرा طریقہ پریس // Precis کہلاتا ہے۔ امریکا کی لاعبریری آف کانگریس نے امکانی موضوعی سرخیوں کی ایک فہرست کئی جلدیوں میں لاعبریری آف کانگریس سبجیکٹ لسٹ کے نام سے ترتیب دی ہے۔ اس پر بنی ایک مختصر فہرست سیرس لسٹ آف سبجیکٹ ہائینگز // Sears List of Subject Headings یا سیرس کی فہرست موضوعی سرخی بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ ایک اور طریقہ موضوعی سرخی کے بجائے مضمون کے عنوان میں آئے بنیادی الفاظ کو بطور سرخی استعمال کرنے کا بھی ہے۔ اگرچہ اب کمپیوٹر کے استعمال کی بدولت سرخی وضع کرنے کی اہمیت کم ہو گئی ہے کیونکہ کمپیوٹر کی بدولت کسی بھی لفظ کی ذریعہ مطلوبہ موضوع پر جملہ مواد کی فہرست حوالہ حاصل کی جاسکتی ہے۔

خدمت اسنادیات: درجہ اختصاص کے دانشوروں کے مطلوبہ موضوع پر حوالہ جاتی خدمت فراہم کرنا اس کے تحت محققین کے لیے ان کے زیر تحقیق موضوع سے متعلق مختصر ترین پہلو پر نو دریافت لیکن جامعیت لیے ہوئے مواد کی فہرست حوالہ برقراری سے فراہم کی جاتی ہے۔ اکثر یہ خدمت ہر محقق کے لیے علاحدہ کی

جاتی ہے اس لیے اسے ایس ڈی آئی // Selective Discrimination of Information // یا

منتخب قاری ترسیل علمی مواد کا نام دیا گیا ہے۔

تلخیص نگاری: اسنادی مرکز مخصوص موضوع پر مواد علمی کا اشاریہ بنانے پر استفادہ کر کے ان کی تلخیص بھی درج کرتے ہیں تاکہ محققین کو اپنے مصرف کے مواد کو منتخب کرنے میں زیادہ آسانی ہو اور مکمل مطالعہ صرف اسی مضمون کا کرنا پڑے جو ان کے دائروں تحقیق کے اندر آئے۔

علکسی نقل مضمون: اگر حوالہ کا طالب محقق مرکز اسنادیات سے باہر ہے تو اس کے لیے درکار مضامین یا دوسرے علمی مواد کی علکسی نقل بھی فراہم کرنے کا بندوبست مرکز اسنادیات میں موجود ہوتا ہے۔

ترجمہ نگاری: اسنادیاتی خدمت میں اگر درکار مواد ایسی زبان میں ہو جس سے طالب حوالہ ناواقف ہے تو اسنادیاتی مرکز مضمون کا طالب حوالہ کی مطلوبہ زبان میں ترجمہ بھی فراہم کرتا ہے اس کے لیے مرکز کے پامابر ترجمہ نگاروں کی فہرست موجود ہوتی ہے۔

کسی بھی سائنسدار، سماجی علوم کے دانشور یا ماہر تکنیکی علوم کے لیے اسنادیاتی مرکز کی مدد کے بغیر تحقیق کے کام میں پیش قدمی اب ممکن نہیں رہی۔ ملک میں یونیورسٹی گرائٹس میکیشن، کونسل برائے سائنسی و صنعتی تحقیق // CSIR // سائنس و تکنالوجی کا قومی معلوم نظام // NISSAT // اور ہندستانی کونسل برائے تحقیقات سماجی علوم // ICSSR // کی بدولت جملہ علوم میں اسنادیاتی خدمات کے قومی مرکز قائم ہیں۔

اسیران جنگ // Prisioners of War // : قدیم زمانہ میں اسیران جنگ کی موت و حیات کا دار و مدار فاتح ملک کی صوابید پر تھا۔ رفتہ رفتہ بجائے قتل کرنے کے اسیران جنگ سے بھیثیت غلام کام لینے کا طریقہ رائج ہوا اور یہ طریقہ تقریباً موجودہ زمانے تک باقی رہا۔

قدیم جاگہداری نظام // Feudal System // میں اسیران جنگ کو واپس کرنے کا طریقہ رائج ہوا اور اعلیٰ فوجی افسر جو قیدی بن کرائے تھے ان کو اپنے فوجی افسر کی رہائی کے معاوضے میں واپس کیا جاتا تھا۔ اسیران جنگ کے متعلق پہلا بین الاقوامی کنونشن ہیگ امن کانفرنس // Hague Peace Conference // میں منظور کیا گیا اس میں مزید اضافہ ہیگ کنونشن // Hague Convention // 1907 کے ذریعہ کیا گیا۔ جنگ عظیم کے بعد ہیگ کے قواعد // Hague Rules // ناکافی ثابت ہوئے۔

بین الاقوامی ریڈ کراس نے اس سلسلے میں مکمل دستور مرتب کیا۔ سوئزر لینڈ کی گورنمنٹ کی دعوت پر سینتالیس ممالک نے ایک میٹنگ میں شرکت کی جو 1929 میں جنیوا میں منعقد ہوئی تھی اور ان ممالک کے نمائندوں نے جنیوا کنونشن پر دستخط کیے۔ جنیوا کنونشن اسیران جنگ سے متعلق ہے اور اس میں درج کردہ قواعد کو بین الاقوامی قانون کا درجہ حاصل ہے۔

شاریائی خدمات // Indexing Services // : کتابیات کی مقبول ترین صنف رسائل و کتابوں میں موجود مضامین کا اشاریہ ہے۔ علمی دنیا میں خصوصاً سائنسی علوم میں دنیا کے مختلف مقامات پر ہونے والے تحقیقی کارناموں سے ایک دوسرے کو باخبر رکھنے کے لیے جب کتابیں اپنی اشاعت میں تاخیر کی بدولت معاون نہ رہیں تو دانشوروں نے معین مدت پر رسائل شائع کرنا شروع کیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ رسائل کی تعداد

میں اضافہ ہوا یہاں تک کہ انیسویں صدی کے پہنچنے تک رسائل میں موجود مواد کی نشاندہی مشکل نظر آئی گی۔

رسائل میں منتشر مضامین تک دسترس میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ولیم فریدرک پول //

William Fredrick Poole نے انگریزی زبان میں شائع 1802 تا 1881 تک کے مضامین کا ایک

مشترک اشاریہ ترتیب دیا جو 1882 میں شائع ہوا اور اس طرح اشاریہ سازی کی ابتداء ہو گئی۔ آج جبکہ ایک

اندازہ کے مطابق 130,000 علمی رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں درج مضامین کی نشاندہی اشاریہ کے بغیر

ناممکن ہو گئی ہے۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں کی مشکل سے بچنے کی غرض سے بیسیسویں صدی کے

شروع سے عصری مضامین کی کتابیاتی احاطہ بندی کا عمل شروع ہو گیا۔ "ریڈرس گائیڈ ٹو پیریاڈیکل لٹرچر" //

Reader's Guide to Periodical Literature کی اشاعت 1905 میں شروع

ہوئی۔ شروع میں یہ اشاریے و سیع الدائرہ شکل میں مرتب کیے گئے لیکن مضامین کی بڑھتی ہوئی تعداد اور

تحقیقی عمل میں مصروف قارئین کی مخصوص ضرورت کے پیش نظر موضوعاتی اشاریے بھی مرتب ہونے

لگے۔ آج گائیڈ ٹو پیریاڈیکل لٹرچر کے شانہ بے شانہ "گائیڈ ٹو لیگل پیریاڈیکلس" //

Guide to Legal Periodicals وغیرہ بھی شائع ہوتے ہیں۔

اشاریہ کا مقصد موضوع پر معلومات فراہم کرنے کے بجائے صرف اس مقام کی نشاندہی کرنی ہوتی ہے

جہاں سے درکار معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے مضمون کے مصنف اور عنوان مضمون کے

بعد رسالہ کی متعلقہ تفصیلات درج کی جاتی ہیں ان میں رسالہ کا نام جلد نمبر اور یا نمبر شمار، تاریخ اشاعت اور

صفحات کی تعداد شامل ہوتی ہے۔ جملہ مضامین کی ترتیب مصنف کے ناموں سے معروف تہجی کے اعتبار سے

کی جاتی ہے۔ شمارہ کے آخر میں موضوعاتی مدخل // Subject Heading // کا اشاریہ ہوتا ہے۔ اشاریہ رسائل ایک معین وقفہ سے شائع ہوتے ہیں اور سال کے اختتام پر یا پانچ و دس سال کی مدت پر یوکجا شائع کیے جاتے ہیں۔ اکثر اعلیٰ سطحی کتب خانے اپنے ادارے کے دائروہ مطالعہ مضامین پر اشاریہ شائع کرتے ہیں۔ مثلاً سائنسی میڈیا کل لائبریری // ہندستان // انڈکس ٹومیڈیا کل لٹرپچر شائع کرتی ہے۔ موضوعاتی مدخل کے لیے کسی معتبر فہرست موضوعاتی مدخل مثلاً سیرس لسٹ آف سیجیکٹ ہیڈنگز // Sears List of Subject Heading // سے مدد لیتے ہیں یا مدخل وضع کرنے کے مختلف طریقوں سے خود وضع کرتے ہیں۔ لیکن اشاریہ رسائل کی بڑی تعداد تجارتی کمپنیاں یا تحقیقاتی ادارے تجارتی اصولوں پر شائع کرتے ہیں۔ چنانچہ اپچ ڈبلیو ای ایک معروف امریکن کمپنی ہے۔

عصری مضامین کے اشاریوں کے علاوہ گزشتہ سالوں کے مضامین کو یوکجا // Retrospective Index // کا اشاریہ یا کسی ایک رسالہ کے مضامین کا مشترک اشاریہ ہو سکتے ہیں مثلاً آج کل // شائع کرنے کا بھی رواج ہے۔ یہ کسی ایک رسالہ کے مضامین کا لمبے عرصہ تک شائع شماروں میں موجود مضامین کا اشاریہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آنڈین اپچو کیشن انڈکس 1947 - 1978 // دہلی // ایک امریکی ماہر اشاریہ سازی یوجین گارفیلڈ // Eugene Garfield // نے گزشتہ صدی کے چھٹے دہے سے دونوں قسم کے اشاریے شائع کرنا شروع کیے ہیں۔ ان کے نام ہیں کرنٹ کنٹنٹ // Current Content // اور سائی ٹیشن انڈکس // Citation Index //۔ کرنٹ کنٹنٹ میں مضامین کے ایک دائروہ میں شائع رسائل کی فہرست عنوانات کو یوکجا کر کے شائع کر دیا جاتا ہے۔ یہ سماجی علوم اور سائنسی علوم دونوں میں دستیاب ہیں۔

ان کی مدد سے ماہرین مضامین لائبریری میں رسالہ تک پہنچنے سے پہلے ان کے اندر اجات سے واقف ہو جاتے ہیں۔ سائی ٹیشن انڈکس میں کسی کلیدی نوعیت کے مضامین کا حوالہ دینے والے جملہ مضامین کو اس مضمون کے تحت درج کیا جاتا ہے جس کی بدولت قاری کو اس موضوع پر دیگر مضامین سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔ اب اشاریہ ساز رسائل کے مضامین کے علاوہ کانفرنس میں پڑھے گئے مضامین اور کتابوں میں درج مضامین کا بھی احاطہ کرنے لگے ہیں اس کی ایک مثال انڈکس اسلامکس // لندن // Index // Islamicus ہے۔

ہندستان سے شائع بیشتر اشاریاتی رسائل کسی نہ کسی علمی مواد مرکز مثلاً آنسڈاک، نسڈاک، ڈیسی ڈاک // INSDOC, NASSDOC, DESIDOC شائع رسائل میں گائیڈ ٹو انڈین پیریاٹدیکل لٹرچر // Guide to Indian Periodical Literature // 1964 سے شائع ہو رہا ہے۔ اشارائی رسائل کی ایک جامع فہرست الرچ انٹرنیشنل پیریوڈیکل ڈائیریکٹری // Ulrich International Periodicals Directory اشاریہ و اشاریہ سازی : اشاریہ سے مراد کتاب کے آخر میں یا رسالہ کی مکمل جلد کے آخر میں شامل وہ فہرست ہے جو کتاب، رسالہ یا دیگر علمی شے میں موجود معلوماتی اجزاء الفاظ، نام، تصور ڈیکٹیو نشانہ ہی اور ان تک رسائی کے لیے حوالہ مقام شناخت یا مقام ذکر پر مشتمل ہوتی ہے۔ حوالہ مقام ذکر عموماً صفحہ نمبر ہوتا ہے۔ ایک عام قاری اشاریہ سے کتاب کے آخر میں یہ اشاریہ سی واقف ہوتا ہے لیکن محققین و دانشوروں کے نزدیک

اشاریہ سے مراد بالعموم رسائل میں شائع مضامین کے مرتب اشاریہ سے ہوتی ہے جو ایک متعین مدت کے وقفہ سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

برطانوی محکمہ معیاربندی نے اشاریہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ کتابوں، رسائل یا دوسری علمی اکائی میں موجود "لفظ" تصور یا اشے کے مقام ذکر تک رسائی کے لیے ایک متعین نظام ترتیب پر تشکیل رہنا ہے۔" یہ مدخل // Entry // کے ایک ایسے تسلسل سے مرتب ہوتا ہے جو تصنیف میں مذکور ترتیب میں نہ ہو کر معلومات کے متلاشی کی لفظ تصور یا اشے تک بہ سرعت رسائی کی خاطر کسی دوسری ترتیب // مثلاً الف بائی // پر منحوح حوالہ مقام ذکر مرتب ہوتا ہے۔" امریکا کے قومی معیار کے مطابق اشاریہ کسی "مجموعہ" میں موجود معلوماتی اجزاء یا مجموعہ سے مستبطن تصورات کا ایک متعین ترتیب میں درج رہنا ہے۔ معلوماتی اجزاء یا تصورات ایک معروف یا پہلے سے واضح کی گئی ایسی ترتیب میں مرتب ہوتے ہیں جو // متلاشی مواد کے لیے // تلاش مواد میں معین ہو، مثلاً الف بائی، تاریخی یا شماری ترتیب۔ عموماً یہ ترتیب مجموعہ میں موجود معلوماتی اجزاء یا تصورات کی ترتیب سے مختلف ہوتی ہے۔ اس تعریف میں مجموعہ سے مراد وہ مواد ہے جس کا اشاریہ مرتب ہوا ہو اور یہ کوئی کتاب یا مواد مرکب // Composite Matter // ہو سکتا ہے یا نقوش کا مجموعہ مثلاً نقشہ جات، تصاویر کے الہم یا آرٹ کے فن پاروں کے چربے۔ اشاریہ سازی کی ابتداء، مذہبی کتابوں کے لیے مرتب اشاریوں سے ہوئی۔ یہ اشاریے جو سولھویں، سیتویں صدیوں میں مرتب ہوئے الفاظ، نام یا عبارت کے طکڑوں پر مشتمل ہوتے تھے انھیں ابجدی اشاریہ // Concordance // کہا جاتا ہے۔ مغربی زبانوں میں شائع کتابوں میں اب اشاریہ کا ہونا عام بات ہے

بلکہ معروف برطانوی صحافی میلکم گرجر // Malcolm Mugridge // کے مطابق بغیر اشاریہ کی کتاب ایک ایسے ریلوے ٹائم ٹیبل کی طرح ہے جس میں اسٹیشن کے نام نہ درج ہوں۔ اشاریہ سازی کے مقندر مابر اچ ڈبلیو وھیٹلے // H.W.Wheatley // کے مطابق اشاریہ تو متناسی معلومات کے لیے درکار معلومات کی نشاندہی کا وسیلہ ہے۔ اردو زبان کی کتابوں میں اشاریہ شامل کرنے کی روایت بہت کمزور بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ انگریزی یا دوسری مغربی زبان سے اردو میترجمہ ہونے والی کتابوں کے ناشر بھی کتاب میں موجود اشاریہ کے متوازی اشاریہ تیار کر کر شامل کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ اپنے ابتدائی دور طباعت میں کتابوں میں اشاریہ کی روایت موجود ہے۔ چنانچہ مرقوم دہلی کلی سے شائع 1847 کی کتاب میں اشاریہ موجود ہے۔ اسی طرح حیات جاوید مطبوعہ نامی پریس // 1901 // میں بھی اشاریہ ملتا ہے۔ حیدر آباد سے دارالترجمہ کی کتابوں میں بھی اشاریہ کا التزام تھا۔

کتابوں کے بر عکس رسائل کی اشاریہ سازی نسبتاً زیادہ قدیم نہیں۔ یوں تو سائنسی علوم میں تحقیق کی روز افزون رفتار کی بدولت رسائل کی اشاعت کی تعداد اٹھا رہوں صدی سے ہی بڑھنے لگی تھی لیکن انیسویں صدی کے آخری دو دہے تک ان میں شائع مضامین کی تعداد اتنی بڑھ چکی تھی کہ سائنسدانوں کو اشاریہ کی مدد کے بغیر واقفیت حاصل کرنا مشکل ہو گیا۔ نتیجہ میں رسائل کی اشاریہ سازی کی داغ بیل پڑی۔ آج اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے کتابوں کے اشاریے سے کہیں زیادہ رسائل کے اشاریوں کا مقام ہے۔ رسائل کے اشاریہ سازی میں معاون قاعدے اور ضابطے مرتب ہوئے ہیں، صراحتی الفاظ // Descriptors // اور کنز اللغات // Thesaurus // مختلف مضامین و موضوعات میں اشاریہ سازی کی ضرورت کو پورا کرنے

کے لیے وضع کیے گئے۔ یہاں بھی اردو زبان میں اشاریہ سازی کا کام اب شروع ہوا ہے۔ پچھلے چند

برسوں میں معارف بریان آجکل فکر و نظر اور اردو ادب کے اشاریے شائع ہوئے ہیں۔

اشاریہ کے اجزاء ترکیبی: اشاریہ کی بنیادی اکائی "مدخل" ہے۔ مدخل کسی بھی کتاب یا رسالہ کے مضمون کے کلیدی لفظ یا تصور اور اس کے مقام مرکز کی نشاندہی کرنے والے صفحہ نمبر یا متبادل حوالہ سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ متبادل حوالہ کی ضرورت اس صورت میں پڑتی ہے جبکہ تن مضمون میں ایک ہی بنیادی خیال کو

مختلف مقالات پر مترادفات کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ اشاریہ ساز ایک اصطلاح کو سرید خل //

// کے لیے منتخب کر لیتا ہے اور دوسری مترادفات سے متبادل حوالہ کے ذریعہ قاری کی رہنمائی کرتا ہے۔

مدخل میں درج تفصیل کی مناسبت سے اشاریہ کی درج ذیل چار سطحیں بتائی گئی ہیں:

الفاظ و نام کا ابجدی اشاریہ // Concordance

کتاب اشاریہ // Book Index

رسائل اشاریہ // Journal Index

معلومات بازیابی نظام اشاریہ // Information Retrieval System Index

الفاظ و نام کا ابجدی اشاریہ // Concordance // : اشاریہ کی آسان ترین سطح ہے جس میں کتاب میں موجود نام کو ابجدی ترتیب سے درج کرتے ہیں۔ عام طور پر مذہبی کتابوں میں ان کی مدد سے قاری تن میں کسی شخص، چیز یا جگہ کے نام تک پہنچ جاتا ہے۔ اس میں متبادل حوالہ نہ دے کر ہر لفظ اور اس کے مترادفات

کو بطور مدخل استعمال کرتے ہیں۔ آج کل مذہبی کتابوں کے علاوہ اس طرح کے اشارے پیش نمبر اور فارمولہ اشاریہ میں بھی مقبول ہیں۔

مثال: *لجم المفہر لالفاظ القرآن الکریم*۔ مرتبہ محمد فواد عبد الباقی۔ بیروت 1994
A concordance of Quran Comp. by Hanna E.Kassis, California, 1989

کتاب اشاریہ: ایک اچھا اشاریہ کتاب میں درج معلومات سے استفادہ میں بہت معاون ہوتا ہے۔ اس کی ساخت کی پہیزگی یا سادگی کا اختصار کتاب کے مضمون اور موقع قاری کی علمی سطح پر ہوتا ہے۔ عموماً کتابوں میں دیے گئے اشارے مدخل، ذیلی مدخل اور تبادل حوالوں کی مدد سے تیار کیے جاتے ہیں۔ مترادفات کے لیے تبادل حوالے دیے جاتے ہیں۔ درسی کتابوں میں درج اشاریہ محض اشخاص اور مقام کے نام پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ عموماً یہ ایک بار تیار کیا جاتا ہے اور ایک شخص اسے تیار کرتا ہے۔

رسائل اشاریہ: کتاب اشاریہ سے رسالہ اشاریہ کئی جہتوں میں مختلف ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ رسالہ کی ایک جلد یا کئی جلدوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے، اور پانچ یا دس سال کے وقفہ سے مجموعہ اشاریہ بھی تیار کیا جاتا ہے۔ ایک مضمون یا ایک مخصوص دائرة علم // مثلاً سماجی علوم، علوم انسانی // میں شائع ہونے والے ایک سے زائد رسائل کے مضامین کا اشاریہ بھی تیار ہوتا ہے۔ ایک مخصوص موضوع پر ایک سے زیادہ افراد مختلف جغرافیائی مقام پر رہ کر اشاریہ تیار کر سکتے ہیں۔ سائنسی علوم میں اشاریہ کی روایت بہت مسٹح کم اور وسیع الدائرہ ہے۔

رسائل میں مضایں کے ساتھ مراحل اداری، اشاریہ اور اشتہارات بھی ہوتے ہیں۔ اشاریہ ساز ادارہ یا شخص کو ان کے شامل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ رسالہ کے اشاریہ دو طرح سے مرتب ہوتے ہیں۔ ایک قسم تو وہ جس میں ایک جلدیا کئی جدول میں شائع مضایں کو مصنف کے نام کی ابجید ترتیب میں درج کیا جاتا ہے اور حوالہ میں جلد نمبر، شمارہ نمبر تاریخ و صفات دیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی عنوانِ مضایں کو بھی عنوان میں پہلے لفظ کی مدد سے ابجیدی ترتیب میں مرتب کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہوتی ہے جس میں مضایں پہلے سے وضع سرمدخل کے تحت درج کیے جاتے ہیں اور موضوعات کے مترادفات کو تبادل حوالہ سے رہنمائی کر کے قاری کو منتخب سرمدخل سے واقف کراتے ہیں۔ جملہ اقسام کے اشاریوں میں حوالہ کی تفصیل عموماً یکساں ہوتی ہے جو جلد نمبر، شمارہ نمبر ॥ اگر شماروں میں صفات پوری جلد کے لیے تسلسل سے نہ ہوں ॥ سال و مہ اور صفات پر مشتمل ہوتی ہے۔

معلومات بازیابی نظام اشاریہ // Information Retrieval System Index // : کسی مضمون یا مخصوص موضوع پر بآہمی تعلق اور مناسبت رکھنے والے مواد علمی کو ایک منظمی اصول پر تشکیل سرمدخل کے ذریعہ علمی معلومات کے ذخیرہ کاری کو اس خیال کے پیش نظر کہ ضرورت پر ذخیرہ سے معلومات کا حصول جلد ممکن ہو اور مکمل طور پر ہو معلومات بازیابی نظام اشاریہ کہتے ہیں۔ مواد علمی کی بہتات، محققین کی مواد ضروری کی مخصوص نوعیت اور وقت کی کمی کے پیش نظر یہ اشاریہ اسٹریم کی مدد سے تیار ہوتے ہیں اور معلومات کی بازیابی بھی مشین کے واسطے سے کی جاتی ہے۔

اقسام اشاریہ: اپنے سرمدخل کے انتساب اور ان کی ترتیب میں پیش نظر اصول و ضوابط کی وجہ سے اشاریہ کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

مصنف اشاریہ: جس میں سرمدخل مصنف کا نام ہوتا ہے جو ابجدی اصول پر مرتب ہوتا ہے۔ رسائل کے اشاریہ میں اشاریہ میں درج جملہ مضامین مصنف کے نام کے نیچے درج ہوتے ہیں۔ کتاب کے اشاریہ میں کتاب میں مذکور مصنفین کے ناموں کو ابجدی ترتیب میں درج کر کے اشاریہ تیار کرتے ہیں۔ مصنف ایک یا ایک سے زائد اشخاص، کوئی ادارہ، سرکاری محکمہ یا شعبہ یا کوئی کانفرنس ہو سکتی ہے۔

موضوعی ابجدی اشاریہ: اس اشاریہ میں مضمون یا موضوع سے متعلق بنیادی سرمدخل، ان کے ذیلی سرمدخل، مترادفات سرمدخل سے ایک ابجدی ترتیب میں درج کیے جاتے ہیں۔ مترادفات کا بنیادی سرمدخل سے تعلق تبادل حوالہ کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے اشاریہ میں کسی ایک موضوع سے متعلق مواد منتشر ہو جاتا ہے۔

موضوعی اشاریہ: اس قسم کے اشاریہ میں ابجدی ترتیب بنیادی سرمدخل سے کی جاتی ہے۔ ذیلی ووضاحتی سرمدخل نیم تبادل حوالہ کے سرمدخل بھی درجہ وار بنیادی سرمدخل کے تحت درج ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے اشاریہ میں موضوعی ابجدی اشاریہ کی طرح ذیلی مدخل تک سیدھے نہیں پہنچا جاسکتا تاہم موضوعی اشاریہ کی سب سے نمایاں صفت کسی خاص موضوع کے جملہ پہلوؤں کے بارے میں معلومات کا یکجا کرنا ہے۔

مساوی حیثیت اشاریہ: "بولیائی" // Boolean // ماذل پر مبنی یہ اشاریہ مساوی حیثیت اصطلاحات سے تشکیل ہوتا ہے اور تلاش مواد کے لیے مضمون یا موضوع سے متعلق دو یا تین اصطلاحوں کو یکجا کر کے

تلash حوالہ کرتے ہیں۔ مثلاً "تحریک" "آزادی" "ہندستان" تینوں کو یکجا کر کے "ہندستان کی تحریک آزادی" ایک منفرد موضوع قائم ہو گیا۔ اس طرح کے اشاریہ سے استفادہ میں کامیابی کے لیے صحیح اصطلاحوں کا انتخاب شرط ہے۔

ردوبدل الفاظ عنوان اشاریہ // Permutated Title Index : کسی مضمون کے عنوان میں موجود الفاظ کو سریدخل کے طور پر استعمال کر کے اشاریہ سازی کی روایت قدیم ہے لیکن حالیہ زمانہ میں فراہمی حوالہ کے مواد کو جب مشین // مکپیوٹر // کی مدد سے انعام دینے کی شروعات ہوئی تو عنوان میں موجود کلیدی الفاظ کی ترتیب میں ردوبدل کر کے عنوانات کو درج کیا گیا اور اس طرح اشاریہ سازی کو ردوبدل الفاظ عنوان اشاریہ سازی کہا گیا۔ ردوبدل الفاظ کے دو طریقے مروج ہیں۔ ایک جس میں تبدیلی ترتیب الفاظ سیاق و سبق میں کی جاتی ہے جسے کوک // Kwoc // // Keyword in Context کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرا جس میں تبدیلی ترتیب الفاظ سیاق و سبق سے صرف نظر کر کے کی جاتی ہے جسے کواک // Kwoc // // کہتے ہیں۔ چنانچہ مصنفین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ عنوان قائم کرنے میں انھیں الفاظ کو استعمال کریں جن میں ترسیلی حوالہ صلاحیت ہو۔

پہلو وضاحتی اشاریہ // Faceted Index : پروفیسر ایس آر رنگانا تھن کے وضع کیے ہوئے زنجیری عمل اشاریہ سازی // Chain Procedure کی مدد سے تیار یہ اشاریہ اپنے مدخل کے نام درج بندی میں موجود اصطلاحات اور ان کی وضاحت پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی بھی مضمون کے موضوعی نشان // میں موجود اصطلاحات کو بتدریج درج بندی اصطلاح میں تبدیل کر کے Class Number // میں موجود انفرادی اعداد یا رمزیات کو بتدریج درج بندی اصطلاح میں تبدیل کر کے

سرد خل حاصل کرتے ہیں جو بعد میں ابجدی اصول پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ چونکہ ترجمہ کے اس عمل کو ایک کڑی کی شکل میں کرتے ہیں اس لیے اس کا نام زنجیری عمل اشاریہ سازی پڑا۔ اس درجہ بندی نظام میں مضمون کے مختلف پہلوؤں کو منسلک کر کے موضوعی نشان تشکیل ہوتا ہے اس لیے اس پر بنی اشاریہ کو پہلو وضاحتی اشاریہ کہا گیا۔

اسکے علاوہ اشاریہ سازی کا یہ طریقہ اگرچہ اپنی اصلی شکل میں بہت زیادہ مقبول نہیں ہوا لیکن اس میں مضمر فلسفہ سے مغربی اشاریہ ساز ماہرین متاثر ضرور ہوئے۔ چنانچہ اشاریہ سازی کا ایک بہت مقبول طریقہ جسے پریس / Precis کہتے ہیں رنگانا تھن کے اصول سے متاثر تسلیم کیا گیا ہے۔

حوالہ اشاریہ // Citation Index // : اس اشاریہ میں سرد خل ایک مکمل مضمون ہوتا ہے جس کے ذیل میں ایسے تمام مضایین جن میں مضمون مذکور کا حوالہ موجود ہو مصنف کے ناموں کے اعتبار سے درج ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کسی ایک مخصوص موضوع پر موجود مضایین کے حوالے ایک جگہ آجاتے ہیں۔

صفات اشاریہ

// 1 // اشاریہ کو مضمون یا کتاب میں مترادفات کی صورت میں منتشر تصور کے حوالوں کو ذیل سرد خل اور تبادل حوالہ سرد خل کے ذریعہ یکجا کرنا چاہیے۔

// 2 // اشاریہ کے لیے تن میں موجود جملہ اہم مواد کا اظہار لازم ہے۔ صرف نظر مواد کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

// 3 //

اشاریہ میں اصطلاح و تصور کو موزوں، واضح اور غیر مبہم سرہد خل کے ذریعہ درج کیا جانا

چاہیے۔

// 4 //

اشاریہ کو اشاریہ ساز کے خیالات کا مظہر نہ ہو کرتن کے نفس مضمون کا مظہر ہونا چاہیے۔

// 5 //

اشاریہ میں استعمال سرہد خل کی ساخت اور ان کے استعمال میں یکساںیت قائم رہنی چاہیے۔
اشتہارکیت : دیکھیے سو شلزم۔

اشتہارکیت تعین قیمت : اشتہارکی معیشت میں ہر قسم کی اشیا یا خدمات کی قیمتوں کا تعین مرکزی منصوبہ بندی مجلس // Central Planning Board کرتی ہے۔ یہ تعین اس مجلس کی مرضی سے ہوتا ہے۔

خریداروں اور فروشندوں کے باہمی مسابقت کے ذریعہ طلب و رسد کے زیر اثر متعین نہیں ہوتا اس میں اشتہارکیت کے مخصوص نظریہ کے تحت قومی آمدنی کی تقسیم اور معاشی ترقی کے لیے اجتماع اصل // کے مقاصد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ Accumulations

اشیا اجرت کی قیمتوں کے مقرر کرنے کا ایک عام اصول یہ ہے کہ اشیا کی مقررہ قیمتوں پر فروخت سے جو جملہ آمدنی حاصل ہوا سے نہ صرف ان کے مصارف پیداوار نکل سکیں بلکہ اتنا حاصل زاید // Surplus مل سکے جو حکومت کے ان تمام اخراجات کی پابھائی کر سکے جو اسے ترقیاتی سرمایہ کاری "نظم و نسق" ملکی دفاع تعلیمی و طبی خدمات کی فراہمی اور دیگر فلاحتی خدمات مفت طور پر انجام دینے میں لاحق ہوتے ہیں۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اشیا صرف کی مقررہ قیمتوں پر فروخت سے جملہ آمدنی جو حکومت کو حاصل ہو وہ ان تمام افراد کی مجموعی آمدنی کے مساوی ہو جو انھیں مختلف قسم کے پیداوار کے کام انجام دینے کے معاوضے

میں بطور اجرت و تنواہ اور وظایف و انعام وغیرہ کی صورت میں حاصل ہونیز امداد باہمی زراعت یا خانگی پیشے کے ذریعہ حکومت کو لگان اور ٹیکس دینے کے بعد جو کچھ آمدی ہوتی ہے یا خانگی پس اندازی کو حکومت کے تمسکات خریدنے سے جو سود حاصل ہوتا ہے اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اشتراکیت میں چونکہ زمین اور اصل خانگی ملکیت نہیں ہوتے اس لیے افراد کا بنیادی ذریعہ آمدی اجرت و تنواہ ہوا کرتی ہے جس میں مہارت اور کارکردگی کی بنا پر بہت کچھ فرق پایا جاتا ہے۔

اشیا صرف کی قیمتیں کے مقرر کرنے سے پہلے مرکزی مجلس یہ طے کرتی ہے کہ کس قسم کی اور کتنی مقدار میں اشیا صرف پیدا کی جائیں جس کا انحصار مادی اور غیر مادی وسائل کی اس مقدار پر ہوتا ہے جو دفاعی ضروریات اور اجتماعی اصل کے لیے مختص کرنے کے بعد رچ رہتی ہے۔ اس بچی ہوئی مادی اور غیر مادی وسائل کی مقدار سے مختلف قسم اور مقدار میں اشیا صرف کی پیداوار کے تعین میں صارفین کی ضروریات اور عادات کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور پھر ان اشیا کی قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں جن پر صارفین اپنی آمدی کی بنا پر مختلف اشیا مختلف مقداروں میں خرید سکتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اشیا صرف کی قیمتیں ان کے مصارف پیداوار سے زیادہ ہوئی ہیں تاکہ حاصل زائد مل سکے۔ چنانچہ یہ حاصل زائد بڑی حد تک ایک خاص قسم کے محصول فروخت پر مشتمل ہوتا ہے جسے الٹ پھیر ٹیکس // Turn Over Tax کہتے ہیں۔ یہ ٹیکس تمام اشیا صرف پر عاید کیا جاتا ہے اور اشیا پیداوار عموماً اس سے مستثنی ہوتی ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ حکومت سرمایہ کاری اور اپنے دیگر اخراجات کی تکمیل اس محصول کے ذریعہ کرتی ہے۔ اشیا صرف کی اس طرح مقررہ قیمتیں میں تبدیلی بھی کی جاسکتی ہے۔

اشیا صرف کی اس طرح مقررہ قیمتوں میں تبدیلی بھی کی جاسکتی ہے۔ اگر کسی شے کی مقررہ قیمت پر اس کی فراہم کردہ مقدار فروخت نہ ہو رہی ہے تو قیمت کو کم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی شے کی قیمت بہت زیادہ ہونے سے قلت ہو جائے تو اس کی قیمت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ کسی مقررہ قیمت پر اس کی مقدار رسید فروخت نہ ہو رہی ہو تو اس کی قیمت میں کمی یا بیشی کے ذریعہ رسید کو طلب کے مساوی کرنے کی بجائے اس کی پیداوار کم کر دی جائے اور اس کی وجہ سے بچے ہوئے وسائل سے وہ شے پیدا کی جائے جس کی مانگ زیادہ ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور ایسی اشیا صرف بتائی جائیں جواب تک صارفین کو میسر نہ ہوئی تھیں۔

اشتراکیت میں اشیا صرف کی پیداوار اور ان کی قیمتوں کے اس طرح تعین کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ صارفین کو ایک حد تک آزادی انتخاب // Freedom of Choice // حاصل ہوتی ہے اگرچہ انھیں صارفین کی خود مختاری // Sovereignty of Consumers // حاصل نہیں ہوتی جو سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ جس میں پیداوار میں اجرتوں کی مختلف شریعیں مقرر کر دی جاتی ہیں اور افراد اپنی خواہش کے مطابق پیشہ اختیار کرنے کے لیے بھی بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں۔

حسابی // اور ظلی // Shadow Accounting // قیمتیں : اشتراکیت میں اشیا کی قیمتوں کا تعین اور اس میں تبدیلی مرکزی مجلس کرتی ہے اور ان کی نوعیت حسابی قیمتوں کی ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ کم ترقی یافتہ معیشت میں بھی منصوبہ بندی کے لیے حسابی ظلی قیمتوں کا تصور اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ بازار کی قیمتیں سماجی نقطہ نظر سے اشیا کی حقیقی قدر کو ظاہر نہیں کرتیں۔ ظلی قیمت کا تصور وسائل کی قلت کی بنابر

اس کے متبادل استعمال پر مبنی ہوتا ہے۔ جو سماجی نقطہ نظر سے زیادہ افادہ بخش قرار دیا جاتا ہے۔ ظلی قیمت بازار قیمت سے زیادہ یا کم ہو سکتی ہے۔ بے روزگاری کی صورت میں محنت کی ظلی قیمت یا اجرت اس کی بازار اجرت سے کم ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے اشیاء اصل کی قلت کی بنا پر ظلی شرح سود بازار شرح سود سے زیادہ ہوتی ہے۔ اشیاء صرف میں تعبیثات کی بازاری قیمتیں ان کی ظلی قیمتوں سے کم ہوتی ہیں اگر ان محدود وسائل کو جو ان اشیاء کی پیداوار میں استعمال ہوتے ہیں دوسری ایسی اشیاء بنانے میں لگایا جاسکے جن کی قدر سماجی اور خوشحالی کے نقطہ نظر سے زیادہ ہو۔ ظلی قیمتوں کا صحیح تخمینہ اگرچہ مشکل ہے لیکن کم و بیش اندازہ کیا جاسکتا ہے اور عوامی شعبہ پیداوار میں منصوبے کے تحت محدود وسائل کی تقسیم کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ اگر عاملین کی قیمت کا اندازہ ان کی انفرادی پیداواری کے بجائے سماجی پیداواری مختتم // Social Productivity میں کیا جائے۔

اشخاص جو معاملات کی تعمیل مختص کی دادرس حاصل کر سکتے ہیں // Persons who may obtain // کسی معاملہ کا ہر فرق تعمیل مختص کے لیے عدالتی چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ اگر معاملہ افراد خاندان کے درمیان حقوق معتبر ہے // Doubtful Rights // کے تعلق سے ہو تو اس خاندان کا کوئی فرد جسے اس معاملے سے فائدہ پہنچ سکتا ہو // Beneficiary // تعمیل مختص کے لیے عدالت میں چارہ جوئی کر سکتا ہے۔

ایسا شخص جس پر جائیداد کی ملکیت عوڈ کرے اگر سابق مالک نے شخص ثالث سے اس جائیداد کے متعلق کوئی معابدہ کیا ہو تو موجودہ مالک اس معابدے کے نفاذ کے لیے اس شخص ثالث کے خلاف تعییں مختص کی دادرس عدالت سے طلب کر سکتا ہے۔

اگر کسی کمپنی نے کسی سے معابدہ کیا ہو اور وہ کمپنی کسی اور کمپنی میں ضم ہو جائے تو نئی کمپنی اس معابدے کی تعییں مختص کے لیے قانون دادرس خاص // Specific Relief Act // کے تحت عدالت سے چارہ جوئی کر سکتی ہے۔

اشخاص فاتر العقل // Provisions as to Accused, Persons of Unsound mind // : جب کسی مقدمہ یا کارروائی میں حاکم فوج داری کو یہ معلوم ہو یا یہ باور کرنے کی وجہ ہو کہ ملزم فاتر العقل ہے اور اس وجہ سے اپنی جواب دہی کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس کے فاتر العقل ہونے کی نسبت تحقیقات کرے گا اور طبی معافانہ کے بعد سرکاری ڈاکٹر کی رائے حاصل کرے گا اور ڈاکٹر کا بیان قلمبند کرے گا اور اگر حاکم فوج داری کی رائے میں ملزم فاتر العقل قرار پائے اور اس وجہ سے جواب دہی کرنے کے قابل نہ ہو تو وہ اس مقدمے میں مزید کارروائی ملتوی رکھے گا۔

اصول: یہ اصل کی جمع ہے جس کے معنی جڑ اور بنیاد کے ہیں۔ مانند حقیقت مادہ قاعدہ ضابطہ اور قانون وغیرہ کو بھی اصل و اصول کہتے ہیں۔ جس طرح ہر چیز کے کچھ نہ کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں اسی طرح دین کے بھی اصول و ضوابط ہیں جن کو اصول دین کہا جاتا ہے۔ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک ان سے اسلام کے پانچ بنیادی اركان مراد ہیں:

// 1 // شہادتیں یعنی اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔

// 2 // نماز // 3 // روزہ // 4 // زکوٰۃ // 5 // حج

اور اہل تشیع کے نزدیک اس سے مراد یہ چیزیں ہیں:

// 1 // توحید، // 2 // عدل، // 3 // نبوت، // 4 // امامت، // 5 // آخرت

دینی و دنیاوی علوم کے ضوابط قوانین اور قاعدوں کو بھی اصول کہا جاتا ہے۔ جیسے اصول تفسیر اصول حدیث اور اصول فقہ وغیرہ نیز اصول اقلیدس، اصول سیاست و معاشیات وغیرہ۔

عموماً اصول اور علم الاصول سے اصول فقہ مراد ہوتے ہیں یہ وہ علم و فن ہے جن میں شریعت کے فرعی احکام و مسائل سے استنباط کے دلائل مانذ اور ضابط بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد فروعی احکام کے استنباط کے ملک کی تحصیل ہے۔ اصول فقہ کے چار دلائل و مانذ اولین اور بنیادی ہیں۔

// 1 // کتاب، // 2 // سنت، // 3 // اجماع اور // 4 // قیاس۔

اصول تلافی مافات // Compensation Principles // : اصول تلافی جو عام طور پر جدید فلاحتی معاشیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی تشکیل انگریز معاشین پروفیسر ہکس // Hicks اور پروفیسر کالڈر // Kaldor // نے کی تھی۔ اور اس لیے اس کو کالڈر ہکس معیار // Kaldor-Hicks Criterion // بھی کہا جاتا ہے۔ اس معیار کی بنیاد پریٹو کے نظریے پر ہے۔ ان دونوں معاشین نے پیداوار اور مبادلہ کے مسئلہ کو جو کہ کارکردگی کے معروضی معیار // Objective Criterion of Efficiency // پر ہے۔ تقسیم آمدنی کے مسئلہ سے جو انصاف کے موضوعی معیار // Subjective Efficiency // پر ہے۔

// پرمی ہے علیحدہ رکھتے ہوئے اپنا استدلال پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ Criterion of Equity پیداوار میں اضافہ کے ساتھ آمدنی کی ایسی تقسیم کی جاسکتی ہے جس سے کسی شخص کی خوشحالی میں کمی کیے بغیر دوسرے لوگوں کی خوشحالی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اضافہ خوشحالی کا جو معیار پریٹو نے پیش کیا تھا اس کا انطباق اس صورت میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ کسی تبدیلی سے کچھ لوگوں کو معاشی فائدہ اور کچھ لوگوں کو نقصان ہو رہا ہے بشرطیکہ فائدہ حاصل کرنے والے نقصان اٹھانے والوں کے نقصان کی تلافی کر دیں۔

اضافی حصص۔ تقسیم دولت: معاشیات کلی پرمی نظریات تقسیم نے ایک بار پھر ماہرین معاشیات کا مرکز توجہ اسی مسئلہ کو بنادیا ہے جسے ریکارڈو نے اقتصار سیاسی // Political Economy // کا اصل مسئلہ قرار دیا تھا۔ مجموعی قومی آمدنی میں اجرت اور اجرت کے علاوہ دیگر آمدنیوں کی اضافی نسبتیں کیوں کر طے پاتی ہیں؟ اس پر زمانہ حال میں کافی تحقیقات کی گئی ہیں۔ اعداد و شمار کی روشنی میں بعض معاشین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ معاشی ترقی اور قومی آمدنی کے نمو // Growth // کے باوجود مجموعی قومی آمدنی میں اجرت کا اضافہ حصہ ایک سطح پر قائم رہتا ہے۔

اضطرار: ضرور ضرورت سے مشتق اور افعال کے وزن پر مصدر ہے۔ اس میں ت ط سے بدل گئی ہے۔ کیونکہ عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ض کے ساتھ آتی ہے تو اس کو ط سے بدل دیتے ہیں۔ اضطرار کے لفظی معنی مجبور ہونا اور مجبور کرنا ہیں۔ اس سے مضطربنا ہے جس کے معنی مجبور کے ہیں۔ مگر اصطلاح فقہ میں اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جو کسی حرام قول و فعل کے ارتکاب کے لیے اس حد تک مجبور

ہو جائے کہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کی صورت میں اس کی جان چلی جانے کا اندریشہ ہو۔ جیسے کسی کو سخت بھوک یا پیاس لگے اور اس کے پاس کھانے پینے کی کوئی حلال اور مباح چیز نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو مردار وغیرہ کھا کر اور شراب پی کر اپنی جان بچانے کی شرعاً رخصت اور اجازت ہے۔ اس طرح جب کوئی شخص کلمہ کفر ادا کرنے کے لیے اتنا مجبور ہو جائے کہ اس کے بغیر جان ہی محفوظ نہ رہے تو کفر کا لفظ زبان سے ادا کر کے وہ اپنی جان بچا سکتا ہے۔

لیکن پہلی صورت میں یہ شرط ہے کہ آدمی کو مردار کھانے اور شراب پینے کی معمولی رغبت اور ذرا سی چاہت بھی نہ ہو بلکہ وہ مردار کو نہایت ناگواری سے کھائے اور شراب کوشید۔ نفرت کے ساتھ پیے اور غص سلامتی کے بقدر ہی کھائے پیے اور کھانے پینے میں حد سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے۔ اسی طرح دوسرا صورت میں کلمہ کفر زبان سے ادا تو کر دے مگر دل سے نفرت اور ایمان کی جانب رغبت میں کوئی کمی اور فرق نہ آئے بعض فقہاء کے نزدیک اس طرح کی صورتوں میں رخصت سے فaudہ اٹھانا ضروری ہے اگر فaudہ نہ اٹھائے اور جان چلی جائے تو یہ خود کشی ہوگی۔ مگر دوسرے لوگ صبر و عزیمت سے کام لینے کو افضل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جان دے دینا اور رخصت سے فaudہ نہ اٹھانا ہی بہتر اور اولی ہے۔

افرادی طاقت، منصوبہ بندی // Man Power Planning : کسی بھی معیشت میں مختلف قسم کی سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ ان سرگرمیوں کے لیے مختلف درجے کی مہارت رکھنے والے لوگ مختلف تعداد میں درکار ہوتے ہیں۔ افرادی منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ معیشت کے لیے درکار مختلف مہارتوں کا معیار مقرر کیا جائے اور مزدوروں کی اس تعداد کا تخمینہ کیا جائے جو معیشت کے جداگانہ شعبوں میں درکار ہوگی۔

پھر ان مہارتوں کی فراہمی کے لیے تعلیم اور تربیت کی مناسب سہولتیں فراہم کی جائیں۔ افرادی منصوبہ بندی میں ان نکتہن وسائل کا اندازہ لگایا جاتا ہے جو افراد کی تربیت کے لیے وقف کیے جانے چاہیے تاکہ معاشی منصوبہ بندی کے مقرر کردہ نشانوں کا حصول ممکن ہو سکے۔

معاشی منصوبہ بندی کے مقابلے میں افرادی منصوبہ بندی کا تصور نیا ہے۔ مختلف ممالک میں تعلیم کی ترقی سماجی ترقی کی ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر ظہور میں آئی اور اس کا براہ راست تعلق معاشی مقاصد کے حصول سے قائم نہیں کیا گیا ہے۔ معاشی، تعلیمی اور افرادی طاقت کی منصوبہ بندی کے درمیان خط فاصل کھینچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

افرادی منصوبہ بندی کے تعلق سے مختلف مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ ایک نزاعی مسئلہ یہ ہے کہ آیا معاشی اور تعلیمی منصوبہ بندی کے بغیر افرادی طاقت کی منصوبہ بندی ممکن ہے۔ اگر افرادی طاقت کی منصوبہ بندی مفصل اور جامع ہو تو اس سے اختراعی صلاحیتوں کے اظہار کے موقع گھٹ جاتے ہیں اور معاشی نظام کی پچک پذیری کم ہو جاتی ہے اس کے علاوہ اس قسم کی منصوبہ بندی جمہوری اقدار کے بھی مغائر ہو سکتی ہے۔ افرادی طاقت کی منصوبہ بندی تین طرح کی ہو سکتی ہے :

1 // قلیل مدتی، 2 // اوسط مدتی اور 3 // طویل مدتی۔

طویل مدتی منصوبہ بندی میں معیشت کی ضروریات کی پیش قیاسی کی دشواریاں بڑھ جاتی ہیں لیکن قلیل مدتی منصوبہ بندی زیادہ موثر ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے اوسط مدتی منصوبہ بندی ہی قابل ترجیح سمجھی جاتی ہے۔ منصوبہ بندی کا طریقہ کاریہ ہوتا ہے کہ پہلے موجودہ صورت حال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں

آئندہ کے لیے افرادی طاقت کی ضروریات کا تجینہ کیا جاتا ہے اور آخر میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ معیشت کے مختلف شعبوں میں ضرورت کے مطابق موزوں مہارت رکھنے والے مزدور دستیاب ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ معیشت کو مختلف پیشوں اور شعبوں میں تقسیم کیا جائے۔ مثلاً صنعت، زراعت وغیرہ ہر شعبے کی افرادی طاقت کی ضروریات کا تعین کرنے کے بعد ان کی تکمیل کے لیے مطلوبہ تعداد میں مزدوروں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے مثلاً لگسی صنعت میں کتنے انجینئر درکار ہوں گے۔ ان کی مہارت کا معیار کیا ہونا چاہیے۔ کتنے فور میں مطلوبہ ہوں گے۔ کتنے پا مہارت مزدوروں کی ضرورت ہوگی۔ زراعت میں کس قسم کی مہارت کی ضرورت ہوگی۔ زراعت کے کتنے گر بخوبی درکار ہوں گے۔ فصلوں کی بیماریوں کے کتنے ماہرین کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپاشی کے نظام میں توسعی کے لیے کس تعداد میں انجینئر چائیں یا بجلی کی فراہمی کے لیے کس قسم کے با مہارت مزدوروں کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح مختلف مہارتوں کے حصول کے لیے تعلیم اور تربیت کا مکمل نظام قائم کرنا ہوتا ہے جس کے لیے ابتدائی ٹالوی اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم کرنے ہوں گے۔ یہ بھی طے کرنا ہو گا کہ عام تعلیم و تربیت پانے والے کتنی مدت صرف کریں اور کن معیارات کی مہارت کے حامل ہوں۔ ایک قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ ترقی یافہ مالک اور ترقی پذیر مالک کی افرادی منصوبہ بندی ایک جیسی ہوگی یا اس میں فرق ہونا چاہیے۔ ترقی یافہ ملکوں میں بھی بعض اقسام کی اعلیٰ مہارتوں کی کمی پائی جاتی ہے۔ درکار تعداد میں ڈاکٹر اور انجینئر دستیاب نہیں ہوتے۔ اس لیے آئندہ کی ضروریات کا تجینہ موزوں مہارت رکھنے والوں کی فراہمی پر مخصر ہے۔ اس کے لیے مناسب تعلیمی اور تربیتی سہولتیں فراہم کرنی ہوں گی۔ ترقی پذیر مالک میں شدید بے

روزگاری ہوتی ہے ایک طرف بہت سے مزدور جزوی یا کلی طور پر بے روزگار ہوتے ہیں تو دوسری طرف با مہارت مزدوروں کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

ترقی پذیر مالک میں معیشت کے دو شعبے ہوتے ہیں ایک جدید صنعتوں کا شعبہ دوسرا رواستی شعبہ ان دونوں کی ضروریات میں فرق ہوتا ہے اور اسی بحاظ سے ان دونوں شعبوں کے لیے درکار مزدوروں کی مہارت کے معیار اور نوعیت میں بھی فرق ہوگا۔ مثلاً اگر ترقی پذیر مالک میں زراعت ہی معیشت کا سب سے اہم شعبہ ہے جس کی ترقی کے ساتھ معاشی ترقی وابستہ ہوتی ہے اس لیے اس شعبے کے لیے درکار محنت کی مناسب تربیت ہو۔

مثلاً اگر ادارے چلانے کے لیے مناسب لوگ فراہم ہوں۔ نئے طریقہ کاشت کی ترویج کے لیے ایسے تربیت یافتہ لوگ ہوں جو نئی کھاد کے استعمال کے طریقے سکھا سکیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی فنی تعلیمی اداروں کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے علیحدہ ادارے قائم کرنے ہوں گے۔ ترقی پذیر ملکوں میں روزگار کے موقع صرف مالیاتی سرمایہ کاری سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ تربیت یافتہ مزدوروں کی موجودگی بھی روزگار کے لیے نئے موقع پیدا کرتی ہے۔ مثلاً یہ ہو سکتا ہے کہ تربیت یافتہ افراد موجود ہوں تو دیہات کے بے روزگار مزدوروں کی بڑی تعداد کو سیلابوں کے روک تھام کے کام پر لگایا جائے۔ تربیت یافتہ افراد موجود نہ ہوں تو یہ کام ممکن نہ ہوگا۔ مختلف ملکوں میں افرادی منصوبہ بندی کے عمل آوری کا کام مختلف انسٹیوٹوں کے تفویض ہوتا ہے۔ بعض ملکوں میں یہ کام وزارت تعلیم کے سپرد کیا جاتا

ہے۔ میکسیکو میں آزاد یا نیم آزاد ادارے افرادی طاقت کی ضروریات کے تجینے مرتب کرتے ہیں۔

ہندوستان میں وزارت داخلہ کے تحت افرادی طاقت کی نظمت قائم کی گئی ہے۔

افرادی طاقت کی منصوبہ بندی معاشی منصوبہ بندی سے قریبی تعلق رکھتی ہے اس لیے ان دونوں میں ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنا ضروری ہے۔

افراط زر // Inflation // : قیمتوں میں بذریعہ اضافہ کا عمل جس سے زر کی قوت خرید برابرگرتی جاتی ہے افراط زر کھلاتا ہے۔ افراط زر ایک ایسا مرض ہے جو دوسری عالم گیر جنگ کے بعد سے دنیا کے تقریباً تمام ملکوں کو لاحق ہے اور اس پر معاشیں نے کافی توجہ دی ہے۔ اس کے متعلق جو نظریے پیش کیے گئے ہیں ان کے مطابق اس کی دو قسمیں ہیں:

// 1 // لگت کا افراط زر // Cost Push Theories //

// 2 // طلب کا افراط زر // Demand Pull Theories //

ثانی الذکر میں قیمتوں کی سطح میں تبدیلی رسماً زر کے زیر اثر عمل میں آتی ہے۔ اس کے حسب ذیل تین حل تجویز کیے جاتے ہیں۔

// الف // اجتماعی طلب پر روک لگانے کے لیے مالیاتی پالیسی اور زری پالیسی کا استعمال // ب //
بے روزگاری میں کمی کر کے افراط زر کے دباو گوکم کرنا // ج // اشیا کے عوامل پیداوار اور اشیا کے بازار میں براہ راست مداخلت کر کے قیمتوں اور اجرتوں پر روک لگانا بعض ملکوں میں یہ بھی تجویز ہے کہ اجرتوں میں اضافہ کرنے والی فرموں پر اجرتوں کے اضافہ کی نسبت سے ٹیکس لگایا جائے تاکہ آجر اجرتوں میں اضافہ

کے مطالبوں کی مزاحمت کریں۔ لیکن اندیشہ ہے کہ اس سے قیمتوں کے نظام پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ محض انسٹرامی اقدامات سے افراط زر پر پوری طرح قابو نہیں پایا جاسکتا اس کے لیے ملک کی طلب کو قابو میں کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ محض انسٹرامی اقدامات سے اجرتوں اور قیمتوں میں مضمر اضافہ روکنا بہت مشکل ہے۔

اس کارروائی میں اصلی دقت یہ پیش آتی ہے کہ افراط زر کی لگت اور اس کو روکنے کی لگت میں کس طرح توازن پیدا کیا جائے خاص طور پر جب بے روزگاری اونچی سطح پر ہو اور حقیقی خدمات اور اشیا کی پیداوار کم ہو۔ اگر افراط زر معمولی یعنی 2 یا 3 فیصدی سے زیادہ نہ ہو تو اس میں حرج نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے ترقی پذیر معیشت کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

افراط زر کے معیشت پر کئی قسم کے اثرات ہوتے ہیں۔ مثلاً // 1 // آہستہ رفتار افراط زر میں زبردست تیزی پیدا ہو سکتی ہے جس کے نتیج نہایت تباہ کن ہوتے ہیں۔ // 2 // سرمایہ داری سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ جن لوگوں کی آمدنی میں افراط زر کے مقابلہ میں کم شرح سے اضافہ ہو وہ اور پریشان حال ہو جاتے ہیں اور سماج میں ان ہی لوگوں کی اکثریت ہے۔ ایک محدود مالدار طبقہ ایسا بھی ہے جس کی آمدنی میں اضافہ افراط زر میں اضافہ سے زیادہ ہوتا ہے زیادہ تباہ حالی کے وہ لوگ شکار ہوتے ہیں جن کی آمدنی کا اضافہ کم ہوتا ہے مثلاً پشنپنچن پانے والے یا مقررہ اجرت یا تنخواہ پانے والے // 3 // افراط زر سے بچت کا رجحان بھی کم ہونے لگتا ہے اس لیے جو لوگ بچت کرتے ہیں ان کی بچت کی قدر و قیمت کے ساتھ گھٹنے لگتی ہے۔ البتہ بینک وغیرہ اس لحاظ سے اپنی شرح سود میں اضافہ کر دیتے

ہیں۔ // 4 // اس کا سب سے برا اثر بین قومی تجارت پر پڑتا ہے اس لیے کہ افراط زر سے اشیا کی لاگت بڑھ جاتی ہے اور دوسرے ملکوں سے مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے اور اس طرح درآمد بڑھتی جاتی ہے اور برآمد گرتی جاتی ہے۔ قومی آمدنی گر جاتی ہے اور توازن ادائیگی کا مسئلہ بھی مشکل بنتا جاتا ہے۔ البتہ اگر افراط زر صرف چند ملکوں میں ہو تو یہ صورت پیدا ہوتی ہے لیکن اگر اکثر ملکوں میں یکساں طور پر افراط زر ہو تو پھر بین قومی معاشی تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن عملًا یسا ہوتا نہیں۔ اس لیے اکثر مالک کو افراط زر کی تیز رفتاری پر قابو پانے کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

افریقی ایشیائی بلاک // Afro-Asian Bloc // : دوسری جنگ عظیم کے بعد ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک سامراج سے آزاد ہو چکے تھے لیکن انہی وہ معاشی اور سیاسی طور پر اتنے طاقت ور نہیں تھے کہ عالمی سیاست پر اثر انداز ہو سکتے۔ ان کے اپنے کئی مشترکہ معاشی اور سیاسی مسائل بھی تھے ان سب نے انھیں مجبور کیا کہ وہ متحده طور پر اقدام کریں، مشترکہ مسائل پر آپس میں مشورہ کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ 1945 اور 1962 کے درمیان ایشیا اور افریقہ کے چالیس ملکوں کو آزادی مل چکی تھی پھر ان کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا رہا اور اب یہ سبھی آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔

اس آپسی تعاون کی ابتداء 1950 میں ہوئی جب ان ملکوں نے مجلس اقوام متحده میں آپس میں مشورہ اور مشترکہ اقدام کرنا شروع کیا۔ 1955 میں بانڈوگنگ // انڈونیشیا // میں ان کی پہلی کانفرنس ہوئی جس میں چین کے چواین لائی، ہندستان کے جواہر لال نہرو، مصر کے جمال عبدالناصر اور انڈونیشیا کے سوکارنو نے اہم حصہ لیا تھا۔ یہیں غیر جانبداری اور دوسرے ملکوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے بارے میں پنج شیل،

یا پانچ اصول مرتب ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں ایشیا اور افریقہ کے نوازد 29 ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ مجلس اقوام متحده کے اندر اور باہر اس اتحاد کی کوششوں کا مکوم ملکوں کی جدوجہد آزادی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ 1960ء میں ان کی کوشش سے مجلس اقوام متحده نے یہ تجویز منظور کی کہ بقیہ کالونیوں اور مکوم ملکوں کو فوراً آزادی حاصل ہو۔ 1961 تک ان ملکوں کی تعداد مجلس اقوام متحده میں آدھے سے زیادہ ہو چکی تھی چنانچہ جنرل اسمبلی نے اس سال ایک خاص کمیٹی مقرر کی جس کا کام مکومی سے متعلق 1960 کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ اس کی کوششوں سے بہت سارے ملکوں نے آزادی حاصل کر لی۔ ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں سب ہی سیاسی طور پر ہم خیال نہیں ہیں۔ ان میں کمیونسٹ بھی ہیں، سو شلسٹ بھی اور سرمایہ داری کے حامی بھی اسی لیے بعض مسائل پر اختلافات بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن معاشی ترقی، معاشی غلامی سے نجات اور آزادی کی حفاظت ان کے مشترکہ مقاصد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اکثر متحد رہتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت یہ ایک بہت بڑی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ کس طرح ترقی یافہ صنعتی مالک اور نوازد غریب ترقی پذیر مالک کی درمیانی خلیج کو پر کیا جائے اور کس طرح ترقی یافہ مالک کو مجبور کیا جائے کہ وہ انھیں معاشی لیاد اور رعایتیں دیں اور معاشی تعلقات میں توازن پیدا کریں۔

افریقی ترقیاتی بینک // African Development Bank, ADB // : افریقی ترقیاتی بینک کا قیام اقوام متحده کے کمیشن برائے افریقہ کے ذریعے ستمبر 1964ء میں عمل میں آیا اور اس نے جولائی 1966 سے کام کرنا شروع کیا۔ اس میں 53 علاقائی اور 25 غیر علاقائی رکن ممبر شامل ہیں۔ اس کا صدر مقام عاید جان // آئوری کوست // ہے۔

افریقی نیشنل کانگریس // African National Congress // : افریقی نیشنل کانگریس جنوبی افریقہ کے سیاہ فاموں کی سب سے پرانی سیاسی جماعت ہے۔ اس کا آغاز 1882 میں کیپ ٹاؤن میں نیڈیو اپوکیشن ایسوسی ایشن کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اس وقت اس کا مقصد نسل پرستی پر بنی "پاس ضوابط" // Pass Laws کے خلاف جدوجہد کرنا اور افریقيوں کے سماجی، معاشی اور تعلیمی حقوق کا تحفظ کرنا تھا۔ بعد ازاں اس کا نام نیڈیو نیشنل کانگریس تجویز ہوا پھر 1912 میں اسے بدل کر افریقی نیشنل کانگریس کر دیا گیا۔ اس وقت اس جماعت کا خاص مقصد جنوبی افریقہ میں نسلی انتیاز کی پالیسی کے خاتمے اور تمام شہریوں کے لیے یکساں سماجی، معاشی، قانونی اور سیاسی حقوق و مراعات کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔ 1913 میں نیڈیولینڈ ایکٹ جب پارلیمنٹ میں زیر بحث تھا تو افریقی نیشنل کانگریس نے اس کی سخت مخالفت کی۔ اس کا کہنا تھا کہ افریقہ کے تمام رنگ و نسل کے لوگوں کو مساوی طور پر پارلیمنٹ میں نمائندگی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے برسوں جدوجہد کی، ہڑتاں لیں کیں، مظاہرے کیے، عدالتیں کے دروازوں پر دستکیں دیں، پولس کے مظالم سہے اور گرفتار ہو کر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دوسرا جنگ عظیم کے بعد "پاس" ضوابط کے خلاف زبردست مزاحمت کی۔ 1947 میں جب نیشنل پارٹی کی فتح ہوئی اور اس نے نسل پرستی پر بنی سفید فاموں کی برتری کی پالیسی اختیار کی تو افریقی نیشنل پارٹی کے ممبروں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی اور 1952 میں ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ 1960 میں پان افریقی کانگریس اور افریقی نیشنل کانگریس نے مل کر متحده طور پر جب شارپ ولی // Sharpvelle // ٹاؤن میں سیاہ فاموں نے پاس ضوابط // Pass Laws // کے خلاف پر امن عوامی

مظاہرہ کیا تو سرکاری پوس نے خود کار ہتھیاروں سے گولیاں برسا کر 80 مظاہریں کو ہلاک اور سیکڑوں کو زخمی کر دیا۔ اس خونیں واقعہ کے بعد فوراً گورے جنوبی افریقہ میں ہنگامی حالات کا اعلان کر کے سیاہ فاموں پر سخت پابندیاں عائد کر دی گئیں، عوامی سطح پر گرفتاریاں عمل میں آئیں اور افریقی کانگریس اور افریقی نیشنل کانگریس دونوں کو خلاف قانون قرار دے کر ان پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس کے بعد افریقی نیشنل کانگریس کے کارکن روپوش ہو گئے۔ بہتوں نے دوسرے ملکوں میں پناہ لے کر دوسری تنظیموں کے ساتھ مل کر نسل پرستی کے خلاف گوریلا مزاحمت شروع کر دی۔ 1976 میں سویتو سانحہ پیش آیا جس میں پوس اور فوج نے مل کر چھ سو // 600 // سیاہ فاموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 1980 میں افریقی نیشنل کانگریس کے گوریلاوں کے ایک کار بم نے ایرفورس کے مرکز پر حملہ کر کے سیکڑوں کو قتل اور زخمی کر دیا۔

1989 میں نسلی انتیاز کے تئیں حکومت کی پالیسی میں نرم ہونا شروع ہوئی اور حکومت کا یہ عنیدہ رہا کہ وہ جنوبی افریقہ کے سیاہ فاموں کو بھی سیاسی حقوق دینے پر غور کر رہی ہے۔ فروری 1990 میں افریقی نیشنل کانگریس پر تیس سالہ عائد پابندی اٹھا لی گئی اور اس کے قاعد نلسن منڈیلا برسوں کے بعد جیل سے رہا کر دیے گئے۔ 17 مارچ 1992 کو تمام رنگ و نسل کے لوگوں کو مساوی حقوق دینے کی غرض سے محض سفید فاموں کے مابین استصواب رائے کرایا گیا جس میں 85.6% فیصد لوگوں نے اس کے حق میں رائے دی۔ 22 دسمبر 1993 کو پارلیمنٹ نے ایک عبوری دستور کی منظوری دی جس کا مقصد کثیر نسلی پارلیمنٹ کے لیے راہ، ہموار کرنا تھا۔ 27 اپریل 1994 کو عبوری دستور کو پانچ سال کے لیے ناقذ کر دیا گیا اور اس کی رو

سے عام انتخاب کے بعد افریقی نیشنل کانگریس کے قائد نلسن منڈیلا نے بڑی اکٹیت سے کامیاب ہو کر 1994ء کو جنوبی افریقہ کے صدر کی حیثیت سے حلف لیا۔ مختصر ایہ کہ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے خاتمہ میں افریقی نیشنل کانگریس کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔

افلاطون // : افلاطون غالباً دنیا کا سب سے بڑا فلسفی گزرا ہے۔ یہ یونان میں 427 ق.م. میں پیدا ہوا اور 347 ق.م. میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ افلاطون ماں اور باپ دونوں طرف سے دولت مند تھا اور اس کا پرتواس کے فلسفہ اور اس کی تحریرات میں نظر آتا ہے۔ وہ سocrates کا شاگرد تھا۔ دراصل اسی کے تحریر کردہ "مکالہ سocrates" کی وجہ سے دنیا سocrates سے واقف ہو سکی۔ لیکن بہت جلد افلاطون سocrates سے بہت آگے نکل گیا۔ اور اس کی فکر نے فلسفہ، منطق اور سماجی علوم میں نئی راہیں کھول دیں۔ اسے بجا طور پر نظریہ سیاست اور سماجیات کا باñی کہا جاتا ہے۔ جمهوریہ // The Republic // اس کی معركة الارا تصنیف ہے جس میں سیاست اور سماج پر عالمانہ بحثیں شامل ہیں۔ نظریاتی اعتبار سے افلاطون جمهوری خیالات کے خلاف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دانشور قیادت اور حکومت کریں گے اور جاہل عوام ان کی اطاعت کریں گے۔ لیکن سماجی نظریہ میں وہ اجتماعیت کا قائل تھا۔ چنانچہ اس کا کہنا تھا کہ تم کو کل کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ نہ کہ کل کو تمہارے لیے۔ افلاطون سماجی استحکام کا قائل تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سماج میں جو بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان کا منع اور سرچشمہ حکمران طبقہ ہوتا ہے۔ اور اگر حکمران طبقہ میں بدلتے ہوئے خیالات سے ہم آہنگی کی صلاحیت نہ پائی جائے تو وہ مائل بے اخطا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پورا سماج انتشار اور افتری کا شکار بن جاتا ہے۔ غالباً اسی لیے اس نے حکمران طبقہ کے افراد کی بہتر تعلیم پر زور دیا۔ تعلیم پر اس کے

مباحثہ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ افلاطون نے اعلیٰ طبقہ کی بصیرت اور بہتر تعلیم کو سماجی ترقی کی ضمانت قرار دیا ہے۔ افلاطون کا ایک بڑا کارنامہ اس کی آکیڈمی کا قیام ہے جو اس زمانہ میں علم کا سب سے اہم مینارہ نور ثابت ہوئی۔

اقبال جرم // Confession // : کسی جرم کے ارتکاب کے متعلق قطعی ثبوت ہے // Proof // یہ بات قابل ذکر ہے کہ قانون شہادت کے تحت صرف اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق جو کسی عدالت میں زیر نزاع ہے شہادت دی جا سکتی ہے۔ غیر متعلقہ واقعہ کی شہادت نہیں دی جاسکتی ہے اور نہ عدالت اسے قبول کرے گی۔

اقتدار // Authority // اور خاندانی نظام: طاقت، اثر اور قیادت کی طرح اقتدار یا اختیار کی اصطلاح بھی سماجی علوم میں مختلف معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ یہ اقتدار سیاسی، معاشی، سماجی یا مذہبی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ اقتدار کا دائمرہ اثر صدر خاندان قبائلی اقتداری اشکال سے لے کر دور جدید کی قومی اور میں الاقوامی نیز جمہوری اقتدار کی تمام اشکال پر محیط ہے۔ افلاطون سے لے کر جدید مفکرین تک اس تصور کا مرکزی نکتہ وہ اثر اور اسکا نفوذ ہے جو فرد یا گروہ دوسرے افراد یا گروہوں پر رکھتے ہیں۔

پدری اقتدار // Patriarchal Authority // : پدری اقتدار یا اختیار سے مراد پدری خاندان یا سماج میں پایا جانے والا اختیار ہے جو باپ کو اپنے خاندان کے دیگر افراد پر حاصل ہوتا ہے۔ رشتہ داری یا قرابتداری نظام میں جدید کے مقابلہ میں جیسے جیسے ہم پچھلے سماجوں کی طرف جائیں، ہمیں پدری اختیار زیادہ سے زیادہ فعال اور موثر نظر آتا ہے۔ قبائلی پدری نظام اس کی بہترین مثال ہے۔

تمام اقوام عالم کے ساتھ ہندوستان میں بھی کثرت ازدواج کا رواج رہا ہے۔ یہ مردوں کی برتری اور بالادستی کا ایک ثبوت ہی۔ کچھ عرصے سے پہلے تک ہندو اور مسلمان راجا اور نوابیں اپنے اپنے حرم رکھتے تھے اور اپنی کنیزوں کی تعداد کو اپنی حیثیت سے جوڑتے تھے۔ قدیم کتابوں میں پرانے ہندو سماج میں ایک باحیثیت مرد کے لیے "مہبیشی" // خاص بیوی // پری ور تک یا // بارتبا // "ودتا" // منظور نظر // اور پلاگی // پنچے طبقے کی // کا ذکر ملتا ہے۔ پدری نظام میں عورتوں کی حیثیت مردوں کے دل بہلانے والی یا گھر کا کام کرنے والی خادمہ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس نظام میں تمام اختیارات اور جائیدار وغیرہ کے اوپر پورا حق کسی کنبے کے مردوں کا ہوتا ہے۔ عموماً خاندان کا بزرگ مرد کنبہ کا مکھیا سمجھا جاتا ہے۔ یہ نظام تقریباً تمام مہذب سماجوں میں پایا جاتا ہے۔

مادری نظام: تمدن کی ابتداء میں مادری نظام تقریباً ہر معاشرے میں پایا جاتا تھا۔ باقاعدہ قسم کی شادی کے رواج سے پہلے تمام رشتے صرف ماں یا ماں کے رشتے داروں کے ہی ساتھ ہوتے تھے۔ قبیلے کے تمام انسان اپنی ماں یا ماں کی ماں کے ساتھ رہتے تھے اور اسی کو اپنے خاندان کا محور سمجھتے تھے۔ سب اسی کا کہنا مان لیتے تھے۔ یہ اس لیے بھی ہوتا تھا کیونکہ زمانہ قدیم کا مرد عورت کو اپنے سے برتر سمجھتا تھا۔ عورت ماں بن کر خاندان میں اور قبیلے میں مرکزی حیثیت اختیار کر لیتی تھی جو مرد کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے نام قدیم مذاہب عالم کی ابتدائی شکلوں میں دیویوں کا رتبہ دیوتاؤں سے زیادہ اہم رہا ہے۔ ماوراء نظام میں کثرت ازدواج عورتوں کی ایک سے زیادہ شادیوں اور ایک عورت کے کئی شوہروں کی شکل میں پایا جاتا تھا۔ عموماً جنوبی ہند کے اور جانسر بابر وغیرہ قبیلوں میں اس کا رواج پایا جاتا تھا۔ یہاں یا تو تمام بھائی ایک عورت

سے شادی کر لیتے ہیں یا کئی غیر متعلق لوگ ایک عورت سے شادی کرتے ہیں اور رخصت ہو کر سسرال میں رہتی ہیں۔ سلسلہ غسل عورت کی طرف چلتا ہے۔ دولت اور جائیداد مان سے بیٹی کی طرف منتقل ہوتی ہے کیونکہ آج مہذب سوسائٹی میں کئی شوہروں کو رکھنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں یہ رواج کم ہوتا جا رہا ہے۔

جہاں تک اقتدار کا سوال ہے تمام اقوام عالم میں رفتہ رفتہ انفرادیت بڑھتی جا رہی ہے اور خاندان کا فرد واحد پر کنٹرول کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ مہذب سماج میں عموماً پدری نظام رائج ہے جس کو آج کل آزادی غسوں کی حامی انجمنیں اور افراد مسلسل چیلنج کر رہے ہیں۔

اقتصادی کمیشن برائے افریقا // Economic Commission For Africa, ECA : // یہ کمیشن اقوام متحہ کی اقتصادی و اجتماعی کو نسل کی ایک قرارداد کے نتیجے میں 1958 میں قائم ہوا تاکہ افریقا کی اقتصادی ترقی کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔ اس کے ممبران میں افریقی مالک ہی شامل ہیں اور کوئی غیر افریقی ملک شامل نہیں ہے۔

اس کا صدر دفتر عدیس ابابا // اتحوپیا // میں واقع ہے۔

اقتصادی کمیشن برائے لاطینی امریکا و کیری بین // Economic Commission for Latin America and the Caribbean : اس کمیشن کا قیام 1948 میں عمل میں آیا۔ پہلے اس کا نام اقوام متحہ اقتصادی کمیشن برائے لاطینی امریکا تھا لیکن 1984 میں اسے موجودہ نام دیا گیا۔ اس کے

ممبروں میں علاقائی ملکوں کے علاوہ ریاست ہائے متحده امریکا اور برطانیہ بھی شامل ہیں۔ اس کمیشن کا مقصد لاطینی امریکا میں اقتصادی ترقی کے فروغ سے متعلق پالیسیوں میں تال میل پیدا کرنا ہے۔ اس کا صدر دفتر سانیتاگو، چلی میں واقع ہے۔

اقتصادی کمیشن برائے یورپ // Economic Commission for Europe, ECE : یہ کمیشن 1947 میں قائم ہوا۔ اس میں یورپی ملکوں کے علاوہ ریاست ہائے متحده، کینڈا، اسرائیل اور وسط ایشیا کی جمہوریائیں بھی شامل ہیں۔ ان ملکوں کے نمائندے اپنے اپنے علاقوں کے اقتصادی، ماحولیاتی اور تکنیکی مسائل پر غور اور ان کے حل کے لیے لائجہ عمل پیش کرتے ہیں۔ ECE اقوام متحده کے علاقائی کمیشنوں میں قائم ہونے والا سب سے پہلا کمیشن ہے۔ اس کے مدد کے لیے ایک سکریٹریٹ اور مختلف تحقیقی کمیٹیاں ہیں۔

اس کمیشن کا صدر دفتر جنیوا // سوئزرلینڈ // میں واقع ہے۔

اقتصادی و سماجی کمیشن برائے ایشیا و پیسیفیک // Economic & Social Commission for Asia & Pacific, ESCAP : اس کمیشن کا قیام 1947 میں عمل میں آیا تاکہ ایشیا اور مشرق بعید کے ملکوں کی اقتصادی ترقی میں مدد کی جاسکے۔ ابتداء میں اس کا نام اقتصادی کمیشن برائے ایشیا و مشرق بعید تھا۔ لیکن 1974 میں کمیشن کی تنظیم نو کے بعد اس کا نام اقتصادی و سماجی کمیشن برائے ایشیا و پیسیفیک ہو گیا۔ اس کمیشن کا صدر دفتر بنکاک // تھائی لینڈ // میں واقع ہے۔

اقتصادی و سماجی کمیشن برائے مغربی ایشیا // Economic & Social Commission for Western Asia, ESCWA

// اقوام متحده کی اقتصادی اور سماجی کو نسل کی قرارداد کے ذریعے اس کمیشن کا قیام 1974 میں عمل میں آیا تاکہ ان ملکوں کی اقتصادی ترقی کے لیے وسیع تر سہولیات مہبیا کی جاسکیں جو پہلے اقوام متحده کے اقتصادی اور سماجی دفتر // بیروت // کی نگرانی میں تھے۔ اس کا موجودہ نام 1985 میں دیا گیا۔ اس میں بھی عرب ممالک شامل ہیں اور کوئی غیر عرب ریاست اس کی رکن نہیں ہے۔

1982 میں اس کا صدر دفتر بغداد // عراق // میں واقع تھا۔ 1991 میں اسے عمان // اردن // منتقل کر دیا گیا۔ 1994 میں کمیشن کے ممبروں نے اسے بیروت // لبنان // میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اقرار: اصل میں یہ قرار سے بنا ہے اس لیے اقرار کے معنی ٹھہرانا اور ثابت کرنا ہوئے۔ جنہیں قبول کرنے، اعتراف کرنے اور تسلیم کرنے کو بھی اقرار کہتے ہیں کیونکہ آدمی جس کو مانتا، قبول کرنا اور تسلیم کرتا ہے اس پر اپنے آپ کو ثابت اور برقرار رکھتا ہے۔ اسی لیے قول و قرار اور عہد و پیمان کو بھی اقرار کہا جاتا ہے۔ اصطلاحاً خدا اور رسول کی زبان سے شہادت اور گواہی کا نام اقرار ہے چنانچہ ایمان کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ:

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب و عمل بالارکان زبان سے اقرار کرنا کہ خدا اور رسول برق حیں اور اس کو دل سے سچا جانا اور احکام الٰہی و ارکان دین کو ہاتھ پاؤں اور اعضا و جوارح سے بجا لانا۔

احکام و قوانین عدالتی فیصلوں اور مقدمات کے سلسلہ میں بھی اقرار کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شرعی دلائل میں دعوے کے ثبوت کے لیے سب سے قوی دلیل مدعاعلیہ کا اقرار ہی سمجھی جاتی ہے۔

یعنی یہ کہ مدعایہ اس بات کو تسلیم کرے جس کا اس پر دعویٰ کیا گیا ہے یا بالفاظ دیگر اپنے خلاف گواہی دے اور اقرار کرے کہ مدعی نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے وہ درست ہے۔

اس اقرار کے بعد مقر // اقرار کرنے والا // پابند ہو جاتا ہے۔ لیکن اقرار کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ اقرار کرنے والا عاقل و بلغ ہو اور اس پر کسی قسم کا جبر نہ کیا گیا ہو اگر کسی سے جبراً اقرار کرایا گیا ہو تو یہ صحیح نہیں مانا جائے گا۔ اسی طرح نابلغ، پاگل یا ان جیسے مرقوم القلم لوگوں کا اقرار بھی معتبر نہ ہوگا۔

جب مدعایہ اقرار کرے تو حقوق العباد میں اپنے اقرار سے نہیں پھر سکتا البتہ حقوق اللہ میں اختلاف ہے۔

اقلیتیں : اقلیت کی اصطلاح دراصل سہقوں اور اٹھارہویں صدی میں یورپی سیاسی نشیب و فراز کی پیدا کردہ ہے۔ اس زمانہ میں یورپ کی مختلف طاقتیں اپنے اثر اور رسول کو بڑھانے میں مصروف تھیں اور جب بھی کوئی نیا علاقہ کسی طاقت کے زیر اقتدار آیا تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ سیاسی معاشی اور دوسری سطحوں پر تعصباً سلوک بردا جانے لگا۔ یوں تو اس قسم کا امتیازی سلوک تاریخ کے ہر دور میں فاتحین نے مفتوحیں کے ساتھ روا رکھا ہے لیکن سہقوں اور اٹھارہویں صدی میں اس کے لیے اقلیت کی اصطلاح وضع ہوئی اور اس کے بعد سے یہ اصطلاح مختلف وسیع اور محدود معنی میں استعمال ہوتی رہی ہے۔ عام طور سے اقلیت سے مراد کسی سماج کا وہ گروہ ہے جو عددی اعتبار سے دوسرے گروہ یا گروہوں سے کم ہو اور سماج میں اثر و نفوذ کے اعتبار سے بھی اس کا موقف کمزور ہو۔ چنانچہ ہر بڑے سماج میں تہذیبی، مذہبی، لسانی اور نسلی اقلیتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی اقلیتی گروہ اپنے بال مقابل عددی اعتبار سے لازمی طور پر ایک بڑا اکثریتی گروہ رکھتا ہو۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سماج میں کوئی واحد بڑی اکثریت موجود

نہ ہو بلکہ پورا سماج بے شمار اقلیتوں کا مجموعہ ہو۔ چنانچہ افریقہ کے بہت سے ممالک میں افریقی ایشیائی اور سفید نسلی گروہ سب اپنے آپ کو اقلیت میں محسوس کرتے ہیں۔ دراصل سماجیاتی اعتبار سے اقلیتی گروہ کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ یہ ایسا گروہ ہوتا ہے جسے کسی سماج کے اقتداری ڈھانچہ میں کمزور موقف حاصل رہتا ہے۔ اور جو مختلف قسم کے امتیازات اور ترجیحی برداشت کا شکار رہتا ہے۔ ترجیحی برداشت اور امتیازی سلوک کی بناء پر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اقلیت کا تصور جمہوری اقدار کی لفی کرتا ہے۔ کیونکہ اگر جمہوریت کا مفہوم انفرادی حقوق اور شخصیتی نشوونما کی رہنمائی ہے تو اقلیت کا تصور گروہی اساس پر افراد کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا ہے۔ حقیقت دراصل یہ ہے کہ اقلیت کا تصور سامراجی تصورات کی جھلک پیش کرتا ہے جن کا اثر اور نفوذ آج کے جمہوری دور میں بھی مختلف سماجوں میں باقی ہے۔ تقریباً دنیا کے ہر ملک میں تہذیبی نسلی قویتی اور مذہبی اقلیتیں موجود ہیں لیکن ان تمام اقلیتیوں میں وہ اقلیتیں سب سے زیادہ استعمال کا شکار ہیں جو سیاسی، معاشری، قانونی اور سماجی روایطی بنیادوں پر بہت سی مراعات سے محروم ہیں۔ اقلیتیں تو ہر سماج میں پائی جاتی ہیں لیکن سیاسی بنیاد پر پائی جانے والی اقلیتیں سب سے زیادہ کمزور موقف میں ہیں۔ اقلیت کی بنیاد یا توانیزیات کا فرق ہوتا ہے یا پھر سیاسی امتیازات۔ اکثریت اور اقلیت کے مابین مختلف سلطنوں پر تصادم کی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ مذہب بھی اکثریتی اور اقلیتی تفرقہ بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اقلیتیں اپنے تحفظ کے لیے عموماً اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ اور اس کا اختصار ان کی جدت پسندی اور اختراعی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک طرف اقلیتیں سماجی تبدیلی کا محرک بن سکتی ہیں

تو دوسری طرف اقلیتیوں کو یہ بھی احساس رہتا ہے کہ عام سماجی تبدیلیوں کا ریلا ان کی انفرادیت کو ختم کرنہ دے اس لیے بسا اوقات اقلیتیں سماجی تبدیلی کی راہ میں رکاوٹیں بھی پیدا کرتی ہیں۔

موجودہ صدی میں ماہرین علم الاقوام اور سماجیات دنوں نے اقلیتیوں پر بہت سے تحقیقی کام کیے ہیں۔ ان تحقیقوں میں گارڈن ایلبیورٹ، جے فرانکلن، جی مرڈال، اے ارجچ رچمنڈ، چارلس واگلے اور مرون ہیرس کی تحقیقات قابل ذکر ہیں۔ اقوام متحده کا اقلیتی مکیشن بھی اقلیتیوں کے مسائل پر تحقیق میں مصروف ہے۔ ان کے دائرے میں خاص طور سے اقلیتیوں کے 'انسانی حقوق' آتے ہیں۔

ہندوستان کے بے شمار مذاہب، بے حساب زبانیں اور ذات پات کا پیچیدہ نظام سماج میں کئی قسم کے درجات پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے تقریباً 20 فیصد لوگ مذہبی اعتبار سے اقلیت سمجھے جاتے ہیں۔ سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے یہ ایک بڑی طاقت بھی ہے اور ملک کی کمزوری بھی۔ مذہب کے علاوہ رنگ و نسل علاقائیت مادری زبان اور ذات پات اکثریتی اور اقلیتی تقسیم کے دیگر عوامل ہیں۔

اقوام متحده: مجلس اقوام متحده ان ریاستوں کی انجمن ہے جنہوں نے بین الاقوامی امن و تحفظ کے قیام اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی اور انسانی مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں تعاون کا عہد کیا ہے۔ اس کا نام "اقوام متحده" امریکی صدر فرینکلن ڈی رویلٹ نے منتخب کیا تھا جسے پہلی بار یکم جنوری 1942 کے اقوام متحده کے اعلانیہ میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران اس وقت استعمال کیا گیا جب 26 ملکوں کے نمائندوں نے اپنی حکومتوں کی جانب سے محوری طاقتوں کے خلاف نبرد آزمار ہنے کا عہد کیا تھا۔

اقوام متحده کے منشور کو 25/ اپریل سے 26/ جون تک بین الاقوامی تنظیم سے متعلق اقوام متحده کی سین فرانسیسکو میں منعقدہ کانفرنس میں 50 ملکوں نے تیار کیا تھا۔ ان نمائندوں نے اس کانفرنس میں ان تجاویز پر غور و خوض کیا تھا جو چین، سوویت یونین، برطانیہ اور امریکا کے نمائندوں نے ڈبڑن اوس // واشنگٹن // میں 21/ اگست سے 28/ ستمبر 1944 تک اپنی نشستوں میں منظور کی تھیں۔ منشور پر 50 ملکوں کے نمائندوں نے سین فرانسیسکو میں 26/ جون 1945 کو دستخط کیے۔ بعد ازاں اس پر پولینڈ نے بھی دستخط کر دیے اور اس طرح اس کے دستخط کنندہ ریاستوں کی تعداد 51 ہو گئی۔ باقاعدہ طور پر اقوام متحده کا وجود 24/ اکتوبر 1945 کو عمل میں آیا۔

رکنیت: اقوام متحده کی رکنیت کے دروازے امن سے محبت کرنے والی ہر اس ریاست کے لیے کھلے ہوئے ہیں جو اس کے منشور کو تسلیم کرتی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہے۔ نئے ارکین کو سیکورٹی کونسل کی سفارش پر جنرل اسمبلی داخلہ کی منظوری دیتی ہے۔ منشور میں اس کے ضوابط کی خلاف ورزی کرنے پر ارکین کے اخراج کی شق بھی شامل ہے لیکن اب تک اس سلسلے میں کسی رکن کو معطل نہیں کیا گیا ہے۔

2000 تک اس کے ارکین کی تعداد مندرجہ ذیل تھی۔

نام ریاست	سن رکنیت	نام ریاست	سن رکنیت
-----------	----------	-----------	----------

1945	1946	افغانستان	بیلاروس
------	------	-----------	---------

البانیہ	1945	بلجیم	1955
---------	------	-------	------

اُجیریا 1962 بیلائزر 1981

انڈورا 1993 بینن 1960

انگولا 1976 بھوٹان 1971

انٹی گوا اور باریٹا 1945 بولیویا 1981

ارجنٹینا 1945 بوسنیا ہرزے گووینا 1992

آرمینیا 1992 بوٹسوانا 1966

آسٹریلیا 1945 برازیل 1945

آسٹریا 1945 برونائی 1984

آذربائیجان 1955 بلغاریہ 1992

بھالما 1973 برکینیانا سو 1960

بھرین 1971 بروندی 1962

بنگلہ دیش 1974 کمبوڈیا 1955

بارباڈوس 1966 فرانس 1945

کیمرون 1960 گیپون 1960

کینڈا 1945 گیمبا 1965

کیپ ورڈی 1975 جارجیا 1992

سینٹ افریکن ریپبلک 1960 جرمنی 1973

چاڈ 1960 گھانا 1957

چلی 1945 گریس // یونان // 1945

چین 1945 گویٹ مالا 1945

کولمبیا 1945 گنی 1958

کوموروس 1975 گنی بساو 1974

جمهوریہ کانگو 1960 گینا 1966

جمهوریہ جمهوریہ کانگو 1960 ہیتی 1945

کوستاریکا 1945 ہونڈورس 1945

کوست آللوری 1955 ہنگری 1960

کروشیا 1992 آئس لینڈ 1946

کیوبا 1945 انڈیا // ہندوستان // 1945

سائپرس // قبرص // 1960 انڈونیشیا 1950

چیک جمهوریہ 1993 ایران 1945

ڈنمارک 1945 عراق

جبوتی 1977 جمهوریہ آئرلینڈ 1955

ڈومینیکا 1978 اسرائیل 1949

ایکویدر 1945 اٹلی 1955

مصر 1945 جائیکا 1962

ایسلوواڑور 1945 جاپان 1956

ایکویدوریل گنی 1968 جاردن // اردن // 1955

ایریٹیبا 1993 قراختان 1992

الیسٹونیا 1991 کینیا 1963

جزیرہ فجی 1970 شمالی کوریا 1991

فن لینڈ 1955 کویت 1963

فرانس 1945 قرغستان 1992

لبنان 1945 لاوس 1955

پاکستان 1947

لیسوٹھو 1966 پلاؤ 1994

لائیبریا 1945 نیلا 1945

لیبیا 1955 پوانیو گنی 1975

لچ ٹینٹین 1990 پیر گوئے 1945

لٹھوانیا 1991 پیرو 1945

لکسمبرگ 1945 فلپائن 1945

بیسیئرونیا // مقدونیا // 1993 1945 پولینڈ

میڈیاکا سکر 1960 پرتگال 1955

ملاوی 1964 قطر 1971

ملیشیا 1957 رومانیہ 1955

مالدیپ 1965 روس 1945

مالی 1960 روانڈا 1962

مالٹا 1964 سینٹ کلنس اینڈ نیویس 1983

مارشل آئی لینڈس 1991 سینٹ لوسیا 1979

موریطانیہ 1961 سینٹ ونسیٹ اینڈ گرنیڈ اننس 1980

ماریشس 1968 سمووا 1976

میکسیکو 1945 سین میری نو 1992

ماکرونیشیا 1991 سائو ٹوم اینڈ پرنزیپی 1975

مولڈورا 1992 سعودی عرب 1945

موناکو 1993 سینگال 1960

مঙگوليا 1961 سيمعمر 1976

مارگلوا // مراكش // سيراليون 1956 1961

موزيميق 1975 سنگاپور 1965

ميانمار 1948 سلوفاكيا 1993

نمبانيا 1990 سلوبينيا 1992

نيپال 1955 سالومن آئي ليندس 1978

نيدر ليندس 1945 صوماليا 1960

نيوزيليند 1945 جنوب افريقيا 1945

نكاراكوا 1945 اسپين 1955

نامبر 1960 سريلانكا 1955

ناغيريا 1960 سودان 1956

ناروے 1960 سرنيام 1975

عمان 1971 سوازيليند 1968

تاجكستان 1992 سويڈن 1946

ترانانيه 1961 سيريليا 1945

تحائي ليند 1946 يوكرين 1945

لوگو 1960 متحده عرب امارات 1971

ٹرینی ڈاٹ اینڈ لوگو 1945 یونائیٹڈ کنگڈم 1962

ٹیونیشیا // تیونس // 1956 ریاستہائے متحہ امریکا 1945

ترکی 1945 اروگوائے 1945

ترکمنستان 1992 ازبکستان 1992

لیوگینڈا 1962 نواتو 1981

لیوگوسلاویہ 1945 وینے زویلا 1945

زامبیا 1964 ویت نام 1977

زمبابوے 1947 یمن 1980

مالیہ: اقوام متحہ رکن مالک اس کے لیے مالیہ فراہم کرتے ہیں۔ اس کے لیے جزل اسمبلی نے ایک پیمانہ مقرر کیا ہے کہ کون سا ملک کس قدر مالیہ فراہم کرے گا۔ اس سلسلہ میں عالمی معیشت میں رکن ملک کا حصہ اور ادائی کے لیے اس کی بساط کو ذہن نشیں رکھا جاتا ہے۔

زبانیں: اقوام متحہ نے عربی، چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور اسپینی زبانوں کو تسلیم کیا ہے۔

ساخت: اقوام متحہ کے منشور نے چھ اہم اداروں کو قائم کیا ہے۔ ان میں سے پانچ کے صدر دفاتر نیویارک میں واقع ہیں جبکہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا صدر دفتر ہیگ میں واقع ہے۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

جنل اسمبلی: یہ اسمبلی تمام رکن ممبروں پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر ممبر کا ایک ووٹ ہوتا ہے۔ اس کا اجلاس سال میں ایک بار ہوتا ہے۔ ہر اجلاس کے شروع ہوتے ہی اسمبلی اپنا صدر، 21 نائب صدر اور ساتوں کمیٹیوں کے چیئرمین منتخب کرتی ہے۔ عام اجلاؤں کے علاوہ حسب ضرورت سیکورٹی کونسل کی درخواست پر پویس گھنٹے کے اندر اندر ہنگامی اجلاس بھی منعقد کیے جاسکتے ہیں۔ امن و تحفظ، نئے ملکوں کی رکنیت اور بجٹ سے متعلق امور جیسے معاملات میں فیصلوں کے لیے دو تہائی ممبروں کی اکثریت ضروری ہے۔ دیگر معاملات کے لیے موجود ممبروں کی اکثریت کافی ہوتی ہے۔

جنل اسمبلی کا کام چھ خاص کمیٹیوں میں تقسیم ہے جن میں ہر رکن ریاست کو نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کمیٹیاں درج ذیل ہیں:

// 1 // ترک اسلحہ و بین الاقوامی تحفظ کمیٹی // Disarmament and International Security // Committee

// 2 // اقتصادی اور مالیاتی کمیٹی // Economic and Financial Committee // Committee

// 3 // سماجی، انسانی اور ثقافتی کمیٹی // Social, Humanitarian and Cultural Committee // Committee

//

// 4 // سیاسی و نوآبادیات مخالف خصوصی کمیٹی // Special Political and Decolonization // Committee

//

// 5 // انتظامی و بجٹ کمیٹی // Administrative and Budgetary Committee // Committee

// 6 // قانونی کمیٹی // Legal Committee

ایک جنرل کمیٹی بھی قائم ہے جو اسمبلی کی کارروائیوں اور اس کی کمیٹیوں کے درمیان تال میل قائم رکھتی ہے۔

یہ جنرل کمیٹی 29 نمبر ان پر مشتمل ہوتی ہے جس میں جنرل اسمبلی کا صدر، اس کے نائب صدر اور خاص کمیٹیوں کے 6 چیئرمین شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک Credential Committee بھی ہے جو 9 نمبر ان پر مشتمل ہے جنہیں ہر اجلاس کے صدر کی تجویز پر جنرل اسمبلی مقرر کرتی ہے۔

جنرل اسمبلی کی 2 اسٹینڈنگ کمیٹیاں ہوتی ہیں جو // 1 // انتظامی اور بجٹ سے متعلق امور کی مشاورتی کمیٹی اور // 2 // چندوں سے متعلق کمیٹی کہلاتی ہیں۔ جداگانہ مسائل سے متعلق وقتاًوقتاً یہ ذیلی اور ایڈیاک کمیٹیاں قائم کر سکتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

// 1 // قیام امن آپریشن سے متعلق خصوصی کمیٹیاں Special Committee on Peace // یہ 34 نمبر ان پر مشتمل ہوتی ہے۔

// 2 // انسانی حقوق سے متعلق کمیٹی // Human Rights Committee // یہ کمیٹی 18 نمبر ان پر مشتمل ہے۔

// 3 // باہری خلا کے پر امن مقاصد سے متعلق کمیٹی // Committee on the Peaceful Uses of Outer Space // یہ 61 نمبر وں پر مشتمل ہے۔

// 4 // فلسطین سے متعلق کمیشن // Conciliation Commission for Palestine // - یہ کمیشن

3 ممبروں پر مشتمل ہے۔

// 5 // ترک اسلحہ سے متعلق کانفرنس // Conference on Disarmament // اس میں 38

ارکین ہیں۔

// 6 // بین الاقوامی قانونی کمیشن // International Law Commission // اس کے 34 نمبر

ہیں۔

// 7 // جوہری اثرات سے متعلق سائنسی کمیٹی // Scientific Committee on the Effects of

- یہ کمیٹی 21 ارکان پر مشتمل ہے۔ // Atomic Radiation

// 8 // نوابادیاتی ملکوں اور لوگوں کو آزادی دیے جانے کے اعلانیہ پر عمل آوری سے متعلق خصوصی

کمیٹی // Special Committee on the Implementation of the Declaration of

Granting Independence to Colonial Countries and Peoples

ہیں۔

// 9 // کمیشن برائے بین الاقوامی قانونی تجارت // Commission on International Trade //

- یہ 36 نمبروں پر مشتمل ہے۔ // Law

جزل اسمبلی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اقوام متحده کے منشور میں بیان کردہ ہر معاملہ پر بحث کر سکتی ہے۔

اس کی سفارشات کی پشت پر عالمی رائے عامہ کی طاقت ہوتی ہے۔ اسمبلی دوسرے اعضا سے رپورٹیں

حاصل کرتی ہے، نئے ممبروں کو داخل کرتی ہے، ترقیاتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہے، پالیسی سازی کرتی ہے، سکریٹریٹ کے پروگرام طے کرتی ہے، سکریٹری جنرل کا تقرر کرتی ہے جو اقوام متحده کے کاموں کے بارے میں اسے ہر سال اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے اور اقوام متحده کا بجٹ منظور کرتی ہے۔

نومبر 1950 کی جنرل اسمبلی کی "اتحاد برائے امن" // Uniting for Peace // قرارداد کے تحت اگر سلامتی کونسل // Security Council // کے مستقل ممبروں میں اتفاق رائے نہ ہونے کے سبب کسی ایسے معاملہ میں جب امن کو خطرہ لاحق ہو یا جاریت کا امکان ہو تو جنرل اسمبلی کو اس سلسلہ میں عمل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

سلامتی کونسل // Security Council // : اقوام متحده کے منشور کی رو سے سلامتی کونسل کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بین الاقوامی امن و سلامتی قائم کرے۔ اس کے ہر ممبر کے لیے لازم ہے کہ وہ اقوام متحده کے صدر دفتر پر موجود رہے۔

اس کی صدارت ہر ماہ گشت کرتی ہے۔ اس کے ممبروں کی تعداد 15 ہے۔ ان میں سے 5 ممبر مستقل ہیں اور بقیہ 10 رکن غیر مستقل ممبر ہیں جو دو سال کے لیے جنرل اسمبلی کے دو تہائی ممبران کی اکثریت سے منتخب ہوتے ہیں۔ ہر فیصلہ کے لیے تمام مستقل ممبروں کا متفق ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک بھی مستقل رکن کسی معاملہ میں حق تنفسی // Veto // استعمال کرتا ہے تو اس کا فیصلہ کالعدم قرار پاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مستقل ممبر کسی معاملہ میں اس حق کو استعمال نہ کرنا چاہے تو وہ غیر حاضر ہو جاتا ہے۔ ویسے ہر مستقل ممبر نے اپنے حق تنفسی کو کسی نہ کسی معاملہ میں استعمال کیا ہے۔

اسٹینڈگ کونسل کی دو کمیٹیاں ہیں // 1 // طریق کار کے ضوابط سے متعلق ماہرین کی کمیٹی // Commitee of Experts on Rules of Procedure سے متعلق کمیٹی // Committee on the Admission of New Members // ان کے علاوہ کونسل وقتاً آئیڈیاک // عارضی // کمیٹیاں اور کمیشن قائم کر سکتی ہے۔ جب امن کو خطرہ سے متعلق کوئی معاملہ کونسل کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو کونسل تنازع کے متعلقہ فریقین سے پر امن طریق سے تصفیہ کرنے کی سفارش کرتی ہے۔ یہ ثالثی کے لیے کہہ سکتی ہے اور تصفیہ کے لیے اصول وضع کر سکتی ہے اور جنگ بندی کی بدایات، اقتصادی پابندیوں، قیام امن کے منشوں یا کچھ معاملات میں اجتماعی تحفظ کے ذریعہ اپنے فیصلوں پر عمل آوری کے لیے اقدامات کر سکتی ہے۔ بین الاقوامی امن و سلامتی کے قیام کی غرض سے کونسل ممبر ملکوں سے ان کی افواج سے مدد طلب کر سکتی ہے۔ اس کی خود کی ملٹری اسٹاف کمیٹی اس کی مدد کرتی ہے جو مستقل ممبروں کی افواج کے سربراہوں یا ان کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

سکریٹری جنرل کے تقریر کے سلسلے میں کونسل اقوام متحده کی جنرل کونسل سے سفارش کرتی ہے اور اسمبلی کے ساتھ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے جھوٹ کو منتخب کرتی ہے۔

مستقل ممبر: سلامتی کونسل کے مستقل ممبروں میں چین، فرانس، روسی وفاق، برطانیہ اور ریاست ہائے متحده امریکا شامل ہیں۔ سابقہ سوویت یونین کی جگہ دسمبر 1997 سے روسی وفاق نے لے لی ہے۔

اقتصادی اور سماجی کونسل // The Economic and Social Council // : یہ کونسل بین الاقوامی

اقتصادی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی اور صحتی امور سے متعلق کاموں میں مصروف اقوام متحده کا حصہ ہے۔

کونسل کا کام متعلقہ تنظیموں، تخصصی انجنسیوں، کمیشنوں اور کمیٹیوں کے ذریعہ سال بھر جاری رہتا ہے۔ یہ

54 ممبروں پر مشتمل ہے جو جنرل اسمبلی کے ذریعہ دو تہائی ووٹوں سے تین سال کے لیے منتخب ہوتے

ہیں۔ اس میں افریقہ کے 14، ایشیا کے 11، مشرقی یورپ کے 6، لاطینی امریکا اور کیری بین کے 10، مغربی

یورپ اور دیگر ریاستوں کے 13 ممبر ہوتے ہیں۔ اس کے ایک تہائی ممبر ہر سال ریٹائر ہوتے رہتے ہیں۔

لیکن ریٹائر ہونے والے ممبر دوبارہ منتخب ہو سکتے ہیں۔ ہر ممبر ایک ووٹ کا حقدار ہوتا ہے۔ فیصلے موجود

مبروں کی اکثریت سے کیے جاتے ہیں۔ 1998 تک مندرجہ ذیل ملک اس کے ممبر تھے:

انجیریا، ارجنتینا، بنگلہ دیش، بیلاروس، بلجم، برازیل، کینڈا، کیپ وردی، سینٹرل افریکن ریپبلک، چلی، چین،

کولمبیا، کومورس، کیوبا، چیک ریپبلک، جبوتی، ایسلواڈور، فن لینڈ، فرانس، گینی، گیانا، آئس لینڈ،

ہندوستان، اٹلی، چاپان، جارڈن، کوریا، کمبوڈیا، لبنان، لیسو吞و، ماریشس، میکسیکو، موزیق، نیوزی لینڈ، نکاراگوا،

عمان، پاکستان، پولینڈ، رومانیہ، روس، سینٹ لوسیا، سیرالیون، اسپین، سری لکنا، سویڈن، ٹوگو، تیونس، ترکی،

برطانیہ، ریاستہائے متحدہ امریکا، ویٹ نام اور نریمبا۔

کونسل کے 9 فکشن کمیشن، 5 علاقائی اقتصادی کمیشن، 9 قائمہ // اسٹینڈنگ // کمیٹیانا ور ماہرین کے ادارے

ہیں۔ تقریباً 1500 ایسی غیر سرکاری تنظیمیں ہیں جو مشاورتی حیثیت سے کونسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ غیر

سرکاری تنظیمیں کونسل کی عوامی میلنگوں میں اپنے مشاہدین بھیج سکتی ہیں۔

تولیتی کو نسل // The Trusteeship Council : اس کو نسل کا قیام اس لیے عمل میں آیا تھا کہ ٹرست کو خود مختاری یا آزادی کے لیے تیار کیا جاسکے۔ سیکورٹی کو نسل کے پانچوں مستقل ممبر ان // چین، فرانس، روس، برطانیہ اور امریکا // پر مشتمل ہے۔ 1994 میں نوآبادیاتی امور مکمل ہو گئے تھے جب سیکورٹی کو نسل نے اقوام متحده کے آخری تولیتی معاهدہ کو امریکا کے زیر انتظام پالاؤ // Palau // کو معطل کر دیا۔ تمام تر ٹرسٹی بڑی ٹریز نے یا تو خود مختاری یا آزادی حاصل کر لی تھی یا، ہمسایہ آزاد ملکوں میں شامل ہو گئی تھیں۔ 1994 کے بعد سے اب تک اس کی کارکردگی پر نظر ثانی ہو رہی ہے۔

بین الاقوامی عدالتِ انصاف // International Court of Justice : یہ عدالت اقوام متحده کا خاص عدالتی عضو ہے۔ اس کے دو اہم کام ہیں: // 1 // بین الاقوامی قانون کے مطابق ریاستوں کے ذریعہ لائے گئے قانونی تنازعات کا تصفیہ کرنا اور // 2 // بین الاقوامی انجنسیوں اور تنظیموں کے با اختیار قانونی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار کرنا۔

یہ عدالت ایک آئین // Statute کے تحت کام کرتی ہے جو اقوام متحده کے منشور کا اہم حصہ ہے اقوام متحده کے تمام ارکین عدالت کے آئین کو تسلیم کرتے ہیں صرف سوئٹزرلینڈ اور ناروے اس کے رکن نہیں ہیں۔ یہ عدالت 15 جوں پر مشتمل ہے جو تمام تر مختلف قویتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں 9 سال کی مدت کے لیے جنرل اسمبلی اور سیکورٹی کو نسل مکمل اکثریت سے منتخب کرتی ہے۔ ان کا انتخاب ہر تیسرا سال عمل میں آتا ہے جس میں ایک تہائی چج منتخب ہوتے ہیں اور انھیں دوبارہ بھی منتخب کیا جاسکتا ہے۔ یہ چج اپنے ملکوں کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ عدالت کے آزاد جوں کی حیثیت سے کام کرتے

ہیں۔ عدالت تین سال کے لیے اپنا صدر اور نائب صدر منتخب کرتی ہے اور سال بھر مصروف کار رہتی ہے۔

فیصلے موجود جوں کی اکثریت سے کیے جاتے ہیں۔ فیصلہ حتمی ہوتا ہے لیکن دس سال کے عرصہ میں اس پر نظر ثانی بھی کی جاسکتی ہے۔ اس عدالت نے 1946 سے آج تک 67 تباہات کا تصفیہ کیا ہے اور 23 قانونی آراء کا اظہار کیا ہے۔

سکریٹریٹ // The Secretariat // : اقوام متحده کے پانچوں ادارے اپنے روزمرہ کے کاموں کے لیے سکریٹریٹ پر منحصر ہتے ہیں۔ اس کا صدر دفتر نیویارک میں ہے جس میں 8900 افراد کام کرتے ہیں۔

اس کا سربراہ سکریٹری جنرل ہوتا ہے جو سیکورٹی کونسل کی سفارش پر 5 سال کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کی دوبارہ تجدید بھی ہو سکتی ہے۔ سکریٹری جنرل انظامیہ کے سربراہ کی حیثیت جنرل اسمبلی سلامتی کونسل کی تولیتی کونسل // Economic & Social Council // Security Council // اور Trusteeship Council // کی تمام تر میئنگوں میں شرکت کرتا ہے۔ سکریٹری جنرل کی مدد کے لیے کئی انڈر سکریٹری جنرل اور معاون سکریٹری جنرل // Assistant Secretary General // ہوتے ہیں۔ 1977 میں ایک ڈپٹی سکریٹری جنرل کے تقرر کو اصولی طور سے جنرل اسمبلی نے تسلیم کر دیا تھا جس کا اعلان 1998 میں کردیا گیا۔

اقوام متحده: ادارہ غذا و زراعت // FAO میں غذا اور زراعت سے متعلق بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ ورجنیا میں ایک عبوری کمیشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا جس کے دستور پر 16 اکتوبر 1945 کو کیوبک // کینیڈا // میں دستخط کیے گئے اور اسے ادارہ غذا و زراعت کا نام دیا گیا۔ آج اس کے ممبر ملکوں کی تعداد 175 ہے اور اس کا صدر مقام روم // اطالیہ // ہے۔

اس ادارہ کا مقصد تغذیہ کی سطحوں اور معیارِ زندگی میں بلندی، جنگلاتی، ماہی گیری اور زراعتی پیداواروں کے طریقوں میں اصلاح اور دیہی آبادیوں کے حالات میں اصلاح کرنا ہے تاکہ دنیا سے بھوک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاسکے۔ اس کے ترجیحی مقاصد میں زراعتی اور دیہی ترقی شامل ہے تاکہ قدرتی وسائل کی نگہداری اور غریبوں کے لیے کافی مقدار میں غذا کی فراہمی ممکن ہو سکے۔

ادارہ غذا و زراعت ترقی پذیر ملکوں کو زراعتی میدان میں تعلیم و تربیت کی سہولیات عام کرنے کے لیے امداد فراہم کرتا ہے اور بہتر زمین، آبپاشی کے لیے پانی، بہتر فصلوں اور مویشیوں کی نگہداشت کو فروغ دیتا ہے۔ ہنگامی حالات میں متاثرہ ملکوں کی مدد کے لیے خصوصی پروگرام وضع کرتا ہے اور راحت رسانی کا اہتمام کرتا ہے تاکہ غذا کی فراہمی جاری رہے۔

اس کے باقاعدہ پروگراموں کے لیے مالیہ کی فراہمی ممبر ملکوں کی حکومتوں کے ذمہ ہے اور تکنیکی امدادی پروگرام کے لیے اضافی وسائل کو بروئے کار لایا جاتا ہے جس کا سب سے بڑا اہم اور عطیہ دہنہ اقوام متحده کا ترقیاتی پروگرام // UNDP // ہے۔

ادارہ غذا وزرائت کی اعلیٰ اختیاری تنظیم اس کی کانفرنس ہوتی ہے جو تمام ممبروں پر مشتمل ہے اور ہر دوسرے سال منعقد ہوتی ہے۔ یہی کانفرنس اس ادارہ کی پالیسی مرتب کرتی ہے اور بجٹ اور پروگراموں کو منظور کرتی ہے۔ کانفرنسوں کے اجلاسوں کے درمیان ادارہ کی 49 رکنی کونسل مجلس مشتملہ کی حیثیت سے سرگرم کار رہتی ہے جس کا انتخاب کانفرنس کے ذریعہ عمل میں آتا ہے ویسے اس کا بیشتر کام درجنوں علاقائی یا خصوصی مکیشوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کا ڈائئریکٹر جنرل چھ برسوں کے لیے منتخب ہوتا ہے۔

اقوام متحده: بین الاقوامی فنڈ برائے تجارتی ترقی // International Fund For Trade

// : یہ فنڈ جون 1976 میں ایک سمجھوتہ کے تحت ترقی پذیر ملکوں میں زراعتی ترقی کے منصوبوں کے لیے مالیہ فراہم کرنے کے لیے قائم ہوا۔ اس کا اصل مقصد غذائی پیداوار کے اضافہ میں امداد کرنا ہے۔ یہ رعایتی شرحوں پر قرضے دیتا ہے۔ اس کا صدر مقام روم // اطالیہ // ہے۔ اس کے ارکان تین زمروں میں منقسم ہیں:

// 1 // ریاست ہائے متحده، جاپان اور مغربی یورپ کے مالک۔

// 2 // تیل پیدا کرنے والے مالک

// 3 // ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکا کے ترقی پذیر مالک۔ اس فنڈ کی امداد موجودہ مالی اداروں مثلاً عالمی بینک، علاقائی بینکوں، ادارہ غذا اور زراعت کے ساتھ ساتھ اقوام متحده کے ترقیاتی پروگرام کے ذریعہ تقسیم کی جاتی ہے لیکن فنڈ پرو جیکٹوں پر اپنا کنٹرول رکھتا ہے۔

اقوام متحده ترقیاتی پروگرام // United Nations Development Programme, UNDP //

اقوام متحده کی جنرل اسمبلی نے اس پروگرام کو 1965 میں ترقی پذیر ملکوں کے قدرتی اور انسانی وسائل کی افزائشی صلاحیتوں کو وسیع تر کرنے کے سلسلے میں مدد دینے کے لیے شروع کیا تھا۔

جنوری 1994 میں اس ادارہ اور اقوام متحده آبادی فنڈ // UNFPA // کی گورنگ کونسل کو جنرل اسمبلی کی منظوری کے بعد ایگریکٹیو بورڈ میں مشتمل کر دیا تھا، اب پہ بورڈ بین الحکومتی ترقیاتی پروگرام اور آبادی فنڈ کو بین الحکومتی مدد بھم پہنچاتا ہے اور ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتا ہے۔ بورڈ 36 اراکین پر مشتمل ہے جس میں 8 ممبر افریقہ، 7 ممبر ایشیا، 4 مشرقی یورپ، 5 لاطینی امریکا اور کیری بیان اور 12 ممبر مغربی یورپ اور دوسرے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

ترقبیاتی پروگرام کے علاقائی دفاتر بھی ہیں اور ہر اس ملک میں جو اس پروگرام کے تحت مدد حاصل کرتا ہے اس کا دفتر موجود ہے۔

UNDP 150 بین الاقوامی ایجنسیوں کو تکمیلی مدد فراہم کرتا ہے تاکہ ان کی اقتصادی ترقی کی رفتار تیز اور ان میں بسنے والے لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔

اس پروگرام میں اقوام متحده کا سکریٹریٹ، اس کے تحقیقی ادارے، دوسری تنظیمیں، علاقائی ترقیاتی بینک اور عرب فنڈ برائے اقتصادی و اجتماعی ترقی حصہ لیتے ہیں۔ یہ پروگرام اقتصادی اور اجتماعی کونسل کی وساطت سے جنرل اسمبلی کے تینی ذمہ دار ہے۔ اس کا صدر مرکز نیویارک میں واقع ہے۔

اقوام متحده: صنعتی ترقیاتی تنظیم // United Nations Industrial Development Organization, UNIDO

// : یہ تنظیم اقوام متحده کی جنرل اسمبلی کے ذریعے 1966 میں وجود میں آئی اور 1985 میں اسے اقوام متحده کی سولہویں خصوصی ایجنسی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس تنظیم کا مقصد ان ملکوں کی صنعتی ترقی میں مدد کرنا ہے جو ترقی پذیر اور تغیر پذیر معیشتوں کے حامل ہیں۔ یہ سرکاری اور خوبصورتی کی قوتیں کو بروائے کار لائکر صنعتی پیداوار کو ترقی دیتی ہے اور ان کی قوت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح یہ بین الاقوامی صنعتی شرکت داری اور تکنیکی تعاون کو فروغ دیتی ہے۔ اس تنظیم کا نصب العین یہ ہے کہ پاعدار ترقی اور معاشی استحکام کے لیے ایسی صنعتی بنیاد رکھے کہ لوگوں کی زندگی کو بہتر بنایا جاسکے۔ 1993 میں منعقدہ جنرل کانفرنس نے تنظیم میں اصلاح سے متعلق سفارش کی توثیق کر دی اور اس کی سرگرمیوں کے دائرہ کار کو وسعت دی۔

تنظیم کی جنرل کانفرنس ہر دو سالے سال منعقد ہوتی ہے اور اس کے میزبانیہ کو منظوری دیتی ہے۔ یہ تمام رکن ملکوں پر مشتمل ہے 53 ممبروں پر مشتمل // جس میں 33 ممبر ترقی پذیر ملکوں سے متعلق ہوتے ہیں // صنعتی ترقیاتی بورڈ اس کا انتظامی ادارہ ہے جو جنرل کانفرنس کے ذریعے چار سال کے لیے منتخب ہوتا ہے۔ جنرل کانفرنس ہی چار سال کے لیے تنظیم کے ڈائیریکٹ کا تقرر کرتی ہے۔

مارچ 1999 میں اس تنظیم کے ارکین کی تعداد 168 تھی۔ ریاست ہائے متحده امریکا نے 1996 میں اور آسٹریلیا نے 1997 میں اپنے آپ کو اس تنظیم سے علاحدہ کر لیا۔ اس کا صدر دفتر وینا // آسٹریا // میں واقع ہے۔

اقوام متحده غدائی کونسل // World Food Council, WFC // : یہ کونسل غدائی اجنس کی پیداوار اور تقسیم کے لیے دسمبر 1974 میں اقوام متحده کی جنرل اسمبلی کے ذریعے تشکیل کی گئی تھی۔ کونسل کے لیے 36 مالک باری باری 1993 تک منتخب کیے جاتے رہے لیکن بعد ازاں جنرل اسمبلی کے فیصلہ کے مطابق اقوام متحده کے علاحدہ ادارہ کی حیثیت ہے اس کے سکریٹریٹ نے کام کرنا بند کر دیا جو روم // اٹلی // میں واقع تھا کیونکہ اس کے کاموں کا جائزہ جاری ہے۔

اس کونسل کا کام غدائی پیداوار، تغذیہ، غدائی تحفظ، غدائی تجارت، غدائی امداد اور دوسرے متعلقہ معاملات پر اقوام متحده کے اداروں کی پالیسیوں اور سرگرمیوں میں تال میل پیدا کرنا، ان سے پیدا ہونے والے مسائل پر غور کرنا اور ان کے حل کے لیے سفارشات پیش کرنا تھا۔

اقوام متحده کا تعلیمی، علمی اور ثقافتی ادارہ // United Nations Educational, Scientific and

یونسکو کے دستور پر 16 نومبر 1945 کو 37 ملکوں نے لندن میں دستخط کیے تھے اور اس ادارہ نے یہ حقیقت ذہنوں نشین کرتے ہوئے کہ "چونکہ جنگیں انسانی ذہنوں سے شروع ہوتی ہیں اس لیے امن کا دفاع بھی انسانی ذہنوں میں ہی تعمیر ہونا چاہیے۔" اس ادارہ نے نومبر 1946 میں اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔

اس میں 187 ارکین شامل ہیں لیکن ریاست ہائے متحده امریکا اس کا رکن نہیں ہے۔ یونسکو کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تعلیم، سائنس، مواصلات اور ثقافت کے ذریعے اقوام عالم کے مابین تعاون کو فروغ دیا جائے تاکہ دنیا میں اقوام متحده کے منشور کے مطابق امن و تحفظ کا قیام عمل میں آسکے اور انصاف قانون کی حکمرانی،

انسانی حقوق، اور بنیادی آزادیوں کے تعین احترام ممکن ہو سکے۔ اس کا صدر دفتر پیرس // فرانس // میں واقع ہے۔

تعلیم کے میدان میں یونسکو کی سرگرمیاں ہر شخص کے لیے بنیادی تعلیم کی فراہمی، بنیادی تعلیم تک تمام لوگوں کی رسمائی، بنیادی تعلیم کے معیار میں اصلاح اور اکیسویں صدی میں تعلیم کے فروغ پر مرکوز ہیں۔ سائنس کے میدان میں یونسکو حالاتِ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بین الاقوامی سائنسی اشتراک اور سائنسی تحقیقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مواصلاتی نقطہ نظر سے یونسکو اطلاعات کی پاسانی فراہمی، آزادی اظہار وذرائع ابلاغ کے فروغ کی سمت میں سرگرم عمل ہے۔ ثقافت کے میدان میں ثقافت اور ترقی کے درمیان ربط قائم کرنے کے سلسلہ میں تحقیق پر اپنی نظر مرکوز کرتا اور دنیا کے ثقافتی ورثہ کے تحفظ کے لیے کوششیں کرتا ہے۔ غرضیکہ یونسکو تجربہ، معلومات اور افکار کا دنیا کے ماہرین کے درمیان تبادلہ کرانے میں مدد دیتا ہے۔ سائنسدانوں، فنکاروں، ادبیوں اور ماہرینِ تعلیم کی قومی اور بین الاقوامی انجمنیں قائم کراتا ہے۔ سائنسی، فنی اور تہذیبی موضوعات پر بین الاقوامی اجتماعات اور کالفرنسیں منعقد کراتا ہے۔ دستاویز بندی کے طریقوں کو معیاری بنایا کر علمی تحقیق کے لیے وظائف دیتا ہے۔ تحقیقی تصانیف، عام کتابیں بنیادی مآخذ، روپرٹیں، رسائل اور حوالہ کی کتابیں شائع کرتا ہے۔ تعلیمی، علمی اور ثقافتی میدانوں میں بین الاقوامی سمجھوتے کراتا ہے، اور دانشوروں اور فن کاروں کے کاموں کے حق طباعت کی بین الاقوامی کاپی رائٹ کنوشن کے تحت حفاظت کرتا ہے۔ دانشورانہ میدان میں بین الاقوامی تعاون کو فروغ دیتا ہے۔ یہ ادارہ ترقی پذیر ملکوں میں خواندگی کو عام کرنے کی کوشش کرتا ہے، معلموں اور ترقیاتی کارکنوں کی تربیت کا انظام کرتا ہے، کتب

خانے اور دستاویز بندی کے مراکز قائم کرتا ہے، صحافیوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلم کے کارکنوں کی تربیت کا انظام کرتا ہے، سائنس اور تکنیکی تعلیم کو بہتر بنانے اور ثقافتی ترقی کے میدان میں منصوبہ بندی کرنے والوں کی تربیت کے انظام میں اپنے ماہرین کے ذریعے مدد دیتا ہے۔ بین الاقوامی امن کے لیے یونیسکو نسلی مسائل، عورتوں کے سماجی مرتبہ اور ان کی تعلیم، انسانی حقوق اور بین الاقوامی مسائل پر تحقیقات کا اہتمام کرتا ہے۔ اکثر رکن ملکوں میں یونیسکو سے تعاون کے لیے قومی مکیش قائم کیے گئے ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں یونیسکو نے حکومتوں کو مشورہ دینے کے لیے خود اپنے مشن بھی قائم کیے ہیں۔ یونسکو کا اپنا بجٹ ہوتا ہے جس کے لیے ارکان چندہ دیتے ہیں اور اقوام متحده کے ترقیاتی پروگرام سے بھی اسے مدد ملتی ہے۔

اقوام متحده کا فنڈ برائے اطفال // United Nations Children's Fund, UNICEF // : اس فنڈ کو اقوام متحده کی جنرل اسمبلی نے چلڈرنس ایمیر جینسی فنڈ کی حیثیت سے بچوں کے لیے جنگی راحت کے کاموں کی خاطر قائم کیا تھا۔ 1950 میں اس کا مقصد ترقی پذیر ملکوں کے بچوں کی ضروریات کی تکمیل سے متعلق کر دیا گیا۔ 1953 میں جنرل اسمبلی نے اسے ایک مستقل ادارہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ترقی پذیر ملکوں کے بچوں کے مفادات کی تکمیل ہو سکے۔ فی الوقت اس کا اصل میدان ترقی پذیر ملکوں میں بچوں کی بہبود کے لیے کام کرنا ہے۔

اس فنڈ کا ایک ایگریکلیو بورڈ ہے جو اس کی گورنگ بادی ہے۔ اس کی نشست سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے تاکہ پالیسی طے کی جاسکے، پروگراموں کا جائزہ لیا جاسکے اور اخراجات کی توثیق ہو سکے۔ اس کے ممبروں کی تعداد 36 ہے جو تین سال کے لیے ECOSOC کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔

یونیسیف اقوام متحده کا ایک مل唧ہ ادارہ ہے اور اس کا عملہ اقوام متحده کے سکریٹریٹ کا جزو ہے۔ اس کا سربراہ ایک انتظامی ڈائیریکٹر ہوتا ہے جسے اقوام متحده کا سکریٹری جنرل یونیسیف کے انتظامی بورڈ کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔ چونکہ یونیسیف خالصہ بچوں کی بہبود کے لیے وقف ہے اس لیے یہ بچوں کے حقوق کے بیان کی عمل آوری کے لیے ذمہ دار ہے جن کا اطلاق ستمبر 1990 میں ہوا۔ یہ بیان بچوں کے انفرادی حقوق سے متعلق ہے اور ان کے تحفظ کے لیے ذمہ دار ہے۔

اس کا صدر دفتر نیویارک میں ہے اور کے علاقائی دفاتر مختلف ملکوں میں واقع ہیں۔

اقوام متحده کی ایجنسی برائے راحت و اعمال // UNRWA // : اقوام متحده کی یہ ایجنسی مشرق وسطیٰ کے لبنان، شام، اردن، مغربی کنارہ اور غزہ پٹی میں فلسطینی تارکین وطن کی راحت، صحت اور تعلیم اور بہبود سے متعلق امور کے لیے 1950 سے مصروف کار ہے۔ اس ادارہ کے نزدیک ایک فلسطینی تارک وطن وہ شخص ہے جو 1948 کی کشکش سے کم از کم دو سال پہلے سے فلسطین میں سکونت پذیر تھا اور جس نے عرب اسرائیلی رقبوں کے تیجے میں اپنے گھر بار اور ذرائع معاش کو کھو دیا۔ اس مالی امداد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ تارک وطن مذکورہ بالا پانچ علاقوں میں سے کسی ایک میں رہائش پذیر ہو۔ تارکین وطن کے ورثاء بھی اس ادارہ کی مالی امداد کے مستحق قرار دیے جاتے ہیں اگر وہ چند مقرراتہ شراءط کی تکمیل کرتے ہوں۔

جون 1967 میں مشرق وسطیٰ میں عرب اسرائیلی رقبوں کی تجدید کے بعد جنگ اور اسرائیل کے مقبوضہ علاقوں سے بھاگ کر مشرقی اردن، شام اور مصر میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس ہنگامی صورت حال میں اقوام

متحہ کی جز اس سمبیل کی قرارداد کی رو سے اس ادارہ نے ان تارکین وطن کو بھی ہنگامی بنیاد پر اور عارضی طور سے امداد بھم پہنچای جو فلسطین سے متعلق نہیں تھے لیکن فوری ضرورت کے مستحق تھے۔ عملی طور پر اس ادارہ کے پاس مالیہ کی کمی تھی اس لیے ایسے پناہ گزینوں کی امداد کا بار متعلقہ عرب حکومتوں پر ڈالا گیا۔ بعد ازاں لبنان میں اتفاقہ کے نتیجہ میں 1987ء میں مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کے سکونت پذیر پناہ گزینوں کے لیے بھی اس ادارہ نے طبی امداد فراہم کی۔ اسی طرح 1991ء میں عراق اور دیگر اقوام کے مابین فوجی کارروائی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال میں بھی اس ادارہ نے قابل تعریف امدادی اقدامات کیے۔ 1993ء میں تنظیم آزادی فلسطین اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ کی روشنی میں اس ادارہ نے فلسطینی تارکین وطن کے حالات میں اصلاح کے لیے قیام امن کے پروگرام کی عمل آوری کی سمت میں اقدام کیے۔

اس ادارہ کا سربراہ ایک مکشنا جنرل ہوتا ہے جس کا تقریباً اقوام متحہ کی جز اس سمبیل کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ اس کی مدد بیلچیم، مصر، فرانس، جاپان، اردن، لبنان، شام، ترکی، برطانیہ اور امریکا کی حکومتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک مشاورتی مکشنا کرتا ہے۔ پانچوں مذکورہ بالا علاقوں میں اس ادارہ کے علاقائی دفاتر موجود ہیں۔

اقوام متحہ کی کانفرنس برائے تجارت و ترقی // United Nations Conference on Trade And Development, UNCTAD : یہ کانفرنس اقوام متحہ کے ایک عضوی حیثیت سے اس کی جز اس سمبیل کی ایک قرارداد کے تحت دسمبر 1964ء میں وجود میں آئی۔ اس کا مقصد اقتصادی ترقی کو تیز تر کرنے

کی غرض سے ترقی پذیر ملکوں کی بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینا ہے۔ اسی طرح ترقی یافہ اور ترقی پذیر دونوں قسم کے مالک کی تجارتی پالیسیوں میں تال میل قائم کرنا اور نئے اصول وضع کرنا ہے تاکہ ترقی پذیر ملکوں کی بیرونی تجارت اور اقتصادی ترقی کو فروغ دیا جاسکے اور انھیں ادائیگیوں کے بخراج سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ بین الاقوامی اقتصادی تعاون اور بین الاقوامی تجارت سے متعلق امور کے بارے میں گفتگو اور مذاکرات کے لیے اس کانفرنس کو جنرل اسمبلی کے اہم ترین آلہ کار کا درجہ حاصل ہے۔ یہ کانفرنس رکن ملکوں کی مختلف راجدھانیوں میں ہر چوتھے برس منعقد ہوتی ہے۔ دو اجلاسوں کی درمیانی مدت میں ایک "تجارتی و ترقیاتی بورڈ" اور اس کی متعدد کمیٹیاں اور ماتحت ادارے کانفرنس کا کام جاری رکھتے ہیں۔ بورڈ پھر بڑی کمیٹیوں پر مشتمل ہے جو اجنباء، مصنوعات، غیر مرئی برآمدات و درآمدات، تجارت کے مالیہ، جہاز رانی ٹیکنالوجی کی مشقی اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان اقتصادی تعاون اور پہنچتی کے قیام سے متعلق ہیں۔

کانفرنس کا چوتھا اجلاس مئی 1976 میں نیروپی // کینیا // میں منعقد ہوا تھا۔ اس کا آٹھواں اجلاس فروری 1992 میں کارٹاجینا // کولمبیا // میں اور نوامبر اپریل 1996 میں جوهانسبرگ // جنوبی افریقہ // میں منعقد ہوا۔ کانفرنس میں 188 ممبر شامل ہیں۔ اقوام متحده کی رکن ریاستوں کے علاوہ اور بہت سی تنظیمیں مشاہدین کی حیثیت سے اس میں شریک ہیں۔ اس کا صدر مقام جنیوا // سوئٹزر لینڈ // ہے۔

اقوام متحده کے علاقائی کمیشن // Regional Commissions of the United Nations // : اقوام متحده کی اقتصادی و اجتماعی کونسل نے یورپ، مغربی ایشیا، و مشرقِ بعید، لاطینی امریکا اور افریقہ کے لیے پانچ

اقتصادی کمیشن قائم کیے ہیں ان کمیشنوں میں علاقائی ملکوں کے علاوہ باہر کے ترقی یافہ مالک بھی مشورہ اور امداد دینے کے لیے شامل ہوتے ہیں۔ ان سبھی کمیشنوں کا مقصد متعلقہ علاقوں کے صنعتی، زراعتی اور ٹیکنالوجی کے مسائل کا مطالعہ کرنا اور رکن ملکوں کی اقتصادی ترقی کے لیے سفارشات پیش کرنا اور علاقائی و بین الاقوامی اقتصادی تعاون کو فروغ دینا ہے۔

اقوام متحدہ ہائی کمشنر برائے پناہ گزینیوں // United Nations High Commissioner for Refugees, UNHCR بین الاقوامی سطح پر تحفظ کی فرمائی ممکن ہو اور ان کے مسائل کا پابندار حل تلاش کیا جاسکے۔ ہائی کمشنر کا انتخاب اقوام متحده کی جزوی سکریٹری جزو کی نامزدگی پر عمل میں آتا ہے۔ اس کے لیے ہائی کمشنر جزو اور اقوام متحده کی اقتصادی اور سماجی کو نسل کے تینیں جواب دہ ہوتا ہے۔ اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ پناہ گزینیوں کی بین الاقوامی طور پر حفاظت کرے اور ان کی اپنے وطن کو رضا کارانہ واپسی یا دوسرا ملکوں میں باز آباد کاری یا پناہ دہنندہ ملک میں ان کی مستقل سکونت کا انتظام کرے اور ان کے مسئلہ کا مستقل حل تلاش کرے۔ اس کے علاوہ وہ قدرتی آفات کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر تباہ کاریوں میں بھی بحالی اور باز آباد کاری سے متعلق امور میں مدد کرے اور مشورہ دے۔ اس کا دفتر جنیوا // سوئٹرلینڈ // میں واقع ہے۔

اکادمی : ایک علمی یا تعلیمی ادارے کو اکیڈمی یا اکادمی کہا جاتا ہے۔ ویسے یہ لفظ بہت پرانا ہے۔ یہ اصل میں ایتھر کے ایک باغ کا نام تھا جو ایک عالم اکیڈمیس // Academs // کے نام پر بنایا گیا تھا۔ یہاں سنہ

387 ق م میں افلاطون درس دیا کرتا تھا۔ یہ مغربی خطہ کی پہلی یونیورسٹی تھی۔ افلاطون کے بعد اس کے شاگرد اور پھر پیر و یہاں تقریباً 9 سو سال تک اکٹھا ہوتے رہے اور ان مجلسوں میں علمی اور فلسفیانہ مسائل پر مباحثہ ہوتے رہے۔ 529 میں سیزرا جسٹینیان // Justinian // کے عہد میں یہ بند کر دی گئی۔ اس کے بعد سے لفظ اکادمی، افلاطون کے مکتب فلسفہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ موجودہ دور میں یہ علمی، سائنسی اور فنون لطیفہ وغیرہ کے اداروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اگست کامٹ // Auguste Comte // : ان کی پیدائش 19 جنوری 1798 کو فرانس میں ہوئی۔ کامٹ اس روایت کے علمبردار تھے جس کو Enlightenment کا نام دیا گیا ہے۔ سہقوں اور اٹھار ہویں صدی کے یورپ میں روشن خیالی کی یہ روایت دراصل فلسفیانہ اور ثقافتی تحریک تھی جس میں مسلمہ عقائد کی گرفت کی گئی۔ عقل کے آزادانہ استعمال پر زور دیا گیا۔ سائنسی تجربوں اور مشاہداتی علوم کو فروغ دیا گیا اور جس میں انسانی فلاح و بہبود کو سب سے زیادہ اہم قرار دیا گیا۔

کامٹ فرانس کے انقلاب کے خلاف تھے کیونکہ اس میں کیتھولک فرقہ پر زیادتیاں ہوئی تھیں اور چونکہ وہ حکومت کے ملازم تھے اس لیے سماجی نظم و ضبط کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ کامٹ سماج کی سائنسی تشكیل کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعے انسان کی اب تک کی ترقی کے بارے میں علم حاصل ہو سکے اور مستقبل میں ہونے والے حالات کی آکاہی ہو سکے۔ کامٹ ان قوانین کو جانا چاہتے تھے جس کے تحت سماج ایک تاریخی دور سے دوسرے دور کی جانب سفر کرتا ہے۔ یہ ان حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے جو کسی بھی تاریخی لمحے میں

سماج کو ایک ٹھہر اور دیتا ہے۔ کامٹ نے سماجیات کو اس کا نام دیا۔ یہ لاطینی اور یونانی لفظوں کا مرکب ہے۔ شروع میں انہوں نے سماجیات کو سو شل فرکس کا نام دیا تھا۔

انہوں نے سماجیات کو دو حصوں میں بانٹا۔ سماجی حرکیات // Social Dynamics // اور سماجی سکونیات // Social Statics //۔ جس کے ذریعے سماج میں ترقی اور نظام، تبدیلی اور ٹھہر اور گی باہت پتہ لگایا جاسکے۔ کامٹ کا کہنا تھا کہ انسانی سماج کو انھی سائنسی اصولوں سے سمجھنا ہو گا جنھیں اب تک قدرتی نظام کو سمجھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ جس طرح کائنات قدرت کے قانون کے ماتحت ہے بالکل ایسے ہی سماج کی حرکت اور ٹھہر اور بھی قوانین کے دائرے میں آتے ہیں۔ کائنات کی سائنس نے قدرت کی دنیا کو جس طرح دریافت کیا اسی طرح انسانی سماج کو سمجھنے کا وقت آگیا تھا۔ جس طرح سائنس کی بنیاد مشاہدے پر اور اصل واقعات پر ہوتی ہے بالکل ایسے ہی سماج کے علم کو مشاہدات اور حقائق کی ضرورت پڑے گی۔ انسانیت کی بہبود کے لیے سائنس کی جو خدمات ہیں وہی خدمات کامٹ کے بقول سماجیات سے بھی حاصل ہوں گی۔

1822 میں کامٹ نے انسانی ترقی کے قوانین مقرر کیے جسے اس نے Law of Three Stages یا "تین منزل کا قانون" کا نام دیا۔ کامٹ کا کہنا تھا کہ انسانی دماغ کا ارتقاء سماج کے ارتقاء کے شانہ بشانہ چلا ہے۔ جس طرح بچپن میں انسان زیادہ تر سنبھالی سنائی باتوں پر یقین کرتا ہے، نوبلوغیت میں تصور میں دنیا بساتا ہے اور تلقید کرتا ہے اور ادھیر عمر میں حقائق سے قریب ہو جاتا ہے بالکل ایسے ہی سماج کے پورے ارتقاء میں انسانیت تین بڑے ادوار سے گزری۔ دراصل یہ تین ذہنی رجحانات تھے۔ // 1 // ذہبی //

Abstract or // يَا تَصْوِيرَاتِي // Fictitious // 2 // مابعدالطبيعياتي // Theological

- // سائنسی یا واقعاتی // Metaphysical // Positive // 3 //

کامٹ کے بقول مذہبی دور میں انسانی دماغ وجود کی حقیقی مایبیت کی تلاش کرتا ہے اور ہونے والے واقعات کی شروعات اور مقاصد کا تجزیہ کرتا ہے۔ ایک مفروضہ یہ کار فرما رہتا ہے کہ دنیا میں ہونے والے تمام واقعات فوق البشر طاقتؤں کے سبب ہوتے ہیں۔ مابعدالطبيعياتی دور میں انسانی دماغ واقعات کے اسباب کو غیر مرئی طاقتؤں میں تلاش کرتا ہے۔ واقعات پر مبنی دور کے شعور میں انسانی دماغ حقیقت اولیٰ کی تلاش ترک کر دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کائنات کی پیدائش اور مقاصد کی تلاش سے متعلق سوالات بھی پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس دماغ کی جستجو کائنات کو چلانے والے قوانین کے تجزیہ میں وقف ہو جاتی ہے۔

گرچہ کامٹ انسانی دماغ کی بتدریج آزادی کے ارتقا کا تجزیہ کر رہے تھے مگر اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے سماجی تنظیم کی ترقی کے مختلف شکلوں کے قوانین کا احاطہ بھی کیا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سماجی ارتقا میں کامٹ نے جن قوانین کی نشاندہی کی اس میں زیادہ زور ذہنی یا تصوّراتی پہلوؤں پر ہی۔ مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کامٹ نے سماج کے ہر دور کو ایک خصوصی سماجی تنظیم اور سیاسی اقتدار سے منسلک کیا۔ مثلاً مذہبی دور میں مذہبی پیشواؤں اور فوجیوں کی حکومت تھی۔ مابعدالطبيعياتی دور کا تعلق یورپ کے قرون وسطیٰ اور نشأة ثانية سے تھا۔ اس زمانے میں چرچ کے عہدہ داران اور قانون دانوں کی حکومت تھی مگر

سماج کے پوزیٹیو دور میں سماجی نظام کی باغ ڈور صفت و صرفت کے مشتملین اور سائنسی رہنماؤں کے ہاتھ میں آگئی۔

کامٹ کی دوسری مشہور تھیوری کا تعلق مختلف علوم کی درجہ بندی سے ہے۔ اس درجہ بندی میں کامٹ نے علمِ نجوم کو سب سے کم حیثیت کا بتایا اور معیاری علوم میں فرکس، کیمسٹری، بیولوژی کے بعد سب سے اعلیٰ 'معیار کی سطح پر سماجیات کو رکھا۔

کامٹ کا تعلق فرانس کے پرآشوب سماجی دور سے تھا۔ اس زمانے کی سیاسی اتحال پتھل کے پیچے معاشی اور سماجی تبدیلی بھی تھی۔ دراصل صنعتی انقلاب کا اثر انسانی زندگی پر رونما ہو چکا تھا۔ کامٹ اپنے عہد میں علمی حلقوں کی توجہ کا مرکز نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خیالات میں نہ تواریخ العقیدگی تھی اور نہ ہی فکری رجحانات کے دیے ہوئے ڈھانچوں کی پابندی تھی۔ اگرچہ کامٹ کی تھیوری اور اس کے نظریات کی حیثیت سماجیات کی تاریخ میں تبرک کی ہے لیکن اس کے باوجود سماجیات کے بے قیاس سوالات جو سماجی ترقی اور تسلسل کے آپسی ٹکراؤ سے پیدا ہوتے ہیں وہ کامٹ کی تھیوری کے بڑے دائروں میں آج بھی موجود ہیں۔

کامٹ کا مانا تھا کہ جس طرح بیولوژی میں Anatomy // علم تشريح الاعضاء // یا Physiology // علم افعال الاعضاء // کو الگ الگ سمجھنا مفید ہوتا ہے بالکل یہی فرق سماج کے ساکت اور متحرک پہلوؤں میں کرنا چاہیے۔ اس فرق کے بارے میں کامٹ کا کہنا تھا کہ یہ دو الگ الگ حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ تھیوری کے دو مختلف پہلو ہیں۔ ان کا تعلق سماجی نظام اور سماجی ترقی سے ہے۔ نظام میں سماجی وجود کے مختلف

حالات کی آپسی مستقل ہم آہنگی کو دیکھا جاتا ہے جبکہ ترقی میں سماجی ارتقاء کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ نظام اور ترقی، سماج کے ساکت اور متحرک پہلوؤں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔

کامٹ سماجیات کے ساتھ ساتھ پوزیٹیو یا مشتبہ فلسفہ کی تھیوری کے لیے بھی مشہور ہیں۔ ان کے ذہن میں مستقبل کے پوزیٹیو سماج کا ایک خالہ تھا، وہ سماج جس میں نئے پوزیٹیو مذہب // بمعنی سائنس اور ٹینکنالوجی کے // کا مذہبی پیشا، بینک اور انسٹری کے یڈران کے اشتراک میں سماج پر حکومت کرے گا۔ ان کے پاس اعلیٰ علم کی طاقت ہوگی جس کی بنابر وہ لوگوں کو اپنے فرائض پر عمل کرو سکتے ہیں۔ یہ حکمران تعلیم کے ڈائرکٹر ہوں گے اور سماج کے ہر فرد کی صلاحیتوں کو سمجھنے والے اعلیٰ منصف بھی۔ اس نئے سماج میں جن چیزوں کو حکومت کے انتظامیہ میں شامل کیا جائے گا وہ دراصل افراد کے آپسی تعلقات ہوں گے۔ اس نئے سماج میں محبت اصول ہوگا جس کی بنیاد نظم و ضبط میں ہوگی اور جس کا اعلیٰ مقصد ترقی ہوگا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں کامٹ اپنے آپ کو سماجی سائنسٹ ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک نئے مذہب کا بانی بھی۔ وہ مذہب جس میں انسانیت کو اس کے امراض سے نجات دلانے کا وعدہ تھا۔ سماجیات کی تاریخ میں کامٹ کے خیالات کا یہ پہلو صرف تاریخ کا حصہ ہو کر رہ گیا کیونکہ سماجیات پر سائنس کا غالبہ طاری ہونا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن، ہمیں کامٹ کو اس کے اپنے عہد کے تقاضوں اور پیرائیے میں دیکھنا چاہیے۔

الاحکام السلطانیہ: امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی // متوفی 450ھ/1058ء // کی مشہور تصنیف ہے وہ شافع مسلم کے مشہور فقیہ اور اپنے زمانہ کے اکابر علماء مصنفوں میں تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے تھے آخر میں بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ مختلف شہروں میں قضا کی خدمت پر بھی مامور رہے تھے۔ الاحکام

السلطانیہ کے علاوہ فقہ، تفسیر، اصول دین اور ادب وغیرہ مستند کتابیں لکھی تھیں۔ الاحکام السلطانیہ اسلامی نظام و آئین حکمرانی اور سیاست مدن پر بسot اور اہم کتاب ہے جو بیس ابواب پر مشتمل ہے اس میں حکومت کے جملہ شعبوں مثلاً امارت والیان ریاست فوج پولیس قضا فوج داری لامت صلوٰۃ تحصیل زکوٰۃ امارت حج جزیہ و خراج تقسیم فی غنیمت مواد افتادہ زین چراگاہ پڑائو اقطاع // جاگیرات // دفاتر جرائم کے قوانین اور احتساب کے احکام وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب مصر سے چھپ گئی ہے۔ 1895 میں پیرس سے فرنچ ترجمہ و شروع کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ اردو ترجمے حیدر آباد اور کراچی سے شائع ہوئے ہیں۔ اختلافات ابوحنیفہ و ابن ابی لیلی۔ یہ بھی لجنة احیاء المعارف الغانیہ سے چھپی ہے۔ اس میں امام ابویوسف نے اپنے دونوں استادوں کے اختلافات نقل کر کے اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی اور بعض میں ابن ابی لیلی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور کہیں کہیں دونوں سے اختلاف کیا ہے۔ اس کے راوی امام محمد ہیں۔
الاسلام و اصول الحکم: یہ کتاب شیخ علی مہدی الرزاق کی تصنیف 1343ھ م 1925ء میں مصر سے شائع ہوئی تھی۔ مصنف شیخ مفتی محمد عبد اللہ کے شاگرد جامعہ ازہر کے فاضل اور مصر کی مذہبی عدالتون میں عہدہ قضات پر فائز رہے تھے۔ وہ جدت پسند واقع ہوئے تھے اس کتاب میں بھی ان کے بعض ترقی پسند انہ خیالات موجود ہیں۔ اس میں وہ خلافت کی منسوخی اور دین و سلطنت کی تفریق کا ذکر کر کے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ فقہ اسلامی کو شہری زندگی کے ضابطے کی حیثیت سے ترک کر دینا چاہیے تاکہ ایک ایسا نیا اور ترقی پذیر معاشرہ وجود میں آسکے جو عقل و حکمت اور متمدن قوموں کے تجربات پر مبنی ہو۔

اجماع الصغير: یہ فہری احکام و مسائل کا مجموعہ ہے ان میں اکثر کاماند خدیث نبوی اور آثار صحابہ و تابعین ہیں۔ امام ابو یوسف نے ان سے فرائش کی تھی کہ وہ ان روایتوں کو جمع کر دیں جو میں نے امام صاحب کے واسطے سے ان کو سامع کرائی ہیں۔ چنانچہ جب امام محمد نے اس کو مرتب کر کے ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی بڑی تحسین کی۔ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا حاشیہ بھی متداول ہے۔

اجماع الکبیر: اس میں بھی نادر اور اہم مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور یہ روایت و درایت دونوں حیثیتوں سے بے نظیر ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فقه میں اس سے زیادہ جامع کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کی اہمیت اور گوناگوں فوائد کی وجہ سے ممتاز فقہائے مجتہدین نے اس کی متعدد شرحیں لکھیں۔ احیاء المعارف النعمانیہ سے یہ کتاب چھپ گئی ہے۔

الڈر مین // Alderman // : بعض ریاستوں میں قانون بلدیات کے تحت بلدیہ کے ارکین کے علاوہ چند الڈر مین کا بھی انتخاب کیا جانا ضروری ہے۔ یہ انتخاب ارکین بلدیہ یعنی ممبر ان کمیٹی یا کارپوریشن کرتے ہیں۔ ایسے اشخاص کا انتخاب بہ حیثیت الڈر مین کیا جاتا ہے جو پہلے کبھی ارکین بلدیہ رہ چکے ہوں یا رٹائرڈ انجینئر یا ڈاکٹر یا سرکاری افسر ہی ہوں۔ الڈر مین کی ضرورت اس لیے سمجھی گئی کہ وہ اشخاص جنہیں شہری اور پہلک نظم و نسق کا تجربہ ہوان کی رائے اور مشوروں سے استفادہ کا موقع مل سکے۔ الڈر مین کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو دیگر ارکان شہری انظامیہ کی ہوتی ہے لیکن کسی الڈر مین کا انتخاب بہ حیثیت چیر مین بلدیہ یا بہ حیثیت میئر میونسپل کارپوریشن نہیں کیا جا سکتا۔

الرد على سير الأوزاعي: یہ بھی حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں جنگ کے قواین اور اس سے متعلق امور کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ اہل شام کے مرجع امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہ کی کتاب کا رد لکھا تھا۔ امام ابو یوسف نے امام اوزاعی کے جواب میں یہ کتاب لکھی تھی۔ اس میں ہر عنوان کے تحت پہلے امام ابو حنیفہ کا قول نقل کیا ہے پھر اس کے بارے میں امام اوزاعی // متوفی 157ھ / 773ء // کے اعتراض کا ذکر کر کے اس کی مدلل تردید کی ہے۔

الرسالہ فی اصول: یہ اصول میں سب سے پہلا رسالہ ہے جو قاہرہ سے 1312ھ میں چھپا تھا۔ اس میں شریعت کے مصادر اور اصول فقہ سے بحث کی ہے اور اس ضمن میں قرآن و سنت کا درجہ معین فرمادیا ہے اور خبر واحد کی صحت اجماع اور قیاس پر بھی مدلل بحث کی ہے۔ اس کے متعدد زبانوں میں ترجمے چھپ گئے ہیں۔ اردو ترجمہ بھی پاکستان سے طبع ہوا ہے۔

الزيادات: یہ بھی فقہ میں امام محمد کی تصنیف ہے۔ اس کو الجامع الکبیر کا ضمیر سمجھنا چاہیے کیونکہ جو فروع اس میں اس کے نتھے وہ اس میں آگئے ہیں۔ اس کی بھی کئی شرعیں لکھی گئی ہیں۔ زیادات کے بعد زیادات الزیادات بھی لکھی تھی جو مزید فروع پر مشتمل ہے۔ امام محمد کی متعدد اور تصنیف کا بھی اصحاب فہرست و تراجم نے ذکر کیا ہے۔

السیر الصغیر: سیر و مغازی پر امام ابو حنیفہ اپنے تلمذہ کو جو کچھ املاکرتے تھے امام محمد کی یہ کتاب اس کا مجموعہ ہے۔

السیر الصغیر و السیر الکبیر: یہ دونوں کتابیں فقہ حنفی کے مشہور مدون و جامع اور امام ابوحنینہ کے نامور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کی تصنیفات ہیں۔ پہلے انہوں نے السیر الصغیر لکھی اس کو امام او زاعی نے دیکھا تو طعن کیا کہ اہل عراق کو سیر مغازی سے کیا نسبت۔ امام محمد کو خبر ہوئی تو انہوں نے السیر الکبیر لکھی جو فن سیر و مغازی کی نہایت عمدہ کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اس میں جہاد و قتال اور صلح جنگ کے طریقوں اور موقع کا ذکر نیز دوسری قوموں سے مسلمانوں کے تعلقات تجارت ان کے حقوق اور دوسرے معاملات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ امام محمد کے اخیر زمانہ کی تصنیف ہونے کی وجہ سے قوت استدلال اور دقت نظر کے اعتبار سے ان کی تمام کتابوں میں ممتاز ہے خلیفہ ہارون رشید نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور اپنے شہزادوں کو امام صاحب کے پاس بھجا کہ ان سے اس کی سند لیں۔ السیر الکبیر کے قلمی نسخے متعدد کتب خالوں میں موجود ہیں۔ اس کا ترکی ترجمہ ہوا ہے اور کئی شریحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ امام سرخس کی 490ھ/1097ء شرح سب سے زیادہ مقبول ہوئی یہ مع متن حیدر آباد سے چھپی ہے۔

العالم والمتعلم: سوال و جواب کے طرز پر ایک رسالہ ہے۔

العقد الفريد: یہ ادب کی نہایت مشہور کتاب ہے اس کا مصنف شہاب الدین ابو عمرو احمد بن محمد بن عبد الرحیم تیسرا چوتھی صدی ہجری کا ممتاز ادیب نقاد اور شاعر تھا اپنے عمدہ مذاق، شعرو ادب کی وجہ سے وہ اندلس کے خلافائے بنی امیہ کا امیر الشعرا ہو گیا تھا۔ العقد الفريد اس کا شاندار ادبی شہپارہ ہے جو اس زمانہ کے مروجہ علوم و فنون کا مخزن ہے اسکی حیثیت دائرة المعارف // انسائیکلوپیڈیا // کی ہے جس میں متفرق مسائل مختلف واقعات النساب امثال طب، موسيقی، شعرو شاعری اور تاریخ و جغرافیہ وغیرہ کے متعلق

گوناگوں نادر معلومات جمع کیے گئے ہیں۔ اس سے عربوں کے اجتماعی سیاسی، معاشی اور ادبی حالات کا پتہ چلتا ہے۔

العقد الفريد اسم بامسمی ہے اس کے چھیس ابواب میں ابن عبدریہ نے تمام عنده معلومات ہار کے موتیوں کی طرح بڑی خوبی سے مرتب کیے ہیں ہر باب کا نام کسی قیمتی پتھر یا جوهر پر رکھا ہے وہ ہر باب کے شروع میں اس کی غرض و غایت بھی بتا دیتا ہے۔

ابن عبدریہ کی ولادت 246ھ / 860ء میں قرطبه میں ہوئی تھی اور وہیں 328ھ / 940 میں وفات ہوئی۔
الکٹراک وسائل حوالجاتی خدمات : کتب خانہ سے ملنے والی مختلف خدمات میں حوالہ جاتی خدمات مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ خدمات عام طور پر دو قسم کے سوالوں کے جواب میں فراہم کی جاتی ہیں۔ سوالات کی ایک قسم وہ ہے جو کیا، کب، کہاں، کون وغیرہ جیسے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ ہندستان کا پہلا صدر کون تھا، کب پیدا ہوا، کہاں پیدا ہوا وغیرہ اس قسم کے سوالوں کی مثال ہیں۔ دوسرے قسم کے سوالات وہ ہوتے ہیں جن کے جوابات کے متلاشی محققین ہوتے ہیں جو اپنے زیر مطالعہ موضوع کے سلسلے میں ہوئی کسی بحث، کسی دوسرے فرد کی اسی موضوع پر ہونے والی تحقیق کے نتائج، کسی نکتہ کی وضاحت کے لیے حوالہ جاتی خدمت کے لائبریریں کی مدد چاہتے ہیں۔ پہلے قسم کے سوالات کے جوابات کے لیے کتب خانہ میں پہلے سے مرتب لغات، انسائیکلوپیڈیا، دستی کتب، ڈائریکٹری و سوانحی لغات جیسی حوالہ جاتی کتابیں ہوتی ہیں جبکہ دوسرے قسم کے سوالات کے جوابات کے لیے حوالہ خدمت لائبریریں مختلف ذرائع اور وسائل کا

استعمال کر کے موضوع سے متعلق کتابیات اور دوسرے اشاریائی خدمات کی مدد اور کبھی کبھی ماہرین کی مدد لے کر جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس عمل میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔

حوالہ فراہمی کی خدمت کے اس روایتی طریقہ میں پچھلی صدی کے نصف آخر میں معلومات کی ذخیرہ کاری اور فراہمی کے عمل میں ٹکنالوجی کے میدان میں ہونے والی پیش رفت نے ایک انقلابی تبدیلی پیدا کر دی ہے اور جس تلاش میں پہلے گھنٹوں اور دنوں کو صرف کرنا پڑتا تھا کمپیوٹر کی بدولت معلومات کے الیکٹرانک شکل میں دستیاب ذخیرہ: ڈیٹا بیس سے وہ منٹوں سکنڈوں میں مکمل ہو جاتا ہے۔ حوالہ جاتی خدمات کے کارکن کی میز بقول ولیم اے کائز کتابوں کی جگہ اب مانیٹر، اسکنر // Scanner // ، کی بورڈ، ٹیلی فون، فیکس اور کمپیکٹ ڈسک // منضبط چھوٹی طشتی // نے لے لی ہے۔ معلومات کی فراہمی کتابوں اور رسائل سے سیدھے طور پر نہ ہو کر ڈیٹا بیس یا الیکٹرانک ذخیرہ مواد کے ذریعہ ہونے لگی ہے۔ یہ ڈیٹا بیس کمپیکٹ ڈسک ریڈاؤنلی میموری // CD-ROM // یا منضبط طشتی محض برائے مطالعہ کی شکل میں یا ان لائن // On Line // فراہمی دونوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔

ڈیٹا بیس جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ڈیٹا کی شکل میں دستیاب ذخیرہ معلومات ہے۔ اصطلاحی معنوں میں ڈیٹا معلومات کے اس طkrے کو کہتے ہیں جس کا تنہا کوئی مفہوم نہ ہو لیکن سیاق و سبق میں با معنی بن جائے لیکن عرف عام میں یہ لفظ معلومات کا متادف ہے۔ ڈیٹا بیس کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب ایک ڈیٹا بیس فراہم کرنے والی کمپنی معلومات فراہم کرنے کا نقشہ بناتی ہے۔ اس وقت اسے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ

مکپیوٹر کے یاد خانے میں محفوظ کی جانے والی معلومات کی شناخت کے لیے کون سے اجرا اہم ہیں جنہیں نمایاں طور پر درج کیا جائے اور کون سے اجرا ہیں جن کی ترتیب میں مکپیوٹر کی مدد سے روبدل کر کے حسب نشا معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مشینی مطالعہ صلاحیت کی اس معلومات کی فائل مکپیوٹر ٹیپ یا ڈائروی ڈسک پر لیئر شاعروں کی مدد سے بھی تیار ہوتی ہے اور شناخت بھی ہوتی ہے۔ یہ عددی صورت میں مقناطیسی فیٹہ یا ڈسک پر ثبت ہوتی ہے جس کا مطالعہ ایک مرتب مکپیوٹری زبان یا سافت ویر کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ جب ڈیٹا مشینی مطالعہ صلاحیت حاصل کر لیتا ہے تو اس تک دسترس کے راستے ایک سے زائد ہو جاتے ہیں۔ ڈیٹا بیس کے اندر اج کو کلیلاگ کارڈ پر اندر اج کی تفصیل سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کلیلاگ کارڈ کتب خانہ کے علمی مواد کا ایک غیر الیکٹریک انک ریکارڈ یا ڈیٹا بیس ہے۔ اس کے مدخل // Entry // کی تیاری میں اولیت مصنف یا عنوان کو دی جاتی ہے۔ اس کے بعد مواد کی دیگر معلومات درج ہوتی ہیں جو اس مواد کی شناخت اور کتب خانہ میں اس کی موجودگی کی جگہ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ مدخل کا پہلا لفظ // مصنف کا خاندانی نام // نقطہ دسترس // Access Point // ہوتا ہے۔ دیگر تفصیلات اپنی جگہ نہ بدل سکنے کی صورت میں نقطہ دسترس نہیں بن سکتیں۔ لیکن یہی معلومات جب الیکٹریک انک ڈیٹا بیس میں درج ہوتی ہیں تو عنوان، عنوان میں موجود کلیدی الفاظ، سن اشاعت، ناشر جیسے مخدود نقطہ دسترس // Static // متعش نقطہ دسترس // Dynamic Access Points // بن جاتے ہیں اور اس طرح ڈیٹا بیس میں موجود مواد تک پہنچنے کی راہیں کئی گناہڑھ جاتی ہیں کیونکہ ان جملہ اندر اجات کی ترتیب میں روبدل کر کے کسی کو بھی اولیت دی جاسکتی ہے۔ مکپیوٹر میں موجود بولین منطق // Boolean Logic //

// کی بنیاد پر کلیدی الفاظ یا اصطلاحات کے با معنی جوڑ // Set // بنانے کی صلاحیت اور الفاظ میں عمل قلم تراشی // Truncation // کی بدولت ابتدائی یا آخری جز حرف کو حذف کر کے مواد کی تلاش دائرة وسیع کیا جاسکتا ہے۔ بولین منطق میں اور / یا / نہیں جیسے لفظ جوڑ کر با معنی سیٹ بنائے جاتے ہیں۔

مولانا آزاد اور خلافت

مولانا آزاد یا خلافت

مولانا آزاد نہیں خلافت

کسی بھی سیٹ سے مواد تلاش کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم مکپیوٹر کو حکم دیں کہ صرف کاری والے الفاظ مانیٹر پر دکھائے جائیں تو، میں سحر کاری، شجر کاری، کشیدہ کاری، منبت کاری جیسے سیٹ دیکھنے کو مل سکتے ہیں اور پھر ہم اپنی ضرورت کے لفظ / اصطلاح کی نشاندہی کر کے در کار مواد حاصل کر سکتے ہیں۔ مکپیوٹر کی مختلف ڈھنگ سے اشاریہ سازی کی صلاحیت بھی مطلوبہ حوالہ حاصل کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ ڈیٹا بیس کو مختلف سیاق و سباق میں دیکھ سکتے ہیں۔

ڈیٹا بیس - انظام

ڈیٹا بیس - دسترس

ڈیٹا بیس - ڈیزائن

ڈیٹا بیس - فائل

اس طرح نہ صرف یہ کہ مواد تک دسترس کے راستوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے بلکہ بسا اوقات مکمل طور پر صحیح ترتیب میں الفاظ نہ سوچ سکنے کی صورت میں در کار مواد تک دسترس ممکن ہو جاتی ہے۔

الیکٹرانک ڈیٹا بیس یا الیکٹرانک ذخیرہ معلومات کو داخلی خصوصیات کی بنیاد پر کتابیاتی // Bibliographic اور غیر کتابیاتی ڈیٹا بیس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کتابی ڈیٹا بیس روایتی اشاریائی اور تلخیصی خدمات کے متعدد ہیں۔ عرف عام میں ڈیٹا بیس سے مراد اسی قسم کا ذخیرہ مواد ہوتا ہے۔ اس میں بنیادی ریکارڈ مضمون یا کتاب کی کتابیاتی تفصیل مثلاً مصنف کا نام، عنوان مضمون، رسالہ جہا نمضمون شائع ہوا اس کی جلد شمارہ نمبر اور تاریخ و صفحات کی تفصیل اور اگر ضرورت ہو تو اس کی تلخیص پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ڈیٹا بیس ایک موضوع پر مضامین اور کتابوں میں موجود مواد کا ریکارڈ ہو سکتا ہے یا ایک خاص قسم کے مواد کا کتابیاتی ڈیٹا بیس ہو سکتا ہے۔ مثلاً گسرٹیشن ایپسٹریکٹ آن لائن۔ غیر کتابیاتی ڈیٹا بیس کو درج ذیل اقسام میں رکھا گیا ہے:

متنی ذخیرہ معلومات الیکٹرانک // Full Database جس میں مواد کا مکمل متن دستیاب ہوتا ہے۔

عددی ذخیرہ معلومات الیکٹرانک // Numeric Database اس میں اعداد و شمار، سائنسی فارمولے، کیمیائی عناصر اور مركبات کی طبعی خصوصیات وغیرہ ہوتی ہیں۔

نقشی ذخیرہ معلومات الیکٹرانک // Image Database اس طرح کے ڈیٹا بیس میں ٹریڈ مارک غیر رومن حروف، علامت و نشانات، تجارتی فرموں کے امتیازی نشان // Logo علم کیمیا سالمہ کے ساخت // وغیرہ ہوتے ہیں۔ Chemical Structure //

ڈائریکٹری / ایڈریس ذخیرہ معلومات الائچے انک // Directory Database // اس کا بنیادی ریکارڈ تجارتی فرموں کے پتے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سوسائٹیوں اور اداروں نیز انہم نوں کے پتے بھی ہو سکتے ہیں۔ الائچے انک وسائل کی ایک اور قسم ہے جسے کتابیاتی رفای ذخیرہ // Bibliographic Utilities // کہہ سکتے ہیں۔ یہ بڑی تعداد میں کتب خانوں کے کٹیلگ ریکارڈ کو یکجا کرنے سے وجود میں آتے ہیں۔ ان کی ایک مثال لائبریری آف کانگریس کی فہرست کتب ہے۔ لائبریری آف کانگریس نے کٹیلگ یکجا کرنے کے لیے ایک معیاری اندر اجی خالک بنایا ہے جسے مارک یا مشینی مطالعہ صلاحیت کٹیلگ کا نام دیا گیا ہے۔ اب دوسری قومی لائبریریوں نے بھی اس کی اتباع کی ہے۔ امریکا کی ریاست اوہیو میں موجود آن لائن مکپیوٹر لائبریری سنٹر // OCLC // کے پاس 18000 کتب خانوں کے 300 زبانوں میں موجود 30 ملین ذخائر کا ریکارڈ موجود ہے جو مکپیوٹر کی مدد سے دیکھا جاسکتا ہے۔

معلومات فرائی نظم: ڈیٹا بیس سے مواد حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: آن لائن ریٹریول سسٹم // بین مکپیوٹر حصول مواد نظام // اس طریقہ میں متلاشی مواد اپنے مکپیوٹر کا تعلق معلوماتی ذخیرہ کار مکپنی یا ادارہ کے مکپیوٹر سے قائم کرتا ہے۔ یہ رابطہ مکپیوٹر میں لگائے ایک موڈیم کی مدد سے ہوتا ہے۔ موڈیم کا کام پیغام کو مکپیوٹری زبان میں بدل کر دوسرے مکپیوٹر تک بھیجننا اور موصول پیغام کو مکپیوٹر پر پڑھ سکنے کی زبان میں تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ اس طریقہ تحصیل مواد کی بڑی خوبیاں ہیں۔ متلاشی مواد فرد یا کتب خانہ ایک سے زائد ڈیٹا بیس سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ لاتعداد ڈیٹا تک دسترس ہو جاتی ہے۔ مثلاً امریکا کو قومی لائبریری برائے طب کے پاس ہزاروں کی تعداد میں ڈیٹا بیس موجود ہیں لیکن اس طریقہ تحصیل مواد میں کچھ مشکلات

بھی ہیں۔ ہر کمپنی یا ادارہ اپنے ڈیٹا بیس تک دسترس کے لیے مخصوص کمپیوٹری زبان // Software اور اشارے // Command // وضع کرتا ہے جسے معلوم ہونا ضروری ہے۔ کچھ ڈیٹا بیس لیسے ہوتے ہیں جو صرف ایک ہی ادارے سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک وقت میں کئی اداروں سے رابطہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتب خانہ میں موجود مشینی وسائل کے اور بھی مقامی مصرف ہوتے ہیں۔ اس بار بار تبدیلی رابطہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہر دسترس مالی پہلو بھی رکھتی ہے اس تلاش مواد کی ہزمندی بہت ضروری ہے۔ آن لائن نظام بندش آزاد نظام ہے جس کی تین بڑی خوبیاں ہیں۔ اول کمپیوٹر میں محفوظ معلومات کی تعداد غیر محدود ہوتی ہے اور متلاشی مواد کو منٹوں اور سکنڈوں میں دستیاب ہو جاتی ہیں اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تازہ ترین معلومات کسی لمجہ بھی محافظ خانے میں شامل کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح آن لائن نظام میں تازہ ترین معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔

سی ڈی روم: حصول مواد کا دوسرا طریقہ بصری طشتہ نظام // Optical Disc System // ہے۔ بصری طشتہ سے مراد وہ الیکٹرانک وسیلہ ہے جس پر معلومات ثبت کرنے کا عمل اور مطالعہ دونوں میں لیزر ٹیکنالوجی // Laser کا استعمال ہوتا ہے۔ اس طشتہ پر تن مضمون، اعداد و شمار، نقش، تصاویر یا ان سب کا مجموعہ عددی صورت میں ثبت ہوتا ہے۔ ایک ڈسک پر کم از کم 250,000 صفحات ثبت کیے جاسکتے ہیں۔ ان کے معلومات سਮونے کی صلاحیت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اب صرف ایک طشتہ پر جملہ دستیاب یونانی ادب کا 99% حصہ درج کیا جاسکتا ہے۔ نسبتاً قیمت اور آسانی سے لاائق استعمال منضبط طشتیاں حوالہ جاتی خدمات میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اب ایک ہی طشتہ سے مقامی نظام انسلاک کمپیوٹر

// یالان کے ذریعہ کئی مانیٹروں پر مواد دیکھا جاسکتا ہے۔ عموماً سک پر معلومات ایک خاص مدت تک درج ہوتی ہیں لیکن فراہم کرنے والی کمپنیاں نئی معلومات اضافہ کے ساتھ متعین وقہ سے نئی ڈسک فراہم کرتی ہیں۔ معلومات اضافہ کی دو قسمیں ہیں ایک جس میں پہلے سے موجود مواد میں مزید اضافہ کر دیا جاتا ہے دوسرا جس میں اگر ایک سال کا نیا مواد شامل کیا گیا تو شروع کے ایک سال کا مواد نکال دیا گیا۔

منضبط طشتی کی کئی اقسام ہیں۔ ایک جس میں درج معلومات صرف پڑھی جاسکتی ہیں اسے سی ڈی روم // CD-ROM // یعنی منضبط طشتی محض برائے مطالعہ کہتے ہیں۔ دوسری وہ ہوتی ہیں جن پر معلومات تبدیل بھی کی جاسکتی ہیں۔ لیکن کتب خانوں میں سی ڈی روم ہی مقبول ہیں۔

ہندستان میں قومی سطح کے اداروں مثلاً نیشنل سائنس انفارمیشن سنٹر بنگلور، انسڈاک نئی دہلی، نیشنل سو شل سائنس ڈاکو مینیٹیشن سنٹر نئی دہلی اور نیشنل انفارمیٹک سنٹر نئی دہلی نے کئی اہم ڈیٹا بیس سی ڈی کی شکل میں حاصل کر لیے ہیں اور ان سے حوالہ خدمات فراہم کرتے ہیں۔ ان اداروں نے مقامی طور پر بھی سی ڈی وضع کی ہیں جن پر تجارتی ضرورتوں کے اور سائنسی موضوعات سے متعلق خدمات دستیاب ہیں۔

کیا آئندہ برسوں میں الیکٹر انک وسائل حوالہ جات کتابی وسائل کی ضرورت ختم کر دیں گے۔ اس سوال کا جواب ابھی ممکن نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ الیکٹر انک وسائل نے معلومات کی دستیابی کو بہت آسان اور برق رفتار بنادیا ہے۔ اور علاقائی اور عالمی سطح الیکٹر انک وسائل کی تشكیل اور استعمال بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

چنانچہ آج انٹرنیشنل ائمک انجینئرنگس کی الیکٹریکنک جوالہ جاتی وسیلہ انس // INIS // اور فوڈ اینڈ اینگریج پلچر آرگانائزیشن کی حوالہ جاتی خدمت اینگریزس // AGRIS // کے بغیر تحقیق کا کام مشکل ہو جائے گا۔

المسالک المالک: یہ فن جغرافیہ کی ایک کتاب کا نام ہے جس میں بغداد سے مختلف ملکوں کی آمد و رفت کے راستوں اور مسافتوں کا ذکر ہے مصنف کا نام ابوالقاسم عبد اللہ بن احمد بن خردرازیہ تھا وہ اپنے دادا کے نام کی نسبت سے ابن خراد ازیہ کہلاتا تھا۔ یہ مجوہی تھے اور بر امک کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

ابن خردرازیہ کا اصلی وطن خراسان تھا مگر اس نے مستقل سکونت بغداد میں اختیار کر لی تھی۔ 211ھ/826ء میں اس کی ولادت اور 300ھ/912ء میں وفات ہوئی۔

ابن خردرازیہ ڈاک اور خفیہ اطلاعات کے محکمہ کا افسر اور عباسی خلیفہ معتمد کا خاص مصاحب اور ندیم تھا اس نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں المسالک المالک بہت مشہور اور عربی زبان میں فن جغرافیہ پر پہلی باقاعدہ کتاب ہے۔ اس میں راستوں کے علاوہ بعض ملکوں اور قوموں کی عادات و مالوفات نیز مختلف تاریخی معلومات بھی درج ہیں۔ ابن خردرازیہ کے علم جغرافیائی معلومات کی بنیاد بطیموس کا جغرافیہ ہے لیکن معلومات اس کے محکمہ کی سرکاری اطلاعات اور تاجروں اور سیاحوں سے اس کی ملاقات کا نتیجہ ہیں۔

المسالک المالک میں ہندوستان کے بڑی و بھری راستوں اور یہاں کی قوموں اور مختلف ذاتوں کے بارے میں بھی معلومات بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب تیسرا صدی ہجری کے وسط میں تحریر کی گئی تھی۔

نوٹ: المسالک المالک کے نام سے ابن حوقل 358 // ھ/979 // نے بھی ایک کتاب لکھی تھی وہ بھی مشہور سیاح اور جغرافیہ نویس تھا۔ اس کی کتاب لیدن سے طبع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ابو اسماعیل ابراہیم

بن محمد اصطخری نے مسالک الملک کے نام سے کتاب لکھی تھی۔ یہ ابن حوقل کا، ہم عصر اور فن جغرافیہ کا عالم تھا اس کی کتاب بھی لیدن سے بچپی ہے ان دونوں کتابوں کا موضوع بھی جغرافیہ ہے۔

الہدایہ: یہ اسلامی قانون اور فقہ حنفی کی مستند اور مہتمم بالشان کتاب ہے جو حنفی فقہ کی بہترین و عمدہ اور اسلامی فقہ کی اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اس کے مصنف بربان الدین علی بن ابو بکر بن عبد الجلیل فرعانی // 1135ھ / 1759ء میں پیدا ہوئے اور 1197ھ میں وفات پائی۔ وہ اپنے زمانہ کے فقہ اور اصول فقہ ادبیات اور دوسرے متداول علوم کے مہر تھے۔ شیخ اکمل الدین کا بیان ہے کہ ہدایہ کی تصنیف میں تیرہ سال تک مشغول رہے اور اس مدت بھر روزہ رکھتے رہے۔ ان کے زبد و ارتقا کی وجہ سے ہدایہ کو بڑی شهرت و مقبولیت نصیب ہوئی اور یہ ہر دور میں درسیات میں داخل رہی۔ انھوں نے پہلے بدایۃ المبتدی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کے مسائل کو ہدایہ میں مفصل تحریر کیا ہے۔ یہ حقیقتاً ابو الحسن احمد بن محمد کی مختصر القدوری اور امام محمد کی الجامع الصغیر کی شرح ہے۔ اس میں ابوحنیفہ اور اکابر فقهاء اخاف کے علاوہ امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے اقوال و دلائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

ہدایہ کی مقبولیت کی وجہ سے اس کی عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ میں بے شمار شرحدیں اور تعلیقات لکھی گئی ہیں جن میں عنایہ اور ابن ہمام کی فتح القدر وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ بعض علماء نے ان حدیثوں کو یکجا کر کے ان کی تحریخ لکھی ہے جو ہدایہ میں متفرق طور پر درج تھیں۔ اس طرح کی کتابوں میں نصب الرایہ بہت معروف ہے۔

ہدایہ کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ لارڈ ہمسٹڈنگر کے حکم سے چارلس ہمٹن نے انگریزی ترجمہ کیا تھا جو 1791 میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ اور مولوی غلام یحییٰ خان اور دوسرے فضلانے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا جو 1807 میں کلکتہ سے چھپا تھا۔

لام: یہ لفظ ام یوم سے بنائے جس کے معنی قصد کرنا ہیں۔ پس امام وہ ہے جس کو مرجیعت حاصل ہو اور لوگ اس کا قصد کریں اس کی جمع ائمہ ہے۔ اسی لیے کسی قوم کے سربراہ، سردار، قائد، رہنماء، مقتدر، پیشوای اور بادی کو امام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں اور مشکل امور و مسائل میں ان کی جانب سے رجوع ہو کر ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ اس مفہوم میں بہت عام ہے۔
قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؐ کو لوگوں کا امام اس حیثیت سے کہا گیا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سبھی کے پیشوائیں اور سب ان کے شیع ہونے کے مدعا ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی قرآن نے ائمہ کہا ہے اور خود قرآن اور رسول کریم ﷺ کو بھی امام کہے جانے کا سبب یہی ہے کہ مسلمان ان دونوں کو اپنا بادی اور راہبر سمجھتے ہیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں امام کا لفظ راستہ کے معنی میں بھی آیا ہے کیونکہ لوگ راستے پر چلنے اور اس کا قصد کرتے ہیں انسان کے نامہ اعمال کو امام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں اس کی پیروی کی جائے گی اور اس میں جو کچھ درج ہوگا اس کے مطابق انسان کو سزا اور جزا دی جائے گی اب یہ لفظ عموماً حسب دبیل معنوں کے لیے اصطلاحی ہو گیا ہے۔

// 1 // نماز پڑھانے والے کو بھی امام کہتی ہیں اس کے لیے سب سے مقدم وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو کتاب و سنت کے علم میں سب سے فائق اور برتر ہوا س کے بعد اپھا قرآن پڑھنے والا زیادہ متقدی زیادہ عمر شخص ہے۔ اگر نماز پڑھانے کے لیے موزوں اور اہل شخص نہ ہو تو غیر موزوں افراد کے پیچے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ مگر پاگل، مجنون، مدبوش، نابلغ لڑکے، عورتیں اور خلقۃ مَعْذُور اشخاص امامت نہیں کر سکتے۔

اہل تشیع کے یہاں نماز پڑھانے والا امام نہیں کہلاتا کیونکہ وہ امام کا اطلاق صرف ائمہ اثنا عشر // بارہ اماموں // پر کرتے ہیں اس کو پیش نماز کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نماز پڑھانے والے کے لیے یہ اوصاف ضروری ہیں ایمان، عدالت، عقل، بلوغ، طہارت اور نسب۔ اگر ان اوصاف کے حامل اشخاص نہ ہوں تو نماز فرد اگردا اور بلا جماعت ادا کی جائے گی۔

امام ابن حنبل: ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل ان چار مشہور ائمہ اسلام اور فقہائے مجتہیدین میں ہیں جن کے اجتہادی و فقہی مسلک پر چوتھی صدی سے اب تک مسلمانوں کا برابر عمل چلا آ رہا ہے۔ یہ 164 // ھ م 780ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندانی تعلق قبیلہ عدنان کی شاخ بنو شیبان سے تھا۔ اصلی وطن خراسان کا مشہور شہر مروروز تھا لیکن نشوونما بغداد میں ہوئی۔ اس کے علاوہ کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ وغیرہ کے علماء محدثین سے کسب فیض کیا۔ ان کے شیوخ میں قاضی ابو یوسف، امام شافعی، سفیان بن عینہ، سلیمان بن داؤد، طیالسی، عبد الرحمن ابن مہدی، وکیع بن جراح، عبد اللہ بن نصیر، یحییٰ بن سعید اور حافظ ہشیم بن بشیر و اسطلی جیسے مشہور ائمہ و حدیث اور اکابر فضل و کمال شامل ہیں۔

امام احمد کو بڑی مرکزی حاصل ہوئی۔ ان کے حلقہ درس سے بے شمار ممتاز اہل علم وابستہ تھے۔ ان کے بعض اساتذہ نے بھی ان سے روایت کی ہے اور صحاح ستہ کے مصنفین میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد کو بلا واسطہ اور امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ کو بالواسطہ شرف تلمذ حاصل ہے۔ امام صاحب بڑے عبادت گزار اور تنقیح سنت تھے۔ احادیث و سنت کی نشر و اشاعت اور بد عنوانی کا استیصال ان کی زندگی کا خاص مشن تھا۔ وہ اعتقادی اور کلامی مسائل میں غور و خوض اور تحقیق و تدقیق کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں معزلہ کا زور و اثر بڑھ جانے کی وجہ سے لوگ عموماً اس کی بحثوں میں لجھے ہوئے تھے۔ مگر جب آپ سے ان کے بارے میں سوالات کیے جاتے تو فرماتے کہ ان مسائل میں بحث و تفتیش بدعت اور سکوت افضل ہے۔ اس دور میں معزلہ کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خود مامون الرشید اور اس کا جانشین معتصم بالله بھی ان کے ہممنوا ہو گئے تھے۔ خلفا کی پشت پناہی کی وجہ سے وہ لوگوں سے بزور شمشیر خلق قرآن کا اقرار کر رہے تھے۔ امام احمد نے اس عقیدہ کو ماننے سے انکار کیا تو ان کو سخت ابتلا و آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ مامون الرشید معتصم اور والیق بالله کے عہد خلافت میں قید و بند کی صعوبتوں کے علاوہ سخت جسمانی اذیتوں سے بھی دوچار کیے گئے۔ وہ ان ساری آزمائشوں کو نہایت پامردی کے ساتھ چھیلتے رہے۔ لیکن خلق قرآن کا عقیدہ ماننے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ جب متوكل خلیفہ ہوا تو یہ تنازعہ ختم ہوا اور اس کے ساتھ معزلہ کی قوت بھی ختم ہو گئی۔

امام احمد کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ تھے نہ کبھی کسی کے ساتھ بدسلوکی کی اور نہ کسی کی دل آزاری کی۔ طبیعت میں انکسار تھا کبر و غرور سے نفرت تھی لیکن نہایت خوددار اور غیرت مند تھے کبھی جاہ و منصب کے طلب گار نہ ہوئے اور نہ امرا و سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوئے۔

241 // ھ م 855 // میں انتقال ہوا اور باب حرب کے مقبرہ میں دفن کیے گئے۔ جنازہ میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی شریک تھے۔ اولاد میں ابوالفضل صلح اور ابو عبد الرحمن زیادہ مشہور ہوئے۔

امام صاحب کی کئی تصنیفات بھی یادگار ہیں۔ ان میں کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزید اور کتاب السنۃ، اہم اور مشہور ہیں۔ یہ تینوں چھپ گئی ہیں لیکن ان کی سب سے مشہور اور حدیث کی مہتمم بالشان کتاب مسنند ہے۔ اس کے پہلے اور اس کے بعد مسانید کے کئی مجموعے مرتب کیے گئے مگر ان میں سے کسی کو بھی مسنند احمد جیسی شهرت، مقبولیت اور اعتبار نصیب نہیں ہوا۔ یہ سات سو صحابہ کی حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی حدیثوں کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ ان میں تیس ہزار اصل مسنند کی روایتیں ہیں۔ باقی دس ہزار امام صاحب کے صاحبزادہ عبد اللہ کے زوائد ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مکرات کے ساتھ چالیس ہزار اور حذف مکرات کے بعد تیس ہزار حدیثیں ہیں۔

امام احمد نے اس کو بڑی احتیاط سے مرتب کیا تھا۔ اس لیے اس کا شمار حدیث کی صحیح اور معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کو کتب حدیث کے دوسرے درجہ کی کتابوں یعنی سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور جامع ترمذی کے ہم پایہ قرار دیا۔ امام صاحب اس کو خود باقاعدہ مدون نہیں کر سکے تھے۔ ان کے صاحبزادہ عبد اللہ نے اس میں بعض اضافے کر کے اس کی باقاعدہ تہذیب و تنقیح کی۔ مسنند کی

اہمیت کی بنابرہ زمانہ کے علمانے اس کے ساتھ اعتنکیا ہے۔ وہ نصاب درس میں بھی شامل رہی ہے اور اس کی متعدد شریں تعلقات، حواشی اور مختصرات لکھے گئے ہیں۔

وہ جس درجہ کے محدث تھے اسی درجہ کے فقیہ و مجتہد بھی تھے۔ حنبلی مسلک کی نسبت امام صاحب ہی کی جانب ہے۔ اس مسلک کا اصل دار و مدار نقل و روایت اور احادیث و آثار پر ہے۔ امام صاحب خود اور ان کے تبعین بلا ضرورت قیاس کو سخت نالپسند کرتے تھے۔ اس کی اشاعت بغداد سے ہوئی۔ ایک زمانہ میں اسلامی دنیا کے کئی حصوں میں اس کا رواج رہا ہے لیکن دوسرے تینوں فقہی مسلکوں کے مقابلہ میں اس کے ماننے والوں کی تعداد کم رہی۔ تاہم کوئی صدی بھی اس کے ماننے والوں سے خالی نہ تھی۔ اس زمانہ میں سارے بلاد نجد و ججاز میں یہ سرکاری مذہب کی حیثیت سے مروج ہے۔

امام شافعی: ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی غزہ // فلسفین // میں // 150ھ م 767ء // میں پیدا ہوئے۔

ان کی ولادت ہی کے روز امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوا تھا۔ امام شافعی کا نسب نویں پشت میں رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ شافعی کی نسبت امام کے جدا علی شافع بن سائب کی طرف ہے۔

وہ بہت ذہین و طباع تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید اور دس سال کی عمر میں موطا حفظ کر لیا تھا۔ پندرہ سال کے ہوئے تو اپنے استاد کی اجازت سے فتویٰ دینے لگے۔ ان کی نشوونما اور تعلیم و تربیت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ یہاں کے شیوخ میں مفتی حرم مسلم بن خالد زنجی اور سفیان بن عینیہ سے احادیث کا سامع کر چکے تو مدینہ منورہ میں امام مالک اور عراق میں امام محمد سے کسب فیض کیا۔ امام محمد سے بحث و مناظرہ بھی کیے۔ امام شافعی کے درس و تدریس کا آغاز مکہ میں ہو گیا تھا آخر عمر میں مصر تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے

اپنے قدیم افکار و آرائیوں سے رجوع بھی کر لیا۔ اس بنا پر کتابوں میں ان کے قول
قدیم و جدید کا ذکر ملتا ہے۔ قدیم سے مصر کے قیام سے پہلے کے اور جدید سے مصر کے قیام کے زمانہ
کے اقوال مراد ہیں۔ ان کا 204ھ م 819ء میں مصر میں انتقال ہوا۔ ان کے قدیم شاگردوں میں امام احمد
بن حنبل، اسحاق بن راہبیہ، امام ابو نور، موسیٰ بن جارود، حسن بن محمد بن الصباح اور مصری تلمذہ میں امام
اسماعیل بن یحییٰ، مزنی، یوسف بن یحییٰ، بولیطی، ربیع بن سلیمان مرادی، حربہ بن یحییٰ، تجیبی اور یونس بن
عبدالاعلیٰ صدفی مشہور ہیں۔

امام شافعی کی معاشی حالت اچھی نہ تھی۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ ماں نے پروش کی۔
تعلیم سے فراغت کے بعد، معاش کی فکر ہوئی تو یمن چلے گئے۔ مصعب بن عبد اللہ القرشی قاضی یمن کی مدد
سے ان کو ایک کام مل گیا۔ یہاں امام صاحب رعایا کو حکام و امرا کے شر اور ظلم سے بچانے کے لیے فکر
کرتے اور گورنر کی بے جا رکتوں پر اس کو ٹوک بھی دیتے تھے جس سے اس کو بڑی ناگواری ہوتی۔ اس
نے چہا کہ بغاوت کے الزام میں امام صاحب قتل کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس نے خلیفہ ہارون الرشید کو یہ
شکایت لکھ کر بھی کہ امام صاحب عباسی حکومت کے مخالف اور علویوں کے طرف دار ہیں۔ اس پر وہ خلیفہ
کے یہاں طلب کیے گئے۔ امام صاحب کو قوت بیان اور حسن تعبیر کا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ ان کی قوت
بیان اور زور استدلال کام آیا۔ ہارون الرشید کے حاجب فضل بن ربیع کی مدافعت اور قاضی بغداد امام محمد کی
سمی و سفارش سے بھی وہ اس فتنہ اور سازش سے محفوظ رہے۔

امام شافعی کی شخصیت بڑی جامع اور علمی حیثیت سے نہایت ممتاز تھی۔ ان کو دینی علوم کی طرح عربی زبان و ادب کی جملہ اصناف پر بھی مکمل قدرت تھی۔ ان کے زمانہ میں غیر عربوں کے اختلاط سے عربی زبان اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں تھی۔ اس لیے امام شافعی نے قبلہ ہذیل میں جاکر خالص زبان عربی سیکھی اور بہت سے اشعار حفظ کیے۔ اصمی جیسا بالکمال اور یگانہ روزگار ادیب و امام لغت میں ان کی عربیت کا معترض تھا۔ وہ ہذیل کے اشعار کی تصحیح امام صاحب سے کرتا تھا۔ ان کے اشعار اور تحریر فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ انہوں نے خالص عربوں کی طرح تیراندازی کا علم بھی سیکھا تھا۔ فن حدیث میں ان کے کارنا مے نہایت مہتمم بالشان ہیں۔ انہوں نے جمع روایات، تلقید احادیث، اصول روایت اور روایوں کے درجات و مراتب کے امتیاز کے لیے قواعد مقرر کیے۔ احادیث کی حیثیت، دین میں اس کی ضرورت اور اہمیت پوری طرح واضح کی اور ان کے بارے میں مختلفین کے اعتراضات کے جواب دیے اس لیے وہ ناصر السنّت کہلاتے ہیں۔

امام شافعی کی زیادہ شہرت مکتب فقه و اجتہاد کے بانی کی حیثیت سے ہے۔ وہ دراصل فقه و حدیث دونوں علوم کے مجتہد تھے۔ انہوں نے مختلف مکاتب فکر کا امکانی نظر سے مطالعہ کیا تھا اور اپنے پیش رو مکاتب فقه کا ناقدانہ جائزہ لے کر ان کی خوبیوں اور خرابیوں سے واقفیت حاصل کی تھی۔ مالکی مکتب کو براہ راست اس کے بانی امام مالک سے اور حنفی مکتب کو اس کے ایک اہم اور بڑے داعی و جامع امام محمد سے جانا تھا۔ اسکے بعد انہوں نے اپنی راہ ان دونوں سے علیحدہ نکالی۔ اس طرح ایک نیا فقہی و اجتہادی مکتب وجود میں

آیا جو مکتب شافعی کے نام سے اب تک موسوم ہے۔ قدامت کے لحاظ سے مکاتب اربعہ میں یہ تیسرا مکتب ہے۔

اس مسلک کی اولین بنیاد قرآن مجید ہے۔ امام شافعی ظاہر قرآن سے اس وقت انحراف کرتے جب ان کو کسی دلیل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ظاہر قرآن مراد نہیں۔ اس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں اور اخبار آثار // بشر طیکہ ان کے روایت ثقہ ہوں // پر عمل کرنے کی پر زور حمایت کرتے ہیں۔ جب کسی کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک بہ سند متصل پہنچ جائے تو امام مالک کی طرح اس کے بعد وہ کسی عمل کی جو حدیث کی تائید کرتا ہو، اور اہل عراق کی طرح شہرت حدیث کی شرط نہیں لگاتے۔ وہ احادیث صحیحہ کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے قرآن مجید کو دیکھتے ہیں۔ احادیث کی اس تائید اور روایات کی جانب شدت اعتنائی وجہ سے شافعی مسلک کو اہل حدیث میں نہایت حسن قبول حاصل ہوا۔ احادیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں اور جب کوئی منصوص دلیل نہیں ہوتی تو وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی معین اصل موجود ہو۔ اہل عراق جس چیز کو استحسان اور مالکی جس چیز کو استصلاح کہتے ہیں۔ انہوں نے اس کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ ان فقہا کی رائے اور قیاس میں فرق نہ کرنی کا نتیجہ ہے۔ البتہ وہ استدلال کو مانتے ہیں جو استحسان و استصلاح کے قریب قریب ہے۔ امام شافعی کے چند اہم فقہی و اجتہادی کارنامے یہ ہیں۔ جن سے ان کے مسلک کی نمایاں خصوصیات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔

انہوں نے علم الفقة کے اصول مرتب کیے اور اصول فقہ میں سب سے پہلے کتاب // 1 // الرسالۃ فی اصول // لکھی۔

// 2 // امام شافعی سے پہلے مرسلاً و منقطع روایتیں بے تکلف قبول کر لی جاتی تھیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ اگر حدیث کے تمام طریق جمع کر کے دیکھے جائیں تو بہت سی مرسلاً روایات بے اصل یا مسند روایات کے خلاف نظر آئنیں گی۔ اس صورت میں ان کو قبول کرنے سے دین میں خلل واقع ہو گا۔ اس لیے انہوں نے مرسلاً حدیثوں کے ماننے کے لیے کچھ شرطیں عاید کیں۔

// 3 // روایتوں کے جمع و تطبیق کے قاعدے وضع کیے اور اصول مرتب کیے۔

// 4 // صحابہ کرام اور تابعین عظام کو بعض حدیثوں کا علم نہ ہو سکا اور وہ تیسرا طبقہ میں یا اس کے بعد میں اس وقت ظاہر ہوئیں جب محمد شین نے گوشہ گوشہ چھان کر تمام روایات اور ان کے سب طریق کا پتہ لگایا اور ایک ایک شیخ کو معلوم کر کے اس کے تمام مرویات منظر عام پر لائے۔ اس عدم واقفیت کی بنا پر صحابہ و تابعین نے اصول شریعت کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے فیصلے کیے۔ اس قسم کی روایتوں کے بارے میں اس زمانہ کے عام فقهاء کے بر عکس امام شافعی کا موقف یہ تھا کہ کسی علاقے کے لوگوں کا ان روایات کو نہ لینا ان کے نقص کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ خود صحابہ و تابعین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہر مسئلہ میں کتاب اللہ کے بعد حدیث کو تلاش کرتے تھے جب حدیث ان کو نہ ملتی تب استدلال کے دوسرے طریقوں سے کام لیتے تھے اور اگر بعد میں حدیث مل جاتی تو وہ اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے اس حدیث کو اختیار کر لیتے تھے۔ پس صحابہ و تابعین کا مجرد کسی حدیث کو نہ لینا اس کی خرابی کی دلیل نہیں ہو سکتا، حدیث میں خرابی اس وقت ہو سکتی ہے جب انہوں نے اس کو بیان کیا ہو۔ اسی اصول کی بنابر امام شافعی کا مسلک قلتین اور خیار مجلس کی حدیثوں میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ سے الگ ہے۔

// 5 // امام شافعی کے زمانہ میں جب صحابہ کے اقوال و آثار جمع کیے گئے تو ان کے باہمی تعارض و اختلاف کا پتہ بھی چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحیح حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے صحابہ کے بعض اقوال ان کے خلاف ہیں۔ ایسی صورت میں سلف اپنی رائے چھوڑ کر صحیح حدیث کو اختیار کر لیتے تھے۔ اس لیے امام شافعی نے صحابہ کے اختلاف کی صورت میں ان کے اقوال سے استناد کو صحیح نہیں سمجھا اور فرمایا کہ ہم رجال و نحن رجال یعنی صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم لوگ بھی آدمی ہیں۔

// 6 // اختلاف احادیث اور تعداد روایات کی صورت میں وہ ان حدیثوں کو ترجیح دیتے ہیں جن کی سندیں زیادہ صحیح اور روایات قوی ہوتی ہیں۔

امام شافعی کے ایک نئے اور مستقل فقہی مکتب کو وضع کرنے اور اس کے اصول و ضوابط مقرر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جو فقہی مکاتب اپنے اپنے علاقوں کے علماء و فقہاء کے اقوال کے دائروں میں سمت گئے تھے وہ روایات و آثار کے ظاہر ہونے اور پھیلنے کے بعد ان کے پورے ذخیرہ سے فاعنده اٹھائیں اور سلف کے طریق پر روایات مل جانے کی صورت میں اپنے قیاسات و اجتہادات سے دست بردار ہو جائیں۔

امام شافعی سے پہلے علماء، فقہاء، اہل حدیث و اہل رائے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور دونوں کے درمیان گہری خلیج حائل ہو گئی تھی۔ ان کے انداز فکر اور طرز عمل نے دونوں گروہوں کا بعد کم کر دیا۔ علامہ ابن الندیم نے امام شافعی کی تصنیفات کی طویل فہرست دی ہے۔ ابن حجر نے ان کی تعداد 140 لکھی ہے مگر ان میں اکثر ناپید ہیں اور بعض کتاب الام میں شامل ہیں۔ چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

مسند شافعی: یہ ان حدیثوں کا انتخاب ہے جو کتاب الام وغیرہ میں درج ہیں۔ اس کے اصل مرتب کردہ ابوالعباس اصم ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالعباس کے ایسا سے محمد مطر نیشاپوری نے اس کو مرتب کیا تھا حالانکہ ان کی حیثیت ناقل و کاتب کی ہے۔ متعدد علمانے اس کی تشریحیں لکھی ہیں اور یہ طبع ہوچکی ہے۔

سنن شافعی: یہ بھی امام صاحب کی مشہور کتاب ہے۔ آپ کے شاگرد ابوابراہیم بن اسماعیل نے امام صاحب سے اور ابوابراہیم سے ابو جعفری طحاوی نے اس کی روایت کی ہے۔

امام مالک: امام دارالجھر ابو عبد اللہ مالک بن انس کی ولادت مدینہ منورہ میں 93ھ میں ہوئی اس زمانہ میں مدینہ گل و گلزار بنا ہوا تھا اس لیے امام صاحب کو حصول علم کے لیے وہاں سے باہر نہیں جانا پڑا ان کے دادا، چچا اور والد بلند پایہ محدث تھے ان لوگوں سے اور مدینہ کے دوسرے ارباب کمال سے استفادہ کیا دوسرے شہروں کے جو اصحاب علم و فضل مدینہ آئے ان سے بھی امام صاحب کسب فیض کیا مگر حضرت عبد اللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع حدیث میں اور ابو عثمان ربعۃ الرائے فقہ میں ان کے سب سے ممتاز استاد تھے۔ امام مالک نے نافع کے واسطے سے اور انہوں نے ابن عمر کے واسطے سے جو حدیثیں بیان کی ہیں ان کو سلسلہ الذہب طلائی زنجیر کہا جاتا ہے۔

امام مالک ان ہی لوگوں سے روایت کرتے تھے جو صدق و طہارت اور حفظ و ضبط میں معروف اور فقه و بصیرت میں ممتاز تھے شیوخ کے انتخاب میں انہوں نے غیر معمولی احتیاط کی اس بیان سے اندازہ ہو گا وہ فرماتے ہیں مسجد نبوی کے صحن میں ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو قال اللہ و قال الرسول کہتے

سنائیکن میں ان کے پاس بھی نہیں بیٹھا مدینہ میں ایسے بزرگ تھے کہ اگر بارش کی دعا کی جاتی تو ان کی برکت سے پانی برسنے لگتا ان لوگوں کو بہت سی احادیث و مسائل کی ساعت میں بھی حاصل تھی لیکن میں نے ان سے استفادہ نہیں کیا کیونکہ وہ صرف متنی و زائد تھے اور حدیث و روایت اور فقہ و فتویٰ کے لیے تقویٰ کے ساتھ علم و فہم کی پختگی بھی ضروری ہے تاکہ وہ یہ جانے کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ یہ علم حدیث دین ہے اس لیے پہلے دیکھ لو کہ اس کو کس سے حاصل کرتے ہو۔

رویہ الرائے اور نفع کی زندگی ہی میں امام مالک کو بڑی اہمیت اور مرجعیت حاصل ہو گئی تھی لیکن وہ ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد ہی مسند درس پر رونق افروز ہوئے ان کے تلامذہ میں خلفاء میں و امراء فہما و محدثین مفسرین و مورخین قضاۃ صوفیا زہاد ائمہ شعرو ادب اور فلاسفہ سب ہی طبقوں کے منتخب افراد شامل تھے۔ امام صاحب کے بعد کے اکابر محدثین اور صحاب و مسانید کے مصنفوں بھی ایک یاد و واسطوں سے ان کے شاگرد امام مالک کی مجلس درس نہایت پر تکلف اور بڑی آرائستہ ہوتی تھی وہ حدیث کا املا صرف مسجد نبوی یا مجلس درس ہی میں کرتے تھے۔ عجلت میں یا مصروفیت کے وقت یا راہ چلتے حدیث نہیں بیان کرتے تھے۔

ان کا درجہ فقه و اجتہاد میں بہت بلند تھا وہ ان چار مشہور ائمہ میں تھے جن کے اجتہادی مکتب پر آج تک مسلمان عمل کر رہے ہیں وہ تفقہ و اجتہاد میں کتاب اللہ اور سنت نبوی کے بعد حضرت عمر کے فیصلوں، حضرت ابن عمر کے فتوؤں اور دوسرے تمام صحابہ و تابعین خصوصاً قفقہا کے مدینہ سعید بن مسائب وغیرہ کے

آراؤ اقوال کو پیش نظر رکھتے تھے فقه و اجتہاد میں ان کے کمال کی بنا پر حج کے زمانہ میں حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ ان کے اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔

فتوىٰ و اجتہاد میں امام مالک کی احتیاط اور خدا ترسی کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور ان کو اس جزئیہ سے واقفیت نہ ہوتی تھی تو بے تکلف فرماتے کہ لا ادری یعنی میں نہیں جانتا اور جب کوئی قیاسی مسئلہ بیان کرتے تو کہتے ان نظرن الاظنا و ما نحن یکتیقین۔ جب کسی مسئلہ میناپنی غلطی کا علم ہو جا تو فوراً آپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔

اہل الرائے میں شمار کیے جانے کے باوجود محدثین کے نزدیک ان کا درجہ مسلم ہے وہ جس پایہ کے فقیہ و مجتہد تھے اس پایہ کے محدث بھی تھے۔ ابن معین ابن قطان ابن مہدی، امام نوری، امام ابن عیسیہ، امام شافعی، امام ابن حنبل اور ابن ابی حازم وغیرہ کبار محدثین و نقاد ان کے فن، ان کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔

امام صاحب تقویٰ طہارت اور زہدو عبادت میں بھی یکتاہ تھے۔ درس و افتادہ سے جو وقت پختا وہ زیادہ تر عبادت و تلاوت میں گزرتا رسول اللہ کا اس قدر ادب ملحوظ تھا کہ جب آپ کا ایک نام مبارک زبان پر آتا تو چہرہ کارنگ متغیر ہو جاتا مسجد نبوی میں شور و غل کو سخت نالپسند اور آستانا نبوی مینگستانی خیال کرتے تھے کیونکہ اسکے ایک جھرے میں روضہ انور ہے جب وضو یا غسل کر کے مودب بیٹھ جاتے تب ہی کلام نبوی زبان سے ادا ہوتا تھا کبھی سوار ہو کر مدینہ میں نکلے فرماتے کہ جو سرز میں قدوم نبوی سے مشرف ہوئی ہے اس کو میں جانوروں کی سموم سے کیسے روندوں۔ مدینہ سے اس قدر محبت تھی کہ حج کے علاوہ کبھی وہاں سے باہر نہیں

نکلے۔ منصور نے بغداد میں قیام کی درخواست کی تور د کر دی۔ مہدی نے تین ہزار دینار بھیجے اور کھلایا کہ بغداد کا عزم کبھی ارشاد ہوا کہ جی چاہے تو اشوفیاں لے جائو مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا۔

حق گوئی میں بے مثال تھے۔ سلاطین و امراء ان کا بڑا اعزاز کرتے تھے۔ مگر ان کی خوشنودی کے لیے کبھی شریعت کی خلاف ورزی نہ کرتے حق کے معامل میں ذرا بھی مروت یا رعایت نہ کرتے چاہے اس کی وجہ سے ان کو ظلم و تشدد ہی کا نشانہ کیوں نہ بننا پڑتا۔ جعفر والی مدینہ لوگوں سے جبراً بیعت لے رہا تھا اس بنابر اس نے امام مالک کو جبری طلاق کے عدم اعتبار کا فتویٰ دینے سے منع کیا کیونکہ اس سے جبری بیعت کی عدم صحت اور بے اعتمادی کے لیے لوگوں کو سند مل جائے گی۔ مگر امام مالک نے اس کی پرواف نہیں کی اور بدستور جبری معاملات کی عدم صحت کا فتویٰ دیتے رہے جعفر نے غضبناک ہو کر ان کو ستر کوڑے لگوانے اور اونٹ پر بیٹھا کر مدینہ میں تشویر بھی کرائی اس حالت میں بھی امام صاحب یہ کہتے جاتے تھے کہ جو مجھ کو جانتا ہے سو جانتا ہے لیکن جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبراً مکر درست نہیں ہیں۔ منصور کے خلاف محمد نفس زکیہ نے علم بغاوت بلند کیا اور وہ اور ان کے بھائی ابراہیم شہید کر دیے گئے۔ امام صاحب نے اپنے اوپر منصور کی نوازشوں کے باوجود اس کی ہم نوائی نہ کی بلکہ یہ فتویٰ دیا کہ خلافت نفس زکیہ کا حق ہے لوگوں نے کہا ہم منصور کی بیعت پر حلف لے چکے ہیں فرمایا۔ منصور نے جبراً بیعت لی ہے اور جو کام جبراً اگر ایسا جائے اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلیفہ مہدی نے اپنے بیٹوں موسیٰ و ہارون کو حکم دیا کہ وہ امام مالک سے موطا سنیں۔ شہزادوں نے امام صاحب کو بلایا تو جواب دیا کہ درس علم بیش قیمت چیز ہے اس کے پاس خود شائقین آنے ہیں۔ چنانچہ مہدی کی اجازت سے دونوں شہزادے خود مجلس درس میں حاضر ہوئے۔

اس تعزیر کا مقصد امام صاحب کی تزلیل تھا مگر اس سے ان کی عظمت و قار میں اور اضافہ ہوا خود منصور کو بعض کی حرکت پسند نہ آئی اس نے اس کو معزول کر کے بغداد طلب کر لیا اور امام صاحب کو معذرت کا خط لکھا۔

ان کے اتالیق نے امام صاحب سے پڑھ کر سنانے کے لیے کہا تو ارشاد ہوا کہ ہمارے علماء کا دستور یہ ہے کہ طلبہ پڑھیں شیوخ سنیں۔ اسی طرح خلیفہ ہارون اپنے شہزادوں امین و مامون کو لے کر حج کے لیے آیا اور موطا کے املاکے لیے امام صاحب کو طلب کیا۔ امام صاحب موطا کے بغیر ہی تشریف لے گئے۔ ہارون نے شکایت کی تو فرمایا کہ علم آپ کے گھر سے نکلا ہے خواہ اس کو ذلیل کیجیے یا عزت دیجیے اس جواب کو سننے کے بعد وہ خود صاحبزادوں کو لے کر مجلس درس میں حاضر ہوا وہاں طلبہ کا بحوم دیکھا تو فرمائش کی کہ اس بھیڑ کو الگ کر دیجیے ارشاد ہوا کہ شخصی فائدہ کے لیے عام لوگوں کا مفاد نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہارون مسند پر بیٹھا تو امام نے فرمایا امیر المؤمنین تواضع پسندیدہ ہے وہ نیچے اتر آیا اور قرات کی درخواست کی، جواب ملا کہ خلاف عادت ہے۔ آخر معین بن عیسیٰ کو جو اس وقت مسند طالب علم تھے اور آگے چل کر بڑے محدث ہوئے حکم دیا اور انہوں نے قراءت کی۔

امام مالک نہایت خوددار اور غیرت مند بھی تھے۔ لوگ منصور کے دربار میں جاتے تو اسی کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے مگر انھوں نے کبھی یہ گوارہ نہیں کیا۔ خودداری ہی کی وجہ سے انھوں نے علم کی شان میں کبھی فرق نہیں آنے دیا مگر اہل علم کا بڑا اعزاز کرتے اور ان کے سامنے تواضع سے بچھ جاتے چنانچہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ تشریف لائے تو ان کے لیے اپنی چادر بجادی اور امام شافعی طالب علم کی حیثیت سے آئے تو ان کے لیے خود گھر سے کھانا لاتے اور وضو کا پانی رکھ دیتے اور جب واپس ہوئے تو بازار تک جا کر سواری بھی کر دی اور اشرفیوں کی ایک تھیلی بھی دی۔ صفائی بہت پسند تھی، ہمیشہ صاف سترے اور بیش قیمت کپڑے زیب تن فرماتے اور خوشبو کا استعمال کرتے۔ مجلس درس نہایت معطر اور اتنی پاکیزہ ہوتی کہ فرش پر ایک تنکا بھی دکھائی نہ دیتا۔

آخر میں ضعف کی وجہ سے مسجد نبوی اور جماعت کی شرکت سے معذور ہو گئے تھے مگر اس کے باوجود درس افتاکی خدمت میں مشغول رہتے۔ 86 برس کی عمر میں ربیع الاول 179ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ امام مالک کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

رسالہ مالک الی الرشید: اس میں ہارون رشید کو دینی، دنیاوی اور اخلاقی نصیحتیں کی ہیں یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور لاہور سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔ // 1 //

رسالہ مالک الی ابن وہب: مسئلہ قضا و قدر سے متعلق ہے۔ // 2 //

رسالہ مالک الی ابن مطرف فتویٰ سے متعلق ہے۔ // 3 //

كتاب الاقضييه عهد قضا سے متعلق مقید اصول و ہدایات پر مشتمل ہے۔ // 4 //

// 5 // کتاب المناسک۔ اس میں حج کے احکام و مناقب درج ہیں۔

// 6 // تفسیر غریب القرآن اس کے روایی خالد بن عبد الرحمن مخزومی ہیں۔

// 7 // کتاب ابعجالسات عن مالک امام صاحب اپنی مجلسوں میں حدیث و آثار کے متعلق جو فوائد و نکات بیان کرتے تھے ان کو ابن وہب نے اس میں جمع کیا ہے۔

// 8 // موطا۔ امام صاحب کی سب سے مشہور اور اہم تصنیف ہے۔ یہ فقه احکام کا مجموعہ ہے اس میں احادیث آثار صحابہ و تابعین کے اقوال اور علمائے مدینہ کے فتویے درج ہیں۔ موطا خوب پایال روندے اور جلے ہوئے راستہ کو کہتے ہیں۔ اس لیے یہ وہ کتاب ہے جس کے مندرجات پر آنحضرت صلعم کے بعد صحابہ کرام و تابعین عظام گزرے اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا۔

اہل سنت اس بڑے اور جید عالم کو بھی امام کہتے ہیں جو علوم دینیہ میں ممتاز ہو۔ دینی علوم کے کسی خاص شعبہ اور شاخ میں کامل دسترس رکھتا ہو قرآن و حدیث کے مطالب سے بھی اچھی طرح واقف ہو اور دوسرے کو بھی اپنی تحریر و تقریر سے اچھی طرح سمجھا اور بتاسکتا ہو ایسے لوگوں کو مجتہد بھی کہا جاتا ہے اور عموماً مسلمان ان کی تقليد و اتباع کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں اس طرح کے ائمہ کی تعداد بے شمار ہے مگر اہل تشیع ان لوگوں کو امام کے بجائے مجتہد کہتے ہیں۔

امام کا لفظ خلیفہ سلطان اسلامی مملکت کے حکمران اور فرمانرواء کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اس معنی میں امام کی حیثیت خدا اور اس کے نبی کے جانشین کی ہوتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمان امامت کے منصب پر مامور ہو گئے ہیں اور دنیا کی قیادت و امارت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ نصب امارت کی ضرورت

اور امام کے تقریکی اہمیت پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کیونکہ نبوت کی جانشینی کے لیے امامت و خلافت ناگزیر ہے لیکن کسی کو امام مقرر کیا جائے اس میں اختلاف ہے اور یہی وہ مسئلہ ہے جس میں سب سے پہلے امت کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہوا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دو بڑے فرقے شیعہ اور سسنی وجود میں آئے۔

اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ بالاتفاق امام اول ہیں وہ ان کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے نزدیک گیارہ ائمہ ہوئے مگر اہل سنت کے نزدیک امام اور خلیفہ حضرت ابو بکر تھے اس کے بعد حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی خلیفہ ہوئے۔

اہل سنت معززلہ اور زیدیہ کے نزدیک ہر صاحب سیاست امام ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے خلیفہ راشد کی قید نہیں کیونکہ وہ یہ مانتے ہیں کہ مسلمانوں کے ائمہ کو ظاہری و باطنی اوصاف میں انیا کا جانشین ہونا چاہیے اور ان کے کمالات کا پوری طرح تشییہ اختیار کرنا چاہیے تاہم دنیوی معاملات میں اعتبار صرف ظاہر ہوتا ہے اس لیے جو بھی صاحب دعوت ہو اور بے دین کے خلاف پرچم بلند کرتا ہو، اللہ کے کلمہ کا بول بالا کرنے کی جدوجہد کرتا ہو، مذہب اسلام پر کاربند ہو، سنت نبوی کے سوا کسی دوسرے طریقہ کو اختیار نہ کرتا ہو، سیاست میں آئین نبوی پر عمل کرتا ہو اور قوانین مصطفوی کو نافذ کرتا ہو۔ وہ امام تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کی امامت پر یعت کر لی جائے گی خواہ ان سب چیزوں میں وہ خلوص نہ نافذ کرتا ہو وہ امام تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کی امامت پر یعت کر لی جائے گی خواہ ان چیزوں میں وہ مخلاص نہ بھی ہوتا ہم ان کے نزدیک امام میں متعدد ضروری اوصاف و شرائط ہونے چاہئیں جن کا دکر اس موضوع کی کتابوں میں موجود ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک بادشاہت امامت کے لیے شرط نہیں اگر کسی بزرگ میں دونوں منصب جمع ہو جائیں گے تو ان کے نزدیک امام کے ضروری اوصاف حسب ذیل ہیں۔

// 1 // منصوص من اللہ ہو یعنی پیغمبروں کی طرح اللہ کی جانب سے مامور مقرر۔

// 2 // معصوم ہو یعنی نبیوں کی طرح صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہو۔

// 3 // ہر لحاظ سے عام امت سے افضل ہو جیسے علم میں شجاعت اور سخاوت وغیرہ میں یکتا ہو۔

// 4 // ہاشمی ہو یعنی رسول خدا کی اولاد میں ہو۔

امام محمد: ابو عبد اللہ محمد بن حسن فرقہ شبیانی، عراق کے ایک گاؤں واسط میں 133ھ م 749ء میں پیدا ہوئے۔ شبیانی کی نسبت دلائی ہے یعنی امام محمد کا خاندان قبیلہ بنو شبیان کا غلام تھا۔ ولادت کے چند سال بعد ان کے والد کوفہ شقل ہو گئے۔ یہیں امام محمد کی نشوونما ہوئی۔ تیرہ چودہ سال کے ہوئے تو امام ابوحنینہ کی مجلس درس میں تشریف لے گئے۔ چار سال بعد جب ان کا انتقال ہو گیا تو یہ امام ابو یوسف کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے اور علوم فقہ کی تکمیل کی۔ حدیث کی تکمیل کے لیے وہ امام دارالحضرت مالک بن انس کے پاس تین سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔

امام محمد مسند آرائے درس ہوئے تو دنیاۓ اسلام کے گوشہ گوشہ سے تشنگان علم ان کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے۔ امام شافعی، ابو عیید قاسم بن یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ فقہ و حدیث نے ان سے کسب فیض کیا تھا۔

امام محمد ان علمائے اسلام میں تھے جو حکومت کا کوئی عہدہ قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاہم بعض وجوہ سے جب وہ رقد کے قاضی مقرر کیے گئے تو انھوں نے بڑی دیانت داری سے اور بلا کسی رعایت کے اس کے فرائض انجام دیے۔ کبھی اپنے فیصلہ میں خلیفہ وقت یا اعلیٰ ایمان دولت کی پرواہ نہیں کی۔ ایک دفعہ ہارون کی مرضی کے مطابق فیصلہ نہ دینے کی وجہ سے سخت معقوب ہوئے اور عہدہ قضا سے بر طرف کر دیے گئے۔ خلیفہ نے ان کو فتویٰ دینے سے بھی روک دیا۔ اس کے نتیجہ میں قید و بند کی صعوبت بھی برداشت کرنی پڑی۔ امام جعفر کی سفارش سے رہا ہوئے تو ہارون نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا مگر اس کے کچھ ہی دن بعد خلیفہ کے ہمراہ رے تشریف لے گئے یہیں 189ھ م 805 میں انتقال ہو گیا اور جبل طبر کیسے گئے۔

امام محمد گو تفسیر حدیث اور دوسرے مروجہ علوم میں بھی کہتا ہے لیکن فقه و اجتہاد ان کا اصلی طریقہ امتیاز تھا۔ وہ حنفی مسلک کے اساطین اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے ممتاز ترین شاگرد تھے۔ ائمہ ثلاثة میں امام شافعی و امام احمد نے ان سے فقه کی تعلیم پائی اور امام مالک گوان کے استاد تھے۔ لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ امام محمد ان سے بڑے فقیہ تھے وہ تفریق مسائل کے لیے نہ صرف فقہائے اصناف بلکہ دوسرے مسلکوں کے فقہاء کے مقابلہ میں بھی مشہور و ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ امام محمد شخص و تعمق کے عادی تھے۔ اس لیے بعض اوقات اپنے اساندہ اور معاصرین سے بحث مباحثہ کی نوبت آ جاتی۔ امام ابو یوسف اور امام مالک سے بھی ان کے بعض مباحثہ ہوئے۔ وہ مسائل پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے اور ان میں تفقہ و استنباط کی صلاحیت بدرجہ اتم تھی اور مسائل کی تحقیق و استنباط میں وہ غیر معمولی کدو کاوش اور نہایت دیدہ ریزی

سے کام لیتے تھے۔ متعدد مسائل میں انہوں نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے اختلاف کیا ہے اس لیے ان کے مجتہد مطلق ہونے میں کلام نہیں مگر وہ خود کو امام ابو حنیفہ کا شیع ہی کہتے تھے۔

امام احمد اپنے ہم عصروں میں تصنیفات کی کثرت کے اعتبار سے بھی ممتاز تھے۔ ذیل میں ان کی چند مشہور اور معرکہ الاراء تصنیف کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

امامیہ: اس فرقے کی تعداد زیادہ ہے۔ ایران، عراق، پاکستان، ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں اسی مسلمک کے شیعی پائے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام کے صرف اوصاف بتانے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ صریح لفظوں میں اس کی تعین کردی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت علی کو متعین اور نامزد کر دیا تھا اور انہوں نے بعد میں آنے والے امام کو متعین کر دیا تھا۔ یہ لوگ ائمہ کو اوصیا بھی کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں امام کو تشریع کا پورا اختیار ہے اس کی ہربات شریعت کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ وہ معصوم عن الخطا اور بھول چوک سے مبرأ ہے اور وہ ائمہ کے خارق عادت امر کو مجذہ کہتے ہیں۔

امامیہ فرقہ کے لوگ آنحضرت کی نص قطعی سے حضرت علی کو وصی مانتے ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد کو اوصیا میں شمار کرتے ہیں۔ اس حد تک تو ان کا عقیدہ اجماعی ہے مگر اس کے بعد ان میں اختلاف ہوا اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے وہ فرقے زیادہ مشہور ہیں۔

امر باعث تکلیف // Nuisance // : ہر صاحب جائز کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائزہ ادا سے کامل طور پر ہر قسم کا فaudad حاصل کرے لیکن اس پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کے آرام و آسائش میں خلل انداز نہ ہو۔ ہر پڑو سی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی جائزہ ادا کا مناسب استعمال کرے اور

کوئی ایسا فعل نہ کرے جس سے پڑوسی کو یا اس کی جاعداد کو کسی قسم کا ہرج یا نقصان پہنچے اور اس کے جائز تمنع میں محل نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مکان میں شورو غل مچائے جس سے پڑوسی کی نیند میں خلل ہو یا اپنے مکان میں اس قدر آگ سلگائے کہ اس کا دھواں پڑوسی کے مکان میں داخل ہو کر اس کے آرام میں خلل انداز ہو یا کوئی شخص اپنے مکان میں اس قدر پانی جمع کر لے کہ وہ پڑوسی کی دیوار کو نقصان پہنچائے یا اس سے پڑوسی کی دیوار منہدم ہو جائے تو یہ تمام امور باعث تکلیف ہیں۔ جاعداد کے استعمال سے متعلق قانون کا ایک اصول یہ ہے کہ وہ اس طرح استعمال نہ کی جائے کہ جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے۔ یا اس سے اس کی جاعداد کے تمنع میں فرق آئے۔ ایسے فعل ٹارٹ کی تعریف میں آتے ہیں۔

امر باعث تکلیف کی دو قسمیں ہیں ایک امر باعث تکلیف خاص جس کی مثالیں اوپر دی گئی ہیں اور دوسرا باعث تکلیف عام۔

امر باعث تکلیف عام وہ ہے کہ جس سے عام لوگوں کے آرام اور صحت پر اثر پڑے۔ مثلاً کسی شاہراہ پر رکاوٹ کھڑی کرنا یا کھانے پینے کی ایسی چیزیں فروخت کرنا جو استعمال کے قابل نہ ہوں۔ اس کے خلاف چارہ جوئی صرف حکومت کر سکتی ہے اور قانون فوجداری کے تحت تعزیری مقدمہ بھی چلا سکتی ہے۔ اس کے لیے کوئی شخص ٹارٹ میں دعویٰ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا سوائے ایسی صورت کے جبکہ وہ ثابت کر سکے کہ اس کو ایسا ذاتی نقصان پہنچا ہے جو دوسروں کو نہیں پہنچا۔ مثلاً جب شاہراہ پر کسی رکاوٹ اس کے گھر کا راستہ بھی بند کر دیتی ہے۔

امر باعث تکلیف خاص اور عام میں فرق یہ ہے کہ خاص کی صورت میں اگر ارتکاب 20 سال تک متواتر اور پر امن طریقہ سے اور علانیہ ہوتا رہے تو مرتكب کو اس کے ارتکاب کا قانوناً حق حاصل ہوتا رہے اور اس کے خلاف کوئی ناش نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس امر باعث تکلیف عام کا ارتکاب خواہ کتنی ہی مدت گزرے جائز نہیں ہو سکتی۔

امر باعث تکلیفِ عامہ // Public Nuisance // : اگر پولس تھانے کی رپورٹ کی بناء پر متعلقہ حاکم

وجوداری کی یہ رائے ہو کہ

// 1 // کسی راستے یا نالے نالہ جسے عوام بطور جائز استعمال میں لاتے ہیں یا لاسکتے ہیں یا کسی مقام عام سے کوئی ناجائز کا وظیفہ یا امر تکلیف دہ دور ہونا چاہیے۔

// 2 // کسی تجارت یا پیشہ یا مال تجارتی کو جو عام لوگوں کی تند رسقی یا آسائش جسمانی کے لیے مضر ہو موقوف کیا جانا یا کسی دوسری جگہ اٹھوا یا جانا ممنوع قرار دیا جانا مناسب ہے۔

// 3 // کوئی عمارت یا کسی شے کا اس طریقے سے استعمال کرنے سے روکنا چاہیے تاکہ اگ نہ لگنے پائے۔

// 4 // کوئی عمارت ایسی حالت میں ہے کہ غالباً گر پڑے گی اور اس کے گرنے سے ان اشخاص کو جو اس کے متصل رہتے ہوں یا کاروبار کرتے ہوں یا اس کے پاس سے گزرتے ہوں ضرر پہنچے گی اس لیے اس کا گروادیا جانا یا اس کی مرمت کرنا یا اس کو سہارا دینا ضروری ہے۔

// 5 // کسی تالاب یا باولی یا گڑھے پر جو کسی عام راستہ یا عام مقام کے متصل ہو ایسی بائز لگانا

چلہیے کہ اس سے وہ خطرہ جو عوام کو ہو دور ہو جائے۔

تو حاکم فوجداری مذکور اس شخص کو جو ایسی رکاوٹ یا امر تنکیف دہ کا باعث ہو یہ حکم دے سکے گا کہ وہ میعاد معینہ میں اس رکاوٹ یا امر تنکیف دہ کو دور کرے یا تجارت پیشہ کو موقوف کرے یا اٹھادے یا عمارت کی تعمیر روک دے یا بند کر دے یا عمارت کو گرا دے یا اس کی مرمت کرے یا اس میں سہارا لگا دے یا اس شے کے رکھنے کے طریقے کو بدل دے یا تالاب یا باولی یا گڑھے کے اطراف بائز لگا دے۔ حکم مذکور کی جہاں تک ممکن ہو اس شخص پر جس کے نام وہ صادر ہو اس طریقے سے تعمیل کی جائے گی جو طلب نامے کی تعمیل کے لیے مقرر ہے۔ اگر حکم مذکور کی اس طور سے تعمیل نہ ہو سکے تو اس کا اس طور سے اعلان کیا جائے گا جیسا کہ قانون کے تحت ضروری ہو۔ اس اعلان کے علاوہ اس حکم کی ایک نقل ایسے مقام یا مقالات پر چسپاں کی جائے گی جو اس شخص کی اطلاع کے لیے مناسب معلوم ہوتی ہو۔ اس شخص کو جس کے پاس ایسا حکم وصول ہو یا ضروری اور لازم ہو گا کہ:

// 1 // جس فعل کے کرنے کی ہدایت حکم میں ہو میعاد معینہ حکم کے اندر اس کی تعمیل کرے۔

// 2 // خود یا بذریعہ وکیل حاضر ہو کر اس حکم کے خلاف وجہ ظاہر کرے۔

// 3 // وہ حاکم فوجداری سے جس نے وہ حکم صادر کیا ہو اس امر کی تجویز کے لیے کہ آیا وہ حکم معقول و مناسب ہے بچوں کے تقریب کی درخواست کرے۔ اگر کوئی شخص نہ تو حکم کی تعمیل کرے اور نہ بچوں کے تقریب کی درخواست دے تو حکم قطعی کر دیا جائے گا۔ اگر میعاد معینہ کے اندر امر مذکور کی تعمیل نہ کی جائے

تو حکمِ فوجداری کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کی تعمیل کرائے جو خرچ حکم کی تعمیل میں ہو وہ جرمانے کے طور پر وصول کیا جائے گا۔

امر عارضی // Estoppel : اگر کوئی شخص اپنے اقرار یا فعل یا ترک فعل کے ذریعہ دوسرے شخص کو کسی بات پر بھروسہ کرنے کے لیے اور اس بھروسے کی بنا پر کوئی کام کرنے کے لیے اجازت دے تو بعد میں کسی عدالتی کارروائی میں اس شخص کے خلاف اپنے اس اقرار فعل یا ترک فعل سے انکار نہ کر سکے گا۔ اس کے متعلق بے شمار عدالتی نظائر ہیں کہ کون سافعل کن حالات میں امر عارضی // Estoppel کی تعریف میں آتا ہے اور اس سے فریق مقابل کو کس حد تک فaudience پہنچایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی جاعداد غیر مตقولہ کا کرایہ دار ہے تو وہ مالک جاعداد کی ملکیت سے قانونی طور پر انکار نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بات ثابت کرنا ہو کہ کوئی واقعہ اتفاقی تھا یا نتائج کے علم سے ارادی طور پر کیا گیا تھا ایسی صورت میں یہ بات کہ اس قسم کے اور بھی واقعات اس شخص سے سرزد ہوئے ہیں۔ واقعہ متعلقہ قرار پائیں گے۔ مثلاً اگر ایک شخص نے اپنے گھر کو آگ لگادی تاکہ اسے بیہدہ کی رقم مل جائے ایسی صورت میں یہ بات کہ اس واقعہ سے پہلے بھی اس کے دوسرے گھر میں جس میں وہ رہتا تھا آگ لگی تھی۔ واقعہ متعلقہ ہو جاتا ہے کسی مملکت // میں پر امن سوسائٹی کے قیام کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپس میں مقدمہ بازی کم ہو جہاں اس غرض کے لیے مختلف قوانین ناقہ کیے گئے ہیں۔ مثلاً قانون میعاد سماحت وغیرہ وہاں ایک قانون اصول یا بھی ہے کہ فریقین کے درمیان اگر اس امر تسبیح طلب کے متعلق عدالت نے تمام عدالتی کارروائی کی تکمیل کے بعد فیصلہ صادر کیا ہے تو پھر اس امر تسبیح طلب کے متعلق دوسری کسی عدالت میں دعویٰ نہیں کیا

جاسکتا اسے قانون کی اصطلاح میں امر فیصل شدہ // Res Judicata // کہا جاتا ہے اور سابقہ دعویٰ کے فیصلے کو ثبوت کے طور پر پیش کر کے ایسے دعویٰ کو خارج کرنے کی استدعاً تحریق مقابل کی جانب سے کی جاسکتی ہے۔

امر فیصلہ شدہ // Res Judicata // : جب کوئی مقدمہ یا تشقیح صراحتاً اور دراصل تشقیح طلب ہو کر مسموع اور قطعاً طے ہو جائے تو بارثانی اس تشقیح یا مقدمہ کی تجویز ثانی کوئی عدالت نہ کرے گی بشرطیکہ // الف // وہ امر سابقہ مقدمہ میں اور دراصل تشقیح طلب پاکر فیصل ہوچکا ہو اور // ب // عدالت مجاز نے فیصلہ کیا ہو اور // ج // فریقین مقدمہ حال وہی ہوں یا ایسے ہوں جو مقدمہ سابق کے فریقین کے ذریعہ سے دعویدار ہیں۔

// د // سابق و حال کے مقدمے میں اس اسحقاق پر دعویٰ ہو۔
تو ضمیح // 1 // الفاظ سابقہ مقدمہ سے ایسا مقدمہ مراد ہے جو اس دوسرے زیر بحث مقدمے کے قبل فیصل ہوچکا ہو خواہ اس کے قبل رجوع ہوا ہو یا بعد۔

تضمیح // 2 // دفعہ ہذا کی اغراض کے لیے اس کا فیصلہ کہ آیا کوئی عدالت کسی مقدمہ کی تجویز کی مجاز ہے۔ بلا کھاڑا اس کے کیا جائے گا کہ فیصلہ عدالت مذکور کے مرافعہ کے متعلق کیا احکام ہیں۔

تضمیح // 3 // ضروری ہے کہ مندرجہ صدر امر سابقہ مقدمہ میں ایک فریق کی جانب سے بیان کیا گیا ہو اور دوسرے فریق نے صریحاً یا معناً اس سے انکار یا اقبال کیا ہو۔

توضیح // 4 // ہر امر جو سابقہ مقدمہ یا جوابدہ کی بناء پر قرار دیا جاسکتا تھا اور دیا جانا چاہیے تھا سمجھا جائے گا کہ اس مقدمہ میں صراحتاً اور دراصل تضییج طلب تھا۔

توضیح // 5 // جو دادرسی دعوے میں چاہی گئی ہو اور ڈگری میں صریحاً منظور نہ کی گئی ہو وہ مقدمہ ہذا کے اغراض کے لیے نامنظور ہونا سمجھی جائے گی۔

توضیح // 6 // جب چند اشخاص نیک نیتی سے کسی عام یا خاص حق کے متعلق دعویدار ہوں جس کا ان کے یا بہ شرکت دیگر اشخاص کے دعویٰ ہو تو تمام اشخاص جو اس حق میں غرض رکھتے ہوں ان اشخاص کے ذریعہ دعویدار سمجھے جائیں گے جنہوں نے ایسا دعویٰ پیش کیا ہو۔

یہ ضابطہ ایک معمولی مقدمہ سے متعلق ہے لیکن بعض مخصوص مقدمات ایسے ہوتے ہیں جن میں مزید تفصیلات کا ذکر کیا جاتا ہے مثلاً خلاف سرکار دعوے میں نالش سے قبل نوٹس دینے کا لزوم ہے اس طرح مقدمات منجانب سرکار میں بھی چند ایسی تفصیلات ہوتی ہیں جو معمولی مقدمات میں نہیں ہوتیں۔ اسی طرح نالشات متعلق جائز ادغیر مقولہ و دستاویزات قابل بیع و شراء و مقدمات فتح شرکت و مقدمات منجانب نابالغان و اشخاص فاتر العقل و اشخاص نادار میں چند دیگر امور سے متعلق احکام ہوتے ہیں مثلاً اگر مدعی نابلغ ہو تو وہ ایک ولی مقدمہ کے ذریعہ سے ہی دعویٰ کر سکتا ہے۔ فاتر العقل اشخاص کے لیے بھی یہی لزوم ہے۔ ناداری میں مقدمہ چلایا جاسکتا ہے بشرطیکہ مدعی اپنی ناداری کو ثابت کرے۔ مقدمات میں المتناز عین کی نوعیت بھی جد آگانہ ہوتی ہے۔ اسی طرح قانون دیوالیہ و قانون امانت و قانون دادرسی خاص وغیرہ کے تحت جو مقدمات دائر کیے جاتے ہیں ان میں مزید تفصیلات کی ضرورت ہوتی ہے۔

امور: // وہ امور جو ازالہ حیثیت عرفی کے دعوے میں مدعی کو ثابت کرنا لازمی ہیں //

// 1 // تحریر یا الفاظ وغیرہ جن کی شکایت کی گئی ہے تو یہ آمیز ہیں۔

// 2 // وہ مدعی کی طرف منسوب ہیں یا منسوب کیے جاسکتے ہیں۔

// 3 // ان کو مدعاعلیہ نے شایع کیا تھا۔

// 4 // ازالہ حیثیت عرفی تقریری کی صورت میں مدعی کو خاص نقصان پہنچا ہے۔

// 5 // تحریر یا الفاظ وغیرہ جن کی شکایت کی گئی ہے وہ بالکل غلط ہیں۔

ازالہ حیثیت عرفی کے ہر دعوے میں شایع شدہ بیان کی بابت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ مدعی کے متعلق جھوٹ اور غلط ہے پس شایع شدہ بیان کی صحت کی بابت مدعاعلیہ پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے اگر مدعاعلیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ شایع شدہ بیان بالکل درست اور صحیح ہے یا الفاظ مفاد عامہ میں نیک نیتی کے ساتھ کہے گئے ہوں تو مدعی کا دعویٰ 'خارج کر دیا جائے گا۔ بیانات جو خاص حالات میں دے گئے ہوں وہ ذمہ داری سے قطعاً محفوظ ہونگے۔ مثلاً

// 1 // پارلیمنٹ یا اسمبلی کی کارروائی کے اثناء میں۔

// 2 // عدالتی کارروائی کے دوران۔

// 3 // سرکاری دفاتر کی کارروائی کے سلسلہ میں۔

مثذکرہ بالا موقعاً ایسے ہیں جب کہ بیان کرنے والے کو قطعی حفاظت حاصل ہے اس کے علاوہ چند ایسے موقعاً ہیں جن میں مدعاعلیہ کو صرف مشروط حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ بیانات صریح کینہ سے نہ کیے

گئے ہوں اگر کینہ ثابت ہو تو مشروط حفاظت کا حق زائل ہو جاتا ہے مشروط حفاظت کے موقع حسب ذیل ہیں۔

// 1 // جبکہ کوئی شخص اپنے علم یا خاص فرض کی انجام دہی میں کرے خواہ ایسا فرض قانونی ہو یا اخلاقی۔

// 2 // جبکہ بیان اپنے کسی جائز حق کی حفاظت کے سلسلے میں کیا جائے۔ اگرچہ کہ بیان سے کسی دیگر شخص کی توبین کیوں نہ ہوتی ہو۔ بشرطیکہ بیان صریح کینہ پر مشتمل نہ ہو۔

// 3 // کسی جلسہ عام یا پارلیمنٹ و اسمبلی کارروائی یا کسی عدالتی کارروائی کی صحیح و درست رپورٹ ہو۔

ایں یا ان کے قائم مقاموں کے مقابلے میں مقدمات: اگر کوئی مقدمہ ایسے شخص کے مقابلہ میں ہو جس کو کوئی جاعداد کسی خاص اغراض کے لیے بطور امانت حاصل ہو یا اس کے قائم مقامان قانون کے جو ایسے نہ ہوں جس نے قیمتاگیا ہو۔ اس غرض سے رجوع کیا جائے کہ اس کے یا ان کے قبضہ میں جاعداد مذکور کو یا اس کی آمدی پر حق قائم رہے یا اس غرض سے کہ جاعداد یا آمدی کے حسابات کیے جائینتوہ کسی مدت کے گزر جانے پر ممنوع سماعت نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جاعداد کسی خاص غرض یا مقصد کے لیے صریحاً امانت رکھی گئی ہو اور اس امانت کی بناء پر جاعداد ایں کو پہنچ گئی ہو تو وہ شخص اس جاعداد کو استعمال کرنے کا حق دار ہوگا جو کسی وقت اس کے مقابلہ میں جاعداد اور امانتی دلاپانے کی بابت نالش دائركرنے کا مجاز ہوگا۔

انیاء: نبی کی جمع ہے اس کے لفظی معنی خبر دینے والے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں خدا کے وہ برگزیدہ بندے انیا کہلاتے ہیں جو اس کا پیغام انسانوں کو پہنچاتے ہیں اور اس کی مرضی اور احکام سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں اور ان چیزوں سے روکتے ہیں جو خدا کی مرضی اور نشانے کے خلاف ہوتی ہیں۔ اللہ ان کو اپنے مکالمہ اور وحی سے مشرف کرتا اور ہدایت خلق کے منصب پر مأمور کرتا ہے۔

انیا علیہم السلام معصوم گناہوں سے پاک اور گمراہی و بے راہ روی سے محفوظ ہوتے ہیں۔ فضائل و حسن اخلاق کا پیغمبر اور رذائل و زائد اخلاق سے بالکل کنارہ کش ہوتے ہیں۔ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت ان کی فطرت ہوتی ہے۔ اس لیے عام انسانوں سے ان کا درجہ اس طرح بہت بلند ہوتا ہے جس طرح حیوانوں سے انسانوں کا بلند ہوتا ہے کیونکہ ان میں وحی کو قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی۔ لیکن باہم ہم وہ عام انسانوں کی طرح بشر ہوتے ہیں۔ دوسرے مذاہب نے خدائی اور نبوت کو ملادیا یا کم سے کم قریب تر کر دیا تھا۔ ان کے تبعین نبیوں کو مافق البشر اور القسان کے درجہ سے بالاتر سمجھتے تھے۔ اس خیال کی بدولت رام کرشن زردشت اور حضرت عیسیٰ کو عین خدا یا کم از کم مظہر خدا سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کی سختی سے تردید کی اور خدائی و نبوت کی سرحدیں بالکل جدا جدأ کر کے بتایا کہ تمام رسول نوع انسانی ہی میں سے بھیجے گئے تھے۔

انیاء کو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دیے ہیں۔ مجھہ وہ چیز ہے جو نبی کے ذریعہ عادی طریقوں کے برخلاف ظاہر ہوتا ہے اور عام انسان اس کو کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ نبوت کی حقیقت میں تو نہیں لیکن اس کے لوازم میں ضرور داخل ہے۔ مجھات کو برق مانا اسلامی عقائد میں ہے۔

انیادین و شریعت کے نام پر جو کچھ کہتے اور بتاتے ہیں وہ سب میجانب اللہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے جی اور طبیعت سے کوئی بات نہیں کہتے۔ البتہ ان کی تعلیم وہدایت اور اقول و فرمودات کی دونوں عیتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اللہ کے احکام وہ اللہ کے ہی متعین الفاظ میں بتاتے ہیں اس کو وہی متلو کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ نبی خدا کے منشا اور مرضی کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کے حکم کو اپنے اجتہاد سے اپنے لفظوں میں بیان کرتا ہے۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق ہر قوم، ہر ملک اور ہر خطہ میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو بعثت ہوئی ہے۔ اس طرح جو انیادیا میں تشریف لائے ان کی تعداد بے شمار ہے۔ قرآن مجید میں جن نبیوں کا ذکر ہے ان سب پر تو تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے لیکن جن نبیوں کا قرآن میں ذکر نہیں ہے ان پر اجماعی ایمان لانا کافی ہے۔ اس طرح کے نبیوں کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی خدا کے رسول تھے البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ جو انیابھی خدا کی طرف سے آئے ہیں، ہم ان سب کو مانتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق ہیں کرتے۔

یہ انیا مختلف وقتوں میں لوگوں کی اصلاح کے لیے آتے رہے ہیں جب لوگ ایک نبی کی تعلیم فراموش کر کے کفر و شرک میں پڑ جاتے تھے تو خدادوسرے نبی کو بھیجا تھا سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کیونکہ آپ کی نبوت عالمگیر اور دائیٰ ہے۔ آپ کسی خاص قوم اور ملک کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے پیغمبر بن کر بھیجے گئے تھے اور آپ کو خدا نے جو دین و شریعت عطا کی ہے وہ ہر حیثیت سے بالکل مکمل

اور جامع ہے۔ علاوہ ازین آپ کو خدا نے جو کتاب دی تھی وہ بالکل محفوظ ہے اس میں باطل کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوئی ہے اور نہ کسی نے اس میں کسی طرح کا رد و بدل کیا ہے۔ اس لیے کسی اور بنی کی آپ کے بعد ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب تمام لوگوں کے لیے آپ پر ایمان لانا ضروری ہے اس کے بغیر نہ کسی کو خدا کے دین سے واقفیت ہو سکتی ہے اور نہ اس کے سوانحات کا کوئی راستہ ہے پس جس طرح تمام انبیا پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح آپ کو خاتم النبین سمجھنا اور ماننا بھی ضروری ہے اور جس طرح کسی ایک بنی کا انکار بھی کفر ہے اسی طرح ہی ختم نبوت کو تسلیم نہ کرنا بھی کفر ہے۔

انتشار // ثقافتی // // Cultural Diffusion : ثقافتی انتشار سے مراد کسی ثقافتی گروہ یا علاقہ سے ثقافت کا دوسرا گروہ یا علاقوں تک پہنچنا ہے۔ ثقافتی خاصوں // Traits // کا انتشار کبھی یک رخی نہیں ہوتا۔ بلکہ بالعموم جب دو یا زائد ثقافتیں ایک دوسرے سے ربط میں آتی ہیں تو دونوں کی ثقافت کے اجزاء انتقال پذیر ہوتے ہیں۔ یوں تو مشہور مورخ ہیرودوٹس // Herodotus // نے پانچویں صدی قبل مسیح میں بھی ثقافتی انتشار کی مثالیں پیش کی ہیں۔ لیکن درحقیقت نئی جغرافیائی دریافتون بالخصوص امریکا کی دریافت کے بعد ثقافتی انتشار پر بطور خاص بہت زیادہ توجہ دی گئی۔ اور اس پر بے شمار تحقیقات کی گئیں۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا نئی دنیا کی ثقافت اپنے جغرافیائی ماحول کی پیداوار ہے یا اس میں دنیا کے قدیم علاقوں بالخصوص ایشیا سے بے شمار ثقافتی عناصر درآمد کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں دو مکتب خیال پیدا ہو گئے۔ ایک وہ جو ارتقائی نظریہ کے قائل تھے اور جن کا خیال تھا کہ مختلف علاقوں میں آزادانہ طور سے بلا خارجی ربط کے بھی ماثل ثقافتی خصوصیات پیدا ہو سکتی ہیں۔ دوسرا مکتب کا یہ خیال تھا کہ ارتقائی

امکانات کے باوجود ہر ثقافت کی نشوونما میں انتشار کا بنیادی رول رہا ہے۔ اس کتب خیال کا سب سے بڑا حامی اڈورڈ ٹائلر // Edward Tylor نے انیسویں صدی میں ثقافتی انتشار پر متعدد تحقیقی مقالہ تصنیف کیے۔

1890 تک یورپ اور امریکا میں یہ بات تسلیم کی جا چکی تھی کہ آزادانہ ارتقا کے نظریہ میں بے شمار منطقی جھوٹ پائے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ثقافتی انتشار ہر زمانہ میں کسی حد تک موجود رہا ہے۔ چنانچہ امریکا میں فرانز بوائس // Franz Boas // فرانس میں گبریل تارڈ // Gabriel Tarde // اور جرمنی میں فریدرش ریٹزل // Friedrich Ratzel // اس کے زبردست حامی تھے۔ 1911 میں فرٹز گرینز // Fritz Graebner نے سب سے پہلے نظریہ انتشار پر باقاعدہ رسالہ لکھا۔ لیکن درحقیقت امریکی انسانیات دانوں نے اس میدان میں سب سے زیادہ کام کیا۔

ثقافتی انتشار کا سب سی اہم سبب کسی ثقافت کے افراد یا گروہوں کا دوسرا ثقافت میں منتقل ہونا ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کبھی بھی کسی ثقافت کے تمام اجزاء دوسری ثقافت میں بجنسہ تسلیم نہیں کر لیے جاتے۔ بلکہ عموماً رآمدی ثقافت ان میں سے کچھ خاصوں کو اپنے مزاج اور ضروریات کے اعتبار سے قبول کر لیتی ہے۔ اور اس میں بھی مقامی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ نوآبادیاتی دور میں اس کی لاتعداد مثالیں ملتی ہیں جبکہ یورپین اقوام نے نئی دنیا اور ایشیائی افریقی مالک پر تسلط حاصل کیا۔ ان تمام موقع پر نہ صرف یہ کہ نوآبادیاتی ثقافتوں نے مغربی ثقافتوں سے بہت کچھ حاصل کیا۔ بلکہ خود یورپ میں بھی ان علاقوں کی ثقافتوں سے بے شمار خاصے منتقل ہوئے۔ اسی لیے پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ بالعموم ثقافتی انتشار دورخی ہوتا ہے۔

بعض اوقات حاکم یا مقنتر اقوام کی ثقافت کے بعض اجزاء کو مکوم ثقافتوں کے لوگ مخفف وقار کی خاطر اختیار کر لیتے ہیں۔ اگرچہ کہ یہ اجزاء ان کی ثقافت آب و ہوا اور ضروریات کے لیے بالکل موزوں نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر استوائی ثقافتوں کے عوام نے سامراجی تسلط کے زمانہ میں یورپی لباس کو اپنایا اور باوجود اس کے کہ یہ گرم لباس ان کے لیے موزوں نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس کو وقار کی علامت سمجھا جاتا رہا۔ بلکہ آج بھی اس کے آثار کافی حد تک ان علاقوں میں موجود ہیں۔

ثقافتی انتشار کے بارے میں یاد رکھنا چاہیے کہ جو ثقافت دوسری ثقافت سے کافی خصوصیات قبول کر جکی ہوتی ہے۔ اس کے لیے مزید خاصوں کے قبول کرنے میں کوئی ہمچکاہٹ نہیں ہوتی۔ یعنی جس قدر ثقافتی ربط اور بین عمل بڑھتا جاتا ہے اسی تناسب سے ثقافتی انتشار زیادہ آسان اور قابل قبول ہوتا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ بعض ثقافتی خاصوں کی درآمد کے نتیجہ کے طور پر بے شمار دوسرے خاصے بھی لازمی طور سے یکے بعد دیگرے پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر بارود کی ایجاد اور اس کے انتشار کے ساتھ ساتھ یورپ اور ایشیا کی مختلف ثقافتوں میں یکساں قسم کی فوجی تنظیم اور طرز جنگ کی خصوصیات پیدا ہونے لگیں۔ اس کی سب سے آسان مثال گلکنالوجی کے موجودہ دور کا ثقافتی انتشار ہے۔ جہاں جہاں بھی گلکنالوجی کی توسعی ہوتی جائے گی وہاں یکساں ثقافت کی دوسری خصوصیات بھی مقامی ضروریات اور تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی جائیں گی۔ بعض اہم ثقافتی خاصوں کے انتشار کے ساتھ ساتھ پورے سماج اور اس کے اداروں میں بھی کے بعد دیگرے تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ یہ تبدیلیاں کبھی بھی صد فی صد مثال نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر گوتھک آرٹ // Gothic Art // جermany، فرانس اور

اٹلی میں بالکل ایک سانہ تھا۔ اسی طرح انڈونیشیا کا ہندو اور بدھ آرت ہندوستان سے کافی مختلف ہے۔ اسی طرح یونانیوں نے سامی زبان کے حروف تھجی کو اختیار کیا۔ لیکن اس کی طرز تحریر اور استعمال میں مقامی تبدیلیاں ہوئیں۔ چنانچہ پورے یورپ میں یونانی اور لاطینی زبانوں کا اثر ہے۔ لیکن ہر ملک کی زبان نے اپنا مقامی رنگ طرز تحریر اور معانی اختیار کر لیے ہیں۔ ثقافتی انتشار کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ عام طور سے مذہبی مبلغین، سیاحوں، ڈاکٹروں، تاجرلوں اور مہم پسندوں نے اس کے انتشار میں حصہ لیا۔ ساتھ ہی ساتھ مذہبی مبلغین نے مذہبی اقدار کے انتشار پر زیادہ توجہ مرکوز کی جب کہ تاجرلوں اور سیاحوں کے نقطہ نظر دوسرے تھے اور ان کی نگاہ ثقافت کے دوسرے اجزاء پر زیادہ تھی۔ گویا ثقافتی انتشار میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کے ایجنت یا آلہ کار کس قسم کے افراد یا ذرائع ہیں۔ سماجیات اور انسانیات کی تحقیقات نے بیسویں صدی میں ثقافتی انتشار پر کافی توجہ دی ہے۔ چنانچہ لٹن // Linton, 1936 // کے مطابق یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ انسانی ثقافت کے تیز تر ارتقا کا انحصار اس کے ثقافتی انتشار کی رفتار پر ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد وسائل حمل و نقل اور رسول و رسائل کی وجہ سے علمی ثقافتیں ایک دوسرے سے اس قدر قریب آگئی ہیں کہ جدوں اور ایجادات کا ایک ثقافت سے دوسری ثقافت تک انتشار حیرت انگیز رفتار سے بڑھتا جا رہا ہے۔

ثقافتی انتشار کے ساتھ ملوث ایک اور نظریہ ہے "نفاست پزیری کا عمل" // Sanskritization // یہ ایم ایس سری نواسن کا دیا ہوا نظریہ ہے جس کے مطابق ہر گروہ کسی اپنے سے بہتر اور بلند گروپ کو اپنے لیے مثالیہ گروہ سمجھ کر ہر معاملے میں اس کی نقل کرتا ہے۔ صحیح اور غلط اس کے معیار کے مطابق طے کرنا

ہے۔ مثال کے طور پر فیشن میں فلم اسٹارز کی نقل کی جاتی ہے۔ یہ نقل شعوری اور غیر شعوری دونوں طور پر ہوتی ہے۔ عالمی شہرت کے حامل سری نواسن ہندستانی سماجیات داں ہیں۔ ان کا یہ نظریہ Cultural Diffusion کی ایک تھیوری ہن گیا ہے۔

انظام جاعداد : عدالت کسی دیوالیے کے مقدمہ کے دوران سماحت اس شخص کی جاعداد کے متعلق جسے دیوالیہ قرار دینے کے لیے مقدمہ دائر کیا گیا ہے ایک رسیور مقرر کرے گی اور جس تاریخ سے رسیور مقرر کیا جائے گا اس تاریخ سے وہ جاعداد رسیور کے تصرف میں رہے گی۔ عدالت اس سلسلے میں یہ حکم دے سکے گی کہ:

// 1 // رسیور اس رقم کی بابت مناسب ضمانت داخل کرے جو اسے اس جاعداد کے انصرام و انظام کے سلسلے میں وصول ہو۔

// 2 // رسیور کو اس کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں اس جائیداد کی آمدنی سے مناسب معاوضہ دیا جائے۔

رسیور مامور کرنے کے بعد عدالت یہ حکم دے سکے گی کہ رسیور جاعداد کو اس شخص کے قبضے سے حاصل کرے جس کے قبضے میں جاعداد رسیور مامور کرنے سے قبل تھی لیکن کسی ایسے شخص کے قبضے سے وہ جاعداد نہ لی جاسکے گی جسی بے دخل کرنے کا اس شخص کو حق نہیں تھا جسے دیوالیہ قرار دیا گیا ہو۔ اگر رسیور نے بروقت حسابات داخل نہیں کیے یا اگر اس کی غفلت یا لاپروائی کی وجہ سے جاعداد کو نقصان پہنچا ہو تو عدالت یہ حکم دے سکے گی کہ اس نقصان کی بھرپائی رسیور کی جاعداد کو فروخت کر کے کی جائے۔ حکومت کو

اس کا اختیار ہوگا کہ کسی خاص رقبے کے لیے ایک سرکاری رسیور مقرر کرے۔ ایسی صورت میں اگر وہ رقبہ کسی عدالت کے حدود سماعت میں واقع ہو تو پھر عدالت کسی اور شخص کو رسیور مقرر نہ کرے گی بلکہ سرکاری رسیور بھی اس شخص مقدمے کی حد تک عدالت کا مقرر کردہ رسیور متصور ہوگا سرکاری رسیور کو وہ تنخواہ دی جائے گی جو حکومت مقرر کرے۔ اگر کسی مقدمے میں رسیور مقرر نہ کیا جائے تو عدالت کو وہ تمام اختیارات حاصل ہونگے جو ایک رسیور کو حاصل ہوتے ہیں۔

انظامی شاخ // Executive Branch // : سیاسی انظامیہ // Political Executive // کے خاص فرائض پالیسی کی تشكیل، پالیسی پر عمل درآمد یعنی انظامیہ کی نگرانی اور انظامیہ کے کاموں میں تال میل پیدا کرنا ہے۔ سیاسی عالمہ کی جو ایک مقررہ میعاد کے لیے عوام کے ذریعے منتخب کی جاتی ہے، ماتحتی میں ایک مستقل انظامیہ کام کرتی ہے جس کی موزوں تنظیم، موثر کارکردگی اور ذمے داری کے احساس ہی پر حکومت کی تمام پالیسیوں کی کامیابی کا اختصار ہوتا ہے۔ حکومت کی ساری انظامی شاخ، اہرام مصر کے مانند پچھے حصے میں وسیع تر ہوتی ہے لیکن اوپر اس کا جنم سمتا جاتا ہے اور سب سے اوپر تنظیم اعلیٰ کی ذات اس کی وحدت کی علامت ہوتی ہے۔ سرکاری مکملوں کی تنظیم، شعبہ جاتی تقسیم // Departmentalisation // اور تخصص // Specialisation // کے اصول پر کی جاتی ہے۔ سرکاری مکملوں کے طرز تنظیم کو بیوروکریسی // دفتر شاہی // بھی کہتے ہیں۔ بیوروکریسی کے چار لازمی عناصر ہیں۔

// 1 // کنٹرول اور نگرانی کی مرکزیت، یعنی مرتبہ بندی // Hierarchy // کا اصول جس کے تحت

انظامیہ میں اوپر سے نیچے کی جانب حاکمیت کا ایک خط ^{کھینچ} دیا جاتا ہے۔ یہی نیچے سے اوپر ذمہ داری کا خط بھی ہوتا ہے۔ اور اس خط کے واسطے سے ساری معلومات، تمام اعضا اور کارکنوں تک پہنچتی ہیں۔

// 2 // انظامیہ کا ہر کارکن قوانین و ضوابط کے مطابق کام کرنے کا پابند ہے اور اس کی آزادانہ کارکردگی کے لیے تخلفات فراہم کیے جاتے ہیں۔

// 3 // انظامی شاخ تمام امور کے ریکارڈ اور کاغذات کو محفوظ رکھنے کی پابند ہے۔

// 4 // حکومت کے فیصلوں اور معاملات کے سلسلہ میں رازداری برتنے پر کاربند ہوتی ہے۔

سرکاری عملہ کو سول سروس یا عوامی ملازمین کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ چند امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں۔

// 1 // ان کی بھرتی لیاقت کی بنیاد پر کی جاتی اور ان کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے عملی تربیت دی جاتی ہے۔ // 2 // وہ سیاسی طور پر غیر جانب دار ہوتے ہیں۔ یعنی نہ وہ سیاست میں حصہ لے سکتے نہ

ہی کسی سیاسی پارٹی کے رکن ہو سکتے اور نہ حکمران پارٹی کے اغراض کے تابع ہو سکتے ہیں۔ // 3 //

شہریوں سے روزمرہ کے روابط میں بھی وہ غیر جانب دار ہوتے ہیں۔ یعنی سیاسی یا مذہبی یا طبقاتی بنیادوں پر تفرق نہیں کر سکتے۔ // 4 // ان کے عہدہ کی معیاد، حقوق و فرائض اور شرائط ملازمت معین ہوتی ہیں۔ ان کے خلاف تادبی کارروائی یا ان کی بر طرفی ضوابط کے مطابق ہی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

سول سروں سے مراد وہ اشخاص ہیں جو حکومت کے شہری انظام کے لیے بھرتی کیے جاتے ہیں۔ مسلح

افواج اور قانون ساز اور عدالتی اداروں کے ارکان سول سروس کے زمرہ میں نہیں آتے۔ برطانیہ میں

سول سروس کا نظام 1870 میں قائم ہوا اور وہاں سے ریاست ہائے متحده امریکا اور ہندستان میں آیا۔ برطانوی سول سروس پانچ زمروں میں منقسم ہے : // 1 // سُقْم طبقہ یعنی فیصلہ سازی کرنے والے حکام جن کی تعداد نسبتاً تھوڑی ہے۔ یہ اعلاً ترین سطح پر منصوبہ بندی تنظیم، تال میل، میزانیہ سازی اور انتظامی کارروائی اور عملہ کی نگرانی کرتے ہیں۔ // 2 // تنفیذی طبقہ جو پالیسی سازوں کی ماتحتی میں حکومت کے روزمرہ کے کاموں کو انجام دیتا ہے۔ مثلاً مخصوصوں جمع کرنے والے، آڈٹ کرنے والے وغیرہ۔ // 3 // ماہروں کا طبقہ یعنی پیشہ ور ماہرین مثلاً گاکٹر، انجینئر، سائنس داں اور ماہرین اقتصادیات وغیرہ۔ // 4 // کلرکوں کا طبقہ، یعنی دفتروں میں ریکارڈ رکھنے اور افسروں کو ضوابط اور کاغذات فراہم کر کے فیصلہ سازی میں ان کی مدد کرنے والے افراد اور // 5 // ذیلی مددگاروں کا طبقہ مثلاً ٹائپسٹ، اسٹنگر افرو وغیرہ۔ ہندستان میں سرکاری خدمات کی زمرہ بندی اس طرح کی گئی ہے۔ // 1 // کل ہند سروسیز یعنی انڈین ایڈمنیسٹریٹیو سروس // آئی اے ایس // ، انڈین پولس سروس // آئی پی ایس // اور انڈین فارین سروس // آئی۔ ایف۔ ایس // . // 2 // مرکزی سروسیز مثلاً انکم ٹیکس، آب کاری، کسٹم، پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف، ریلوے، اکنامک وغیرہ // اور // 3 // ریاستی سروسیز // مثلاً صوبائی انتظامی سروس اور دوسری تخصیص سروسیز // ان سروسوں میں مختلف قسم کے کلاس اور گرید پائے جاتے ہیں۔ 1976 میں حکومت ہند نے اپنے عملہ کو باعتبار مشاہرہ چار گروہوں // D,A,B,C // میں تقسیم کیا۔ جمہوری ملکوں میں انتظامیہ کو ذمہ دار اور مسئول رکھنے کے حسب ذیل طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ // 1 // اندرونی کنٹرول: یعنی اعلاً انتظامیہ خود عملہ کو تادیبی اقدامات اور ترقی اور مالی کنٹرول کے ذریعے ذمہ دار رکھتی ہے۔ // 2 // پارلیمانی کنٹرول: انتظامیہ

کے تمام مسائل پر پارلیمان حکومت سے جواب طلب کر سکتی ہے۔ تمام سرکاری مکملوں کے مطالباتِ زر پارلیمنٹ میں مباحثہ کے لیے پیش ہوتے ہیں اور ان کی کارکردگی زیر غور آتی ہے۔ اس طرح پارلیمان کی عوامی حساباتِ مکملی، تجینیہ جاتِ مکملی اور عوامی زمرہ کے اداروں سے متعلق مکملی بارکی سے ان کی کارکردگی کی چھان بین کرتی اور پارلیمان کو اپنی رپورٹ پیش کرتی ہیں۔ اور // 3 // عدالتی کنٹرول: چونکہ جمہوری ملکوں میں انتظامیہ قوانین و ضوابط کے مطابق کام کرنے کی پابند ہے لہذا ان کے غیر قانونی کاموں یا احکامات کو ہمیشہ عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

انتظامی عدالت کے قیام کے وجوہات:

// 1 // خاص علمی مہارت: یہ مہارت تمام قانون داں اشخاص کو حاصل نہیں ہوتی۔ ان معاملوں کے فیصلوں کے لیے مقنہ کی پالیسی یا حکمت عملی کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے و نیز نظم و نسق کا تجربہ بھی درکار ہوتا ہے اس ضرورت کو ایک انتظامی عدالت بھی پورا کر سکتی ہے۔

// 2 // کفایت رسوم عدالت: ان گنت مسائل جن کا تعلق عوام کی بھلائی سے ہوتا ہے ان کا فیصلہ کم سے کم خرچ میں ہونا چاہیے۔

// 3 // تعجیل // Precipitation: کئی ان گنت مسائل کا جن کا تعلق عوام کی بھلائی سے ہے جلد سے جلد فیصلہ نہ ہو تو اس کا امکان ہے کہ انتظامی کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور ان اشخاص کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا لہذا ایک ایسے ادارہ کی ضرورت ہے جو کم سے کم وقت میں ان مسائل کا فیصلہ کر سکے اور یہ ادارہ ایک انتظامی عدالت میں ہو سکتا ہے۔

چک // Flexibility // 4 // : ملک کی معمولی عدالتیں نظائر کی پابند ہوتی ہیں۔ اگر کوئی نظر
ٹے شدہ ہو تو اسی کی پابندی کی جاتی ہے بخلاف اس کے انتظامی عدالتیں عموماً نظائر کی پابند نہیں ہوتیں

جس کی وجہ سے وہ قانون میں چک پیدا کر کے نئے نئے اصول مرتب کر سکتی ہیں جس سے جدید سماجی
قوانين کا منشا پورا ہو سکتا ہے۔

سادگی // Simplicity // : یہ عدالتیں ملک کی معمولی عدالتیں کی پر نسبت ضابطہ دیوانی و
قانون شہادت کے اصول و قواعد کی جگہ بندیوں سے بری ہوتی پیناگرچہ کہ ان عدالتیں کے طریق کار کے
متعلق مختلف قسم کے قواعد مرتب کیے گئے ہیں لیکن ان کو اختیار ہے کہ انصاف کے تقاضہ کو ملحوظ رکھ کے
کسی قانون یا قاعدہ پر عمل کریں۔

حکومت کی ذمہ داری // Responsibility of the Govt. // : قانون انتظامیہ کے مطالعہ سے یہ بات
ظاہر ہوگی کہ شہریوں اور حکومت میں حقوق کے متعلق ہمیشہ اختلاف رہتا ہے ایک طرف عوام کی بھلائی کی
خاطر حکومت مختلف طریقے اختیار کرتی ہے اور سماجی بھلائی کی خدمات انجام دیتی ہے تو دوسری طرف اس
کے اختیارات کے استعمال کی وجہ سے شہریوں کے حقوق میں مداخلت ہوتی رہتی ہے۔ انگلستان، امریکا اور
خود ہندوستان میں ہمیشہ یہ مسئلہ درپیش رہا ہے کہ آیا حکومت نقض معاہدہ یا کسی ٹارٹ کی وجہ سے شہریوں کو
ہرجانہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے یا نہیں۔ انگلستان میں 1947 تک یہ قانون تھا کہ عہدیدار ان تاج شاہی نہ تو
نقض معاہدہ اور نہ ٹارٹ // دیوانی ضرر // کی بابت ہرجانہ ادا کرنے کے پابند ہیں لیکن 1947 کے قانون
چارہ کار بخلاف تاج شاہی کے تحت اس قانون کو بدل دیا گیا ہے اور اب یہ ملازمین تاج شاہی ہرجانہ ادا

کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ امریکا میں "قانون مطالبات بخلاف حکومت وفاقی بر بناء ٹارٹ بابت 1946 کی رو سے وفاقی حکومت کے عہدیدار اگر نقض معاہدہ یا ٹارٹ یعنی فعل ناجائز کے مرتكب ہوں تو ہرجہ دلانے کی وفاقی حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے ہندوستان میں اس قسم کا کوئی کوئی قانون نہیں ہے اور زیادہ تر حکومتی ذمہ داری کی بابت قانون نظائر پر مبنی ہے۔ اگرچہ کہ دستور ہند کی دفعہ 300 کے تحت شہریوں کو مرکزی حکومت یا ریاستی حکومتوں کے خلاف دعویٰ کرنے کا حق دیا گیا ہے تاہم اگر کوئی ملازم سرکار کسی ٹارٹ کا دوران ملازمت مرتكب ہو تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا فعل ناجائز جس کی بابت ہر جانہ کا دعویٰ کیا گیا ہے کسی ایسے کام کے دوران وقوع میں آیا ہو جس کا تعلق حکومت کے سرکاری اختیارات کے تحت نہ ہو اور اگر حکومت کے سرکاری اختیارات کے استعمال کے دوران فعل ناجائز کا ارتکاب ہوا ہو وہ حکومت ہرجہ دلانے کی ذمہ دار نہیں ہوتی اور اگر فعل ناجائز ایسے اختیارات کے استعمال کے دوران وقوع میں آیا ہو جس کا تعلق سرکاری اختیارات سے نہ ہو بلکہ ایسے اختیارات سے ہو جس کا استعمال کوئی خانگی شخص بھی کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں حکومت پر ہرجہ دلانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

لوك پال ولوک آيوكت // Ombudsman Lok Pal and Lok Aayukt // : سوئڈن میں 1807 میں ایک عہدیدار جس کو اوم بڈس میں // Ombudsman کہتے ہیں کا تقرر کیا جس کا یہ فرض تھا کہ وہ شہریوں کی ان تمام شکایتوں اور اعتراضات کی جو عہدیدار ان سرکاری کے خلاف ہوں جانچ پڑتال کرے اور ان کی شکایات و اعتراضات کو دور کرنے کے لیے اس عہدیدار کو یہ اختیار بھی دیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی دریافت میں یہ محسوس کرے کہ عہدیدار متعلقہ راشی ہے یا خلاف قانون عمل کرتا ہے یا بد نیتی سے کسی

شخص کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے جس سے شہریوں کے حقوق میں مداخلت ہو رہی ہو تو اس عہدیدار کو سزا دی جائے اس عہدیدار کا تقرر شہریوں کے حقوق کی ضمانت تھی۔ ڈنمارک میں 1926 میں اس قسم کے ایک عہدیدار کا تقرر عمل میں آیا۔ 1962 میں انگلستان میں نیوزی لینڈ میں بھی ایسے عہدیدار کا تقرر عمل میں آیا۔ 1967 میں انگلستان نی بھی اس پر عمل کیا۔ ہندوستان میں اس قسم کے عہدیداروں کے تقرر کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے اور ان کا نام لوک پال اور لوک آیوکت رکھا گیا ہے۔ 1971 میں پارلیمنٹ میں ایک بل پیش ہوا جس کا نام لوک پال بل ہے۔

انٹرنیشنل - تیسری // 1914 : // Third International میں جب جنگ چھڑی اور پھر 1917 میں روس میں انقلاب کامیاب ہوا تو لینین کو یہ توقع تھی کہ یورپ کی دوسری پارٹیاں بھی یہی را اختیار کریں گی۔ لیکن جب انہوں نے جنگ اور اپنی حکومت کی تائید کا اعلان کیا تو لینین نے 1919 میں انقلابیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم "تیسری انٹرنیشنل" قائم کی۔ اس کی شاخص تیزی کے ساتھ سارے تورپ میں قائم ہونے لگیں۔ اور خود جرمنی کے صوبہ یویریا اور ہنگری میں انقلابی طاقتلوں کو عارضی کامیابی حاصل ہوئی لیکن انھیں کچل دیا گیا۔ جب تیسری انٹرنیشنل یا کومنٹن کی دوسری کانگریس جولائی 1920 میں ماسکو میں منعقد ہوئی تو اس وقت تک یہ تحریک کافی آگے بڑھ چکی تھی اس میں ایک درجن سے زیادہ منظم اور بڑی مکیونسٹ تحریکیوں کے نمایندے شریک ہوئے تھے اور آئندہ چل کر اس تحریک نے نہ صرف یورپ کی سو شلزم کی تحریک بلکہ چین ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کی جدوجہد آزادی میں بھی کافی مدد کی۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمه کے بعد سے یورپ کی مزدور تحریک بری طرح بٹ گئیں۔ کئی ملکوں میں سو شلسٹ پارٹیاں حکومت میں آگئیں لیکن خود ان کے آپس میں کافی نظری اختلافات تھے۔ خود یورپ کے اندر معاشی بحران تیزی کے ساتھ امہر رہا تھا اور اسی کے ساتھ فاشست تحریکیں امہر رہی تھیں۔ سو شلسٹ کمپنیزیوں سے با تھے ملاتے ڈرتے تھے اور کیلے ان کے لیے فاشزم کی مذاہمت ممکن نہیں تھی اور اس کمزور اور متزلزل پالیسی کا پہ نتیجہ نکلا کہ پہلے اٹلی میں فاشزم نے کنٹرول حاصل کیا اور اس کے بعد جرمی میں فاشزم نے اقتدار حاصل کرتے ہی نہ صرف کمپنیزیوں کو اپنے ظلم و تشدد کا مرکز بنایا بلکہ سو شلسٹوں کو بھی نہیں بخشنا۔ اسے دیکھ کر سو شلسٹوں نے اپنی پالیسی بدلتی اور فرانس میں سو شلسٹوں اور کمپنیزیوں کی مشترکہ حکومت بنی لیکن اب تک فاشزم کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ 1939 میں جب عالمگیر جنگ چھڑی اور 1940 میں فرانس کو شکست ہوئی تو سو شلسٹ پارٹی پر انتقام عاید کیا گیا۔

انٹرنیشنل - دوسری // Second International : پہلی انٹرنیشنل جب قائم ہوئی تو اس نے یورپ کے مختلف ملکوں میں سو شلسٹ تحریکوں کی شروعات کی اور ان کی ترقی میں مدد دی لیکن آگے چل کر ان سب ملکوں میں یہ تحریکیں تیزی سے بڑھیں اور مختلف شکلیں اختیار کرنے لگیں۔ ویسے تو یہ سب ہی مارکسزم کا دم بھرتی تھیں لیکن عملانقلابی راستہ ترک کر کے اصلاح پسندی اور پارلیمانی سرگرمیوں کی طرف مائل ہونے لگیں تھیں اور سوائے روس کے یورپ کے تقریباً سب ہی ملکوں کی پارلینمنٹوں میں یہ نہایت اہم طاقت بن کر ابھریں۔

1889 میں جب سو شلسٹ تحریک کی دوسری بین الاقوامی تنظیم یا دوسری انٹرنیشنل کی بنیاد پڑی تو پوری سو شلسٹ تحریک کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ بجائے نظری طور پر ایک متحداً القلابی تنظیم کے اب وہ سو شلسٹ تحریکوں کی گویا ایک پارلیمنٹ تھی۔ اس کانگریس پر جرمی سو شل ڈیماکریٹک پارٹی چھائی ہوئی تھی اور اس کے اثر سے کانگریس نے یہ طے کیا کہ کوئی سو شلسٹ پارٹی اپنے ملک کی بورژوا حکومت میں حصہ نہیں لے گی۔ فرانس کی پارٹی نے زاوے کی سرکردگی میں اس کی سخت مخالفت کی لیکن آخر کار 1914 میں عالم گیر جنگ چھڑی تو سب سو شل ڈیماکریٹک پارٹیوں نے دنیا کے مزدور ایک ہو جاؤ کا نعروہ ترک کر دیا اور ہر ایک جنگ اور اپنی اپنی حکومتوں کی حامی بن گئی۔

انجذاب // Assimilation : انجذاب سے مراد ایسا طریق ہے جس کے ذریعہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ یا ایک جماعت دوسری جماعت کے خیالوں، رجحانوں، جذبوں اور روایتوں کو اس طرح اپناتی ہے کہ وہ مشترک تمدنی زندگی کا جزو بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے قریب آنے سے پیشتر جو خیالوں، مسلکوں اور رجحانوں میں غیر یکسانیت پائی جاتی تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتی جاتی ہے جس کی بناء پر وہ ایک مشترک تمدنی زندگی کے حامل نظر آتے ہیں۔

سماجیات اور نفسيات کے ماہروں نے انجذاب کا مطالعہ بڑی گہرائی سے کیا ہے۔ انہوں نے مہاجریوں اور غیر ملکی لوگوں کو غالب تمدنی Dominant Culture // میں ضم ہوتے دیکھا ہے۔ وہ بھی اس طرح سے کہ چند برسوں کے بعد نئے تمدنی نمونے ان کی سماجی زندگی پر اس طرح حاوی ہو گئے کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے اصلی تمدنی نمونوں کو بھول بیٹھے۔

بچے بھی بڑی آسانی کے ساتھ غالب تمدن کے اثرات کو قبول کر لیتے ہیں چاہے پیدائشی طور پر ان کا تعلق اس تمدن سے ہو یا نہ ہو۔ ہندستانی بچے جب غیر ملک میں رہنے بسنے لگتے ہیں یا غیر ملک کے بچے ہندستان میں رہنے لگتے ہیں تو وہ اپنے اطراف کے ماحول کو اتنی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں کہ ان کے ابتدائی خاندانی اثرات کا پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کا لب و لہجہ انداز گفتگو، رہنے سہنے کا طریقہ میں ملاپ کے آداب اور پہناؤ اسپ ہی ماحول کا زبردست اثر قبول کر لیتے ہیں۔ یہی حال ان شادی شدہ جوڑوں کا ہوتا ہے جن کا تعلق مختلف تمدنی زندگی سے ہونے کے باوجود وہ مفادوں، مقاصدوں اور دلچسپیوں کے مشترک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے تمدنی نمونوں کو بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ انجداب کی انتہائی شکل تبدیل مذہب میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

انجداب ایسا سماجی طریق ہے جو کسی خاص سماجی گروہ سے والبستہ نہیں بلکہ وہ ہماری سماجی زندگی کا اہم جزو ہے۔ ساتھ ہی یہ سمجھنا غلط ہے کہ انجداب ایک طرفہ طریق ہے جس کی وجہ سے فرد یا جماعت اپنے تمدنی نمونوں کو کلیتہ پھوڑ کر غالب تمدن میں جذب ہو جاتے ہیں بلکہ جب کبھی بھی افراد یا جماعتوں ایک دوسرے کے قریب آتی ہیں اور ان میں باہمی میں ملاپ بڑھتا جاتا ہے تو ان کا ایک دوسرے کے تمدنی نمونوں سے نادانستہ اور دانستہ طور پر متاثر ہونا اور ان کا قبول کرنا ضروری ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ابتدائی // نوعیت کے تعلقات میں انجداب کا طریق زیادہ سرعت سے آگے بڑھتا ہے اور ثانوی Primary // نوعیت کے تعلق میں انجداب کے عمل کی رفتار کس قدر کم ہو جاتی ہے۔ Secondary

انجذاب کے طریق کو آگے بڑھانے میں چند عامل کا فرمایا ہوتے ہیں مثلاً زبان جو اظہار خیال کا زبردست آلہ ہے۔ اگر افراد اور جماعتیں ایک دوسرے کی زبان سے واقف ہوں تو تمدنی باریکیوں کو سمجھنے اور انھیں اختیار کرنے میں سہولت ہوتی ہے ورنہ زبان کی عدم واقفیت کی وجہ سے اس میں غیر معمولی دشواری پیدا ہوتی ہے۔ سماج میں ہم آہنگی تجربوں کی یکساںیت پر مبنی ہوتی ہے جو انجذاب کے طریق کو فروغ دینے میں اہمیت رکھتی ہے۔

غرض انجذاب ایک ارتباٹی // Associative // طریق ہے جس میں بین عمل کی نوعیت ایک دوسرے کے قریب آنے پر مائل کرتی ہے۔ افراد پسندیدہ اور ناپسندیدہ حالت کا اندازہ لگا کر ایسے عمل کی طرف مائل ہوتی ہیں جس سے دوستی کا رجحان بڑھتا ہے، ایک دوسرے کے قریب آنے کی امنگ بڑھتی ہے جس کی وجہ سے انجذاب کا طریق آسان ہوتا جاتا ہے۔

انجذاب کے لیے بین عمل کا دائرہ وسیع ہونا ضروری ہے۔ افراد اور جماعتوں کے تعلقات جتنے زیادہ وسیع ہوتے جائیں گے اتنی ہی آسانی کے ساتھ لوگ اور چیزیں، برتری اور کمتری پر مبنی خیالات کو چھوڑ کر ایک دوسرے کی اچھائیوں کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوں گے۔ اس آزادانہ بین عمل // Free // Interaction کے لیے نہ صرف ایک دوسرے کا برسوں تک ساتھ رہنا ضروری ہے بلکہ خیالوں میں وسعت، ایک دوسرے کے تمدنی نمونوں کا احترام ضروری ہے ورنہ ایسی بھی مثالیں موجود ہیں جب کہ مختلف تمدنی نمونوں سے تعلق رکھنے والے میاں بیوی، مالک اور نوکر، آجر اور مزدور کے درمیان تناؤ اور

کھینچا و پیدا ہوتا رہا ہے اور زندگی بھر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کے خیالوں کا احترام نہ کرسکے۔

انجداب کے طریق کی وضاحت کے لیے عام طور پر امریکا کی مثال دی جاتی ہے۔ یہاں بسنے والوں میں کچھ ایسے تھے جنہیں آزادی سے محبت تھی، بعض ایسے تھے جنہیں پیسے کا لٹکھینچ کر لایا تھا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو موقعوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ بہر حال ان کی زندگی کا مقصد اور مطمئن نظر چاہے کچھ ہی ہو، ہر ایک کے پاس قدرت کا کچھ نہ کچھ عطا یہ ضرور تھا اور یہ اپنی صلاحیتوں کو امریکا کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے۔ ان میں آئرش بھی تھے، ڈچ بھی تھے، انگریز بھی تھے، فرانسیسی بھی، ہسپانوی بھی اور نیگرو بھی۔ یہ اپنے ساتھ اپنا مخصوص ادب اور فنون لطیفہ بھی لائے تھے اور فن تعمیر اور فن دستکاری بھی۔ ان کے ساتھ موسیقی بھی تھی اور آلات موسیقی بھی۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انہیں اپنے دست و بازو پر ناز تھا جس کی وجہ سے انہیں یقین کامل تھا کہ وہ کسی کے آگے دست نہیں ہوں گے۔ غرض یہ مہاجرین ایک نئی دنیا میں مضبوط بنیادوں پر معاشری عمارت کھڑی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے زمین کو صاف کیا طرح طرح کے ریج ہوئے۔ لکڑیاں کاٹیں، کارخانوں میں کام کیا، کانیں کھودیں، سڑکیں بنائیں اور جانوروں کی گلہ بانی کی۔ غرض انہوں نے یہ اور اسی نوعیت کے ان گنت کاموں میں اپنی محنت اور وقت صرف کیا۔ ان کے لوک گیت اور لوک کہاویں جن میں برس ہا برس کا تجربہ پنهان تھا قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتی رہیں۔ ان سب کے باوجود مقصد کی یکسانیت انہیں ایک دوسرے کے اس طرح قریب لائی کہ وہ سب ایک مشترک تمدن میں مکمل گئے۔

اس لحاظ سے جو عوامل انجداب کے طریق میں معاون ثابت ہوتے ہیں ان میں رواداری، معاشی موقعوں کی یکسا نیت، اجنبیوں اور ان کے تمن سے ہمدردی، تمدنی نمونوں کی مشاہدہ شامل ہیں۔ رواداری کی وجہ سے ترسیل // Communication کا عمل بہت زیادہ آسان ہو جانا ہے۔ جس کی وجہ سے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ لوگوں میں اندر ورنی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر زندگی گزارنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جس دور میں بھی لوگوں کو تبدیل مذہب یا کسی خاص سیاسی مسلک کو قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا یا دباو ڈالا گیا تب لوگوں نے ترک وطن کو ترک مذہب اور ترک مسلک پر ترجیح دی اور ایسے ملکوں میں پناہ لینا پسند کیا جو ان کے ساتھ روادارانہ سلوک کرنے کی طرف مائل تھے۔ ہر وہ معاشی نظام جو روابطی بندھنوں کو توڑ کر افراد کو محض ان کینجی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بناء پر ترقی کے موقع فراہم کرتا ہے وہ انجداب کے طریق کو تقویت پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے برخلاف جب ذات پات، رنگ روپ، جائے پیدائش، خاندانی امارت کی بناء پر افراد اور گروہوں کی تفریق عمل میں آتی ہے تو وہاں انجداب کے طریق میں بڑی زبردست رکاوٹ پیش آتی ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ انجداب کے عمل کے ساتھ ہی ساتھ اکثر انجداب کے بدے مشترکہ تمدن // Composite Culture پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کوئی بھی تمدن دوسرے میں جذب نہیں ہوتا بلکہ دونوں اپنے اپنے مقام پر باقی رہتے ہیں۔ اس کے باوجود ان میں ساختی اور وضعی تبدلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہندستان میں رہنے والے ہندو اور مسلمان صدیوں تک ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہوئے

البتہ دونوں کی تہذیب و تمدن پر ایک دوسرے کے گھرے اثرات پڑے۔ سماجیات کی اصطلاح میں اس عمل کو Aculturation کہا جاتا ہے۔ اس طرح اکلپیریشن کی ساتھ ہی ساتھ مشترکہ تمدن بھی پہنچتا ہے جو دونوں بنیادی تمدنوں کی خصوصیات کا حامل ہونے کے باوجود ایک مختلف نوعیت کا حامل ہوتا ہے جیسے کافی اور سفید چڑیوں کے میل سے پیدا ہونے والی چنکبری چڑیا۔ یہ عمل عموماً غیر محسوس طور پر دھیمی رفتار سے چلتا رہتا ہے۔

انجمن // Association : سماج بے شمار انجمنوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ انجمن سے مراد ایسا باقاعدہ // گروہ ہے جو واضح اور مخصوص مقاصد کے لیے تشکیل پاتا ہے۔ ہر انجمن کے معینہ قواعد ہوتے ہیں۔ اس کی باقاعدہ تنظیم ہوتی ہے۔ اور مسلسلہ طریقہ کار ہوتا ہے۔ اس کی ایک باقاعدہ اور رسمی قیادت بھی ہوتی ہے۔ انجمن کے افراد کے مابین جو تعلقات پائے جاتے ہیں اس کی اساس مشترکہ مفادات پر قائم ہوتی ہے۔ چونکہ انجمن کے اغراض و مقاصد مشترک ہوتے ہیں اور اکثر اس میں افراد کا راست کردار ثانوی ہیئت رکھتا ہے۔ اس لیے عام طور سے انجمنوں میں شخصی اور راست کے بجائے غیر شخصی اور ثانوی تعلقات پائے جاتے ہیں۔ اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کی وجہ سے انجمنیں دوسرے منظم گروہوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ موجودہ سماج بے شمار انجمنوں کا جال ہوتا ہے۔ جس میں کاروباری انجمنیں، مزدوریوں، مدرسے، سیاسی جماعتوں، کھیل کے کلب وغیرہ شامل ہیں۔

انجمن کی ایک دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں بین عمل کا ایک نسبتاً مستقل قسم کا طریقہ رانج ہوتا ہے۔ اور اس اعتبار سے تقریباً وہ نام گروہ جو واضح اغراض و مقاصد رکھتے ہیں۔ انجمن کی تعریف میں شمار کیے

جاتے ہیں۔ اس کی اہم اقسام میں رضا کارانہ اور غیر رضا کارانہ انجمینیں شریک ہیں۔ اس کی دوسری اقسام میں اخلاقی اور پیشہ ور انہ انجمینیں بھی شامل ہیں۔ رضا کارانہ انجمنوں سے مراد ایسی انجمینیں ہیں جن کی رکنیت متعلقہ افراد کی مرضی کی پابند ہوتی ہیں مثال کے طور پر کسی پیشہ ور ایسا ادبی انجمن کی رکنیت کسی فرد کے لیے لازمی نہیں ہے۔ چاہے تو وہ رکن بنے، چاہے تو اس سے مستغفی ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف غیر رضا کارانہ انجمینیں وہ ہیں جن کی رکنیت یا تو پیدائش کی بنیاد پر ہوتی ہے یا پھر جس کی رکنیت حاصل کرنے کے بعد کوئی فرد آسانی سے مستغفی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض حالات میں فوجی ملازمت سے علاحدگی کا سپاہیوں کو اختیار نہیں ہوتا۔

رضا کارانہ انجمینیں ادبی اور ثقافتی ہونے کے علاوہ فلاحتی اور رفاهی بھی ہوتی ہیں۔ ایک مہذب سماج میں ہر فرد کئی رسمی اور غیر رسمی انجمنوں کا رکن ہوتا ہے۔ ان کے حساب ہی سے اس کی شخصیت کی بے شمار پہلو ہوتے ہیں۔ ایک سادہ سماج میں انجمینیں کم ہوتی ہیں جبکہ ایک پیچیدہ معاشرے میں کئی قسم کی انجمینیں قائم ہوتی رہتی ہیں سماج میں تبدیلیاں ہونے کے ساتھ انجمنوں کی اقسام بھی بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ دوستی کر کے لوگ مختلف ادارے اور انجمینیں بنانے لیتے ہیں جبکہ ارکین کی کبھی ملاقات نہیں ہو پاتی۔

انجمن دراصل سماج کی ایک چھوٹی سی تصویر ہوتی ہے۔ سماج میں تبدیلی کے ساتھ ہی انجمنوں کی ساخت بھی بدلتی رہتی ہے۔

انجمن اقوام جنوب مشرقی ایشیا // Association of South East Asian Nations, ASEAN //

انجمن ایک علاقائی بین الحکومتی تنظیم ہے جسے انڈونیشیا، ملیشیا، فلپائن، سنگاپور اور تھائی لینڈ کے وزراء خارج نے 8 اگست 1967 کو بنکاک اعلامیہ کے ذریعہ بنکاک میں قائم کیا۔ برونی نے 1984 میں، ویت نام نے 1995 میں، لاوس اور میانمار نے 1997 میں اس میں شمولیت اختیار کی۔ اقتصادی، سماجی اور ثقافتی میدانوں میں ترقی کی تیز رفتاری، باہمی دلچسپی کے امور میں مدد، جنوب مشرقی ایشیائی علاقے میں سیاسی و اقتصادی استحکام کا تیقن اور ایسے ہی مقاصد کی حامل بین الاقوامی و علاقائی تنظیموں کے تعاون کا حصول ہی اس انجمن کے مقاصد ہیں۔

یہ انجمن سابقہ "انجمن جنوب مشرقی ایشیا" کی جانشین ہے جو ملیشیا، فلپائن اور تھائی لینڈ پر مشتمل تھی جس کے تمام پروجیکٹوں کی تکمیل کی ذمہ داری موجودہ انجمن نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ سربراہان حکومت کا اجلاس اس انجمن کی خصوصیت ہے جوہر تیسرے سال منعقد ہوتا ہے۔ اس کا تنظیمی ڈھانچہ وزراء خارجہ کی سالانہ کانفرنس ہے۔ اس کی استقراری کمیٹی کہلاتی ہے اور جسے پالیسی سازی کا اختیار حاصل ہے۔ اقتصادی، سائنس، ٹکنالوجی اور ثقافتی امور سے متعلق بہت سی کمیٹیاں بھی ہیں۔ مرکزی سکریٹریٹ کا سربراہ ایک سکریٹری جنرل ہے جس کا تقرر ہر تیسرے سال حروف تہجی کے مطابق ممبر ملکوں میں گشت کرتا ہے۔

انجمن کا صدر دفتر جکارتا // انڈونیشیا // میں واقع ہے۔

انجروسیو // Injorecessio : رومن لاء میں یہ بھی جاعداد کی شقلی کا ایک طریقہ تھا جو قانونی دعویٰ کے ذریعہ عمل میں لایا جاتا تھا۔ شقل علیہ محسٹریٹ کے سامنے یہ ادعا کرتا تھا کہ یہ چیز اس کی ہے اور شقل کنندہ جو مدعی عالیہ ہوتا تھا اس امر کا اقبال کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ دعویٰ 'صدقت پر بنی ہے۔ ایسا دعویٰ پیش ہونے پر اور اقبالی جواب پیش ہونے پر محسٹریٹ یہ فیصلہ کرتا تھا کہ وہ چیز شقل علیہ کو دے دی جائے۔

اخرافی برtaوؐ // Deviant Behaviour کی گئی ہیں ان سے اس بات کا گمان پیدا ہوتا ہے کہ دراصل یہ ایک ہی تصور کے دونام ہیں۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ دشواری یہ ہے کہ جب کسی سماج میں مسائل پیدا ہوتے ہیں تو ان کے تعلق سے جو موضوعی // Subjective نقطہ نظر پیدا ہوتا ہے ان کو سائنسی قرار دینا بہت مشکل ہے۔ لیکن چونکہ سماجیاتی مسائل سے گریز ممکن نہیں اس لیے تقریباً ہر سماج میں بسا اوقات ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کو کبھی سماجی اخraf اور کبھی سماجی بد نظمی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات اپنی جگہ اہم اور سماجیاتی نقطہ نظر سے قابل غور ہیں۔ لیکن یہ مکمل طور پر ہم معنی نہیں ہیں۔

اخرافی برtaوؐ سے مراد وہ برtaوؐ ہے جو مروجہ اصول اور طریقوں، توقعات اور سماجی نظام کے عام برtaوؐ سے مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ جرم کو اخرافی برtaوؐ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ سماج کے معینہ اصول اور قواعد کی خلاف ورزی پر منحصر ہوتا ہے۔ زندگی میں نظم باقاعدگی اور اقدار کی پابندی ہر سماج میں کم و بیش واضح اور معین ہوتی ہے۔ خواہ اس کا تعلق سماج کے رسمی اداروں اور گروہوں سے ہو یا غیر رسمی تعلقات سے۔ ہر سماجی تعلق اور رشتہ کی پشت پر کوئی نہ کوئی سماجی قدر کار فرمائی ہوتی ہے۔ خواہ اس کا تعلق دوستوں کے حلقہ

سے ہو یا خاندان، کاروباری گروہ، فیکٹری یا قومی سماج سے۔ ان تعلقات کے سبب سے فرد کا جو رشتہ پیدا

ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مطابقت // Confirmity // کا اور دوسرا انحراف //

// کاکسی برداشت کو انحرافی قرار دینے کے لیے تین امور پر غور کرنا ضروری ہے۔ Deviance

مغض کسی معاشرہ کے اکثریتی برداشت سے انحراف کو انحرافی برداشت نہیں کہا جاسکتا بلکہ انحرافی // 1 //

برداشت سے مراد وہ برداشت ہے جو سماج میں کم پسندیدہ یا غیر متوقع سمجھا جاتا ہے۔

// 2 // انحرافی برداشت کا ایک اہم سبب فرد کی نفسیاتی اور مرضیاتی کیفیت ہوتی ہے یعنی بعض افراد یا

گروہ ذہنی اعتبار سے ایسے برداشت کے مرتکب ہوتے ہیں جو عام برداشت کے مختلف ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں

اس قسم کے برداشت کے مختلف نفسیاتی اور سماجی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں درکھائیم نے اپنی مشہور

تصنیف "خودکشی" میں کافی روشنی ڈالی ہے۔

// 3 // انحرافی برداشت کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ایسا برداشت سماجی اقدار کے خلاف ہوتا

ہے مثلاً دھوکہ دینا، جعل سازی کرنا، چوری کرنا، سماجی اقدار اور روایات کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے جو

فرد یا افراد ایسے عمل کے مرتکب ہوں انھیں انحرافی برداشت کا ذمہ دار کہا جائے گا۔

وہی تر معنوں میں انحرافی برداشت کا ہر حال میں سماج کے لیے مضر ہونا ضروری نہیں۔ مثال کے طور پر جتنے

بھی مذہبی پیشاواں اور انقلابی رہنمائے پیدا ہوئے انھوں نے عام طور سے اپنے زمانہ کے سماجی رواج اور

اقدار کی شدت سے مخالفت کی۔ اور اس اعتبار سے بلاشبہ ان کا برداشت انحرافی تھا۔ اگرچہ کہ بعد کے تجربات اور

نتائج سے پتہ چلا کہ ایسے افراد کا طریق سماج کی ترقی اور ثبات تبدیلیوں کے لیے انتہائی مفید اور نتیجہ خیز

ثابت ہوا۔ اس اعتبار سے انحرافی برداوئے کے نتائج مثبت بھی ہو سکتے ہیں اور منفی بھی لیکن اس کا اہم عنصر سماج کے مروجہ طریقوں سے انحراف ہے۔

انحرافی برداوئپر جن لوگوں نے اساسی تحقیقاتی کام کیے ہیں ان میں درکھائیم // 1897 //، مرٹن // Znaniecki, 1920 //، تھامس // Thomas // اور زنانگی // Merton, 1949-1957 //، کلیفرڈ شا // Clifford Shaw // اور ہنزی میکے // Henry Mckay, 1942 //، سنڈر لینڈ // D.R.Cressey, 1964 //، جی. اچ. میڈ // G.H. Mead, 1934 //، ڈی. آر. کریسی // T.Parsons, 1951 // اور کوہن // Cohen, 1955 // قابل ذکر ہیں۔

انحرافی برداوئے کے لاتعداد سماجیاتی اسباب ہوتے ہیں۔ اور سماج جس قدر زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ تبدیل ہوتا ہے۔ اسی تناسب سے انحرافی برداوئیں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ انحرافی برداوئیں سے بعض سماجی ارتقاء اور پیش قدمی کا باعث بنتے ہیں اور بعض اس میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ سائنسی نقطہ نظر سے کسی برداوئے کے انحرافی یا غیر انحرافی قرار دینے کا اختصار وقت اور حالات کے تقاضوں پر ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہمہ وقت تحقیق اور تجزیہ کا مقتضی ہے۔ کیونکہ یہ اضافی نظریہ ہے اور اس کی تفہیم اور تشریح کے بغیر سماجی نظام اور سماجی توازن قائم نہیں رکھا جاسکتا۔

یہاں یہ نقطہ قابل غور ہے کہ انحرافی برداوئے کے سلسلے میں قدامت پسند سماج کا رویہ سخت ہوتا ہے جبکہ ترقی پسند اور ترقی یافتہ معاشرہ اس کے تئیں نرم رویہ رکھتا ہے۔ اور اس میں اکثر انحرافی برداوئوں جو جلد ہی سماج کے خاص دھارے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ جبکہ قدامت پسند سماجی نظام میں انحرافی برداوئے ایک طویل مدت

تک غلط اور غیر معیاری ہی سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "هم جنسیت" جس کو ہندستان اور دوسرے قدامت پسند ملکوں میں گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ امریکا میں پوری طرح قانونی اور سماجی سپورٹ حاصل کرچکی ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سماج کتنا بھی قدامت پسند کیوں نہ ہو، انحرافی برtaوہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ مطابقت // Confirmity سے الگ ہٹ کر چلنا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آزاد سماج میں قوت برداشت زیادہ ہوتی ہے جبکہ قدامت پسند سماج انحرافی برtaوہمیشہ کے خلاف سخت قدم اٹھاتے ہیں لیکن کوئی سماج بھی انحرافی برtaوہمیشہ کو کھلی چھوٹ کبھی نہیں دیتا۔

انڈین نیشنل کانگریس // Indian National Congress // : انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ایک ریٹائرڈ آئی سی ایس آفیسر ایلن آکٹیویں ہیوم // 1829. 1912 // اور ہندستانی رہنماؤں کی مشترکہ کوششوں سے عمل میں آیا۔ مسٹر ہیوم ہندستانیوں کو باخیانہ اقدامات سے دور رکھنے کے لیے ان کی توانائی کو آئینی سمت میں موڑ دینا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہندستانی رہنماؤں سے مدد لی اور واسرائے لارڈ ڈفرن // 1884-1888 کو بھی اعتماد میں لیا جو کانگریس کو حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے والی انجمن کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے تھے۔

اس کا پہلا اجلاس 28/ دسمبر 1885 کو بکٹی میں منعقد ہوا جس میں ہندستان کے مختلف حصوں سے 72 مندوب شریک ہوئے اور ڈبلیو. سی. بزرگی // 1844-1906 // نے اس کی صدارت کی۔ تمام محبان وطن کے درمیان دوستانہ جذبات کو فروغ، ان کے اندر قومی اتحاد کے جذبات کا استحکام، اہم معاشرتی مسائل پر

تعلیم یافتہ ہندستانیوں کے درمیان غور و خوض اور اگلے سال کے لیے عوامی مفاد سے متعلق پروگرام کا تعین اس کے مقاصد قرار پائے۔ کانگریس کا دوسرا اجلاس 1886 میں دادابھائی نوروجی کی صدارت میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ تیسرا اجلاس بدرالدین طیب جی کی صدارت میں 1887 میں مدراس میں انعقاد پذیر ہوا اور چوتھا اجلاس 1888 میں جارج یول کی صدارت میں الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس طرح کانگریس کے اجلاس ہر سال ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہوتے رہے اور ان میں مندو بین کی تعداد میں مستقل اضافہ ہوتا گیا۔

کانگریس کی تاریخ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ // 1 // اس کا پہلا حصہ 1885 سے 1905 تک محيط رہا۔ اس دور کو اعتدال پسندوں کے دور سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ کانگریس پر ان رہنماؤں کا غالبہ رہا جو حکومت کے وفادار تھے، مغربی تعلیم سے آرستہ تھے، برطانوی جمہوری اداروں کو ہندستان میں قائم کرنا چاہتے تھے، انگریزوں کے منصفانہ جذبہ میں یقین رکھتے تھے اور ان کے وجود کو ہندستان کے لیے باعث رحمت تصور کرتے تھے۔

// 2 // لیکن اعتدال پسندوں کی پالیسیوں سے کانگریس کے رہنماؤں کا ایک طبقہ اختلاف رکھتا تھا۔ وہ اعتدال پسندوں کی اصلاحات اور مراعات کی پالیسی کو خیرات کی پالیسی سے تعبیر کرتا تھا اور ہندستان کو ہندستانیوں کی تقدیر سمجھتا تھا۔ وہ اس پر ہندستانیوں کا تصور کرتا تھا۔ یہ دور 1905 سے 1919 تک جاری رہا اور انتہا پسندوں کے دور سے موسوم ہوا۔ اس کے رہنماؤں میں لالہ لاجپت رائے، بال گنگا دھر تلک اور پن چندر پال بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ 1907 میں اعتدال پسندوں اور انتہا پسندروں کے مابین اختلافات کے

سبب دو حصول میں مقتسم ہو گئی اور اعتدال پسندوں کو کانگریس کی رکنیت سے خارج کر دیا۔ بعد ازاں 1916 میں جب مسلم لیگ اور کانگریس نے بیٹاً لکھنؤ پر دستخط کیے تو انتہا پسندوں کو دوبارہ کانگریس میں داخل کر دیا گیا۔ 1918 میں مائیگو جیمس فورڈ اصلاحات پر اختلافات کے سبب اعتدال پسند کانگریس سے مخفف ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو لبرل پارٹی کے نام سے منظم کر لیا۔

// 3 // کانگریس کا تیسرا دور 1919 سے 1947 تک محيط رہا ہے۔ اسے مہاتما گاندھی کے دور سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دور میں گاندھی جی نے افریقہ سے ہندستان والپس بوکر 1917 میں چمپارن میں پہلا ستیہ گرہ کیا، احمد آباد کے مل مزدوروں کی تحریک چلائی، 1919 روٹ بل کی مخالفت میں ستیہ گرہ کیا، 1920 میں خلافت عدم تعاون تحریک کی قیادت کی، 1930 میں ڈانڈی مارچ کر کے نمک کا قانون توڑا، 1932 میں تحریک سول نافرمانی کا آغاز کیا، 1940 میں جنگ کے خلاف انفرادی ستیہ گرہ کیا اور 1942 میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں "ہندستان چھوڑو" تحریک کی قرارداد پیش کی۔ اس کے نتیجے میں کانگریس کے تمام رہنماؤں کو گرفتار کر کے گاندھی جی کو آغا خاں پونا میں نظر بند کر دیا گیا اور دوسرے رہنماؤں کو احمد نگر کے تاریخی قلعے میں قید کر دیا گیا۔

23/ مارچ 1940 کو جب مسلم لیگ نے لاہور اجلاس میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر لاہور قرارداد کے تحت مسلمانوں کے لیے ہندستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو کانگریس نے شدت سے اس کی مخالفت کی لیکن برطانوی حکومت نے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کیا اور اس کی پالیسی سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ ہر قدم پر اس کی مدد بھی کی اور بالآخر ہندستان کے آخری و ائس رائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ذریعہ تین جون پلان کے

تحت 14 اگست 1947 کو پاکستان کا قیام عمل میں آگیا اور 15 اگست کو ہندستان آزاد ہو گیا۔ حصول آزادی کے بعد کانگریس تیس تک مرکز اور کئی برسوں تک ریاستوں میں بر سرِ اقتدار رہی۔ تاہم کانگریس کو 1977 میں مسز اندر اگاندھی کے الیشن میں ناکامی کے بعد اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا اور جنتا پارٹی نے مرارجی دیسائی کے زیر قیادت اقتدار کی ذمہ داری سنبحالی تاہم 1980 میں مسز گاندھی دوبارہ بر سرِ اقتدار آگئیں اور انہوں نے کانگریس کو کانگریس // آئی // کے نام سے موسم کیا۔ مسز گاندھی اس کی صدر اور منتخب ہوئیں۔ اکتوبر 1984 میں ان کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے راجیو گاندھی کانگریس کے صدر اور وزیرِ اعظم منتخب ہوئے۔ 1989 میں کانگریس پھر اقتدار سے محروم ہو گئی تاہم 1991 میں پھر بر سرِ اقتدار آگئی اور 1995 تک صدر کانگریس نر سماں اور گی وزارتِ عظمیٰ میں اقتدار پر قابض رہی۔ اس کے بعد سے 2001 تک یہ اقتدار سے محروم ہے اور اس کی باغ ڈور راجیو گاندھی کی بیوی اور مسز اندر اگاندھی کی بہو سونیا گاندھی کے ہاتھوں میں ہے۔

انسانی اقدار سماجیاتی تناظر میں // Sociology of Human Values // : سماجیات میں قدر // کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب سائنسی علم کے بر عکس وہ علم پیش کیا جاتا ہے جس میں اخلاقی معیار اور اکیا ہونا چاہیٰ پر گفتگو ہوتی ہے۔ یہ وہ علم کا خطہ ہے جو سائنسی علم کے زمرے میں نہیں آتا۔ کسی بھی سماج کے افراد اپنے سامنے کچھ مقاصد رکھتے ہیں اور کچھ بنیادی عقائد کے تحت اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ مشہور امریکی ماہر سماجیات ٹالکوٹ پارسونس // Talcott Parsons // کا ماننا تھا کہ آپسی مشترک قدریں افراد کو ایک سماجی ڈھانچے میں پروتی ہیں جس سے سماجی اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اس نظریہ کی

تلقیہ میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پارسنس نے مشترک اقدار کے رول کو سیاسی اور معاشی اقتدار کے مقابلے میں زیادہ بااثر بتایا۔ بعض ماہر سماجیات کا یہ بھی کہنا ہے کہ اقدار کے آپسی تکروائے کے باوجود افراد سیکھے ہوئے عقائد میں یقین رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ان عقائد کو دل سے اپناتے ہیں بلکہ بعض فکری رجحانات فقط رواج کا حصہ ہوتے ہیں۔

سماجیات میں عام طور سے اقدار کو سماجی زندگی کا حصہ مانتے ہوئے اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے یعنی جس طرح چند حقوق کو اعداد و شمار میں بیان کیا جاسکتا ہے بالکل اسی طرح انسانی اقدار کا بھی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ سماجی زندگی میں قدر اگر سائنسی تناظر میں دیکھی جا سکتی ہے تو اس قدر کا کیسے احاطہ کیا جائے گا جس کا اشارہ اخلاقی معیار کی طرف ہوتا ہے اور جو سماجی امکان کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ قدر کا یہی پہلو اس وقت مسئلہ بن جاتا ہے جب ماہر سماجیات ایک محقق کی حیثیت سے اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کو تحقیقی مشاہدے کا حصہ بنالے۔ مشہور ماہر سماجیات میگس ویر / Max Weber // کامانہ تھا کہ سماجی محقق کو یہ چاہیے کہ تحقیق اور ثابت یا منفی قدرؤں کو الگ الگ رکھا جائے۔ سماجی تحقیق کے سلسلے میں اس نے اقدار سے غیرجانبداری // Value Neutrality // کا اصول مرتب کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ سماجی علوم، سماجی حقیقت کو مشاہدے کی گرفت میں لاسکتے ہیں مگر انسانی مقاصد اور اقدار کے سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس نے مزید یہ کہا کہ نہ تو ماہر سماجیات کو اقدار کے سلسلے میں کوئی فیصلہ صادر کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنی پیشہ و رانہ // Professional // حیثیت کا استعمال کرتے ہوئے اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کو فروغ دینا چاہیے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اقدار کے سلسلے

میں غیرجانبداری کو تقریباً چار معنوں میں دیکھا جاسکتا ہے اور ہر ایک تصور کے اپنے مسائل ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ بہت مشکل بات ہے کہ سماجی محقق کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی سے متعلق اقدار تحقیق کے موضوعات پر اثر انداز ہوں۔ اس بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر محقق کے اقدار تحقیق کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں تو یقیناً تحقیق سچ کو ثابت کرنے کے اعلیٰ معیار سے دور ہوتی چلی جائے گی۔

اگر اقدار سے غیرجانبداری ناممکن ہے تو اس صورت میں ویر // Weber // نے اقدار کے ایک اور پہلو کی جانب نشاندہی کی ہے۔ اس کے مطابق کوئی بھی سماجی محقق اقدار سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ لیکن اس سے نجات کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ماہر سماجیات اس کا اہتمام کرے کہ اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کو سائنسی تقاضوں اور معیار کے ماتحت رکھے مگر اس کا برتنا بہت مشکل ہے۔ دوسرے ماہر سماجیات نے یہ بتایا کہ اگر امیریا با اقتدار افراد یا جماعتیں اپنے مقاصد کے حصول میں سماجی ریسرچ پر سرمایہ لگاتی ہیں تو تنخواہ دار ماہر سماجیات اسی سماجی مسئلے کے گرد گھومتارہ جائے گا جس کی پہلے سے نشاندہی کی جا چکی ہے۔

اقدار اور سائنسی تجزیہ کے تعلق سے بعض سماجی علوم کے ماہرین نے ایک دوسرا نظریہ پیش کیا۔ ان میں سب سے مشہور گنار مرڈل // Gunnar Myrdal // کہے جاسکتے ہیں۔ ان کا ماننا تھا کہ سماجی حقیقت کو کسی بڑے عزم کے سامنے رکھے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔ ان کے مطابق ایک غیرجانبدار سماجی علم ناممکن ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ علم سماجیات کے مافی الذهن انسانی اقدار سے آزاد نہیں ہوتے بلکہ ان میں کھلے طور پر سیاسی پسندیدگی اور ناپسندیدگی شامل ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ سائنسی معیار کی خاطر سماجی محقق اپنی اقدار کو کھلے طور پر سامنے رکھ دے۔ یہ بہت مشکل سے پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ ماہر سماجیات کی کون

سی اقدار اسے متاثر کیے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ضرور سمجھا جاسکتا ہے کہ ویسے ہوئے سماج میں لوگ کن اقدار کے تحت آرزوئیں رکھتے ہیں۔

مرڈل // Myrdal // نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ منفی اقدار کبھی کبھی محقق کے لیے بہت بڑا مسئلہ بن جاتی ہیں خصوصاً اس وقت جب نسلی اعتبار سے ریسیرچ کرنے والا اور جس پر ریسیرچ کی جا رہی ہے، ان کا تعلق الگ الگ دنیاوں سے ہو۔ آخر ماہر سماجیات اس کلچر کا حصہ ہوتا ہے کہ جس میں وہ رہتا ہے اور اس کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ وہ اپنے شعور کو نسلی امتیاز کے تعصباً پہلووں سے آزاد کرپائے۔ سائنس کی تحقیق میں محقق کے ذاتی جھکاؤ کے ثبت اور منفی پہلو ہو سکتے ہیں مگر دونوں صورتوں میں تحقیق کے سائنسی معیار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ امریکی نیگرو سماج کے سلسلے میں کی گئی تحقیقات کبھی کبھی ان ماہر سماجیات کی معرفت بھی کی گئی جو امریکی نیگرو افراد سے دوستی رکھتے تھے۔ اس قسم کی تحقیقات نے اکثر ایک صاف ستری پالیسی کی فرمائش کی اور نیگرو کے پھرٹے پن کی حمایت کی۔ تعصب کے ماحول میں محقق کی دوستی اور دشمنی تحقیق کے اصول کے لیے مضر ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیگرو دوست ماہر سماجیات ان مشاہدوں کو گرفت میں نہ لاسکے گا جن میں نیگرو سماج کی تنقید شامل ہے۔ محقق کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار وہاں پر بھی ہوا جب سماج کو جنوبی امریکا میں سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ نیگرو سے ہمدردی رکھنے والے ماہر سماجیات اور ان سے بغض رکھنے والے محقق دو الگ الگ نتائج اخذ کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ یہ یاد رکھیے کہ جنوبی امریکا میں کالے لوگوں کی بہتانات تھی اور یہ علاقہ شمالی امریکا کے مقابلے میں زیادہ پھرٹا ہوا تھا۔ اس پھرٹے پن کے کیا عوامل تھے۔ اس سوال کا جواب یوں بھی دیا جاسکتا

ہے کہ نیگرو آبادی کی بہتات نے جنوبی سماج کو پچھڑے پن کے حوالے کیا اور اس صورت حال سے بچنے کے لیے سفید امریکیوں کی عوام اپنی تعداد میں بہت کم تھی لیکن یہی جواب ایک دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے جب یہ کہا جائے کہ سفید امریکیوں کی نسلی بالادستی کے تحت جنوب کی نیگرو آبادی بدحالی کا شکار رہی۔ سماجی تحقیق میں اقدار کا ایک اور پہلو قابل غور ہے اور وہ ہے محقق کا انقلابی یاد قیانوسی ہونا۔ اس نظریاتی جھکاؤ کے تحت دیکھنے میں آیا کہ سماج بنائے ہوئے نظام کے محققین سماجی مسئلے کے لیے نیگرو عوام کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ اس کے برعکس انقلابی ماہر سماجیات نسلی مکتبی کے اصول کو رد کرتے ہوئے مسئلے کے عوامل کو ان محرومیوں اور ناالصافیوں میں ڈھونٹتے ہیں جو نیگرو عوام کی زندگی کا حصہ ہیں۔ بالکل اسی طرح سے سماجی محقق کے فکری شعور پر اگر قتوطیت یا روشن خیالی حاوی ہے تو مشاہدہ اور تجزیہ پر اس کا اثر دو مختلف انداز میں ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر یہ سوچا جائے کہ سماجی ناالصافیوں اور ناابرابری کا کوئی حل ممکن نہیں ہے یا روشن خیالی کے تحت ان مسائل کا حل ہے تو ان دونوں رجحانات کا اثر تحقیق پر لازمی طور پر پڑے گا۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ انسانی اقدار خواہ منفی ہوں یا ثابت، اگر وہ سماجی محقق کے شعور پر حاوی ہیں تو ان کا تدارک صرف یہ کہہ کر نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنا مطلب صرف ٹھوس حقائق سے رکھیں گے اور اعداد و شمار کی زبان میں ہی بات کریں گے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ سماجی حقیقتیں اور ان کے اعداد و شمار کسی بھی ایسے حصار میں نہیں ہوتے کہ جو انسانی اقدار کے اثر سے علاحدہ ہوں۔ ان اقدار سے اس طرح بھی فرار حاصل نہیں ہے کہ سماجی محقق یہ فیصلہ کر لے کہ وہ تحقیق سے حاصل کیے گئے علم کو عملی طور پر بروئے کار

نہیں لائے گا۔ دیکھنے میں یہ آیا کہ علم کو عمل سے علاحدہ رکھنے کے پیچے کچھ خاص قسم کی اقدار شامل رہتی ہیں۔ مگر یہاں ہم اس بات کی تلقین نہیں کر رہے ہیں کہ سماجی علوم اور عملی پروگرام کا ہر حال میں اشتراک با معنی ہے۔ کبھی کبھی عملی پروگرام چند اقدار سے متاثر ہو کر سماجی مشاہدے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور سائنسی عمل کی بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

ہندستان میں سماجیات کی تاریخ میں رادھا کمل مکھرجی کا نام یہاں اس لیے لیا جاسکتا ہے کیونکہ انہوں نے سماج کا تحریک کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بنیادی اکائی انسانی قدریں ہیں۔ مکھرجی کے بقول اقدار وہ خواہشات اور منازل ہیں جنہیں اجتماعی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور جو سماجی تربیت اور سیکھنے کے عمل کے تحت انسان کی داخلیت کا حصہ بھی بن چکے ہیں۔ اس کا مظہر وہ انسانی شعور ہے جس کے تحت انسان چیزوں کا انتخاب کرتا ہے۔ انہیں پسند یا رد کرتا ہے زندگی کے معیار کا تعین کرتا ہے اور اپنے خوابوں کی دنیا سمجھاتا ہے۔ ایک معنوں میں یہ شعور انسان کی فطری ضروریات اور سماجی نظام کے درمیان ایک تال میل پیدا کرتا ہے جس کے تحت انسانوں کی جماعت ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سماج میں انسانی قدروں کا اظہار معانیت اور اجازت، سزا اور العام، کنٹرول اور آزادی کے طور پر بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے متعدد افراد کے فکری رجحانات الگ الگ سمتیں میں جائے بغیر ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ عملی طور پر انسانی قدریں لاشعور کا حصہ بھی ہو جاتی ہیں اور شعور کی گرفت میں بھی آجاتی ہیں۔ لیکن انسانی قدریں ساکت و جامد نہیں ہوتیں بلکہ فرد کی معرفت ماحول کی تبدیلی سے مسلسل دوچار رہتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی قدریں نہ صرف تبدیل ہوتی ہیں بلکہ ان کا خاتمه

بھی ہوتا ہے اور نئی قدریں وجود میں آتی ہیں۔ ایک بات اور قابل توجہ ہے۔ انسانی قدروں میں درجہ بندی بھی ہوتی ہے۔ کچھ اقدار دوسری اقدار کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار دے دی جاتی ہیں۔ اقدار کی اس درجہ بندی کا اظہار انسان کی شخصیت کی تشكیل میں بھی ہوتا ہے اور سماجی نظام کی ترتیب کا تعین بھی اس سے طے ہوتا ہے۔ یہی سماجی نظام جب انسانی قدروں کے حساب سے ٹوٹتا ہے تو شخصیت کا رد عمل احساس ملامت اور شرمندگی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ سماجی طور پر اسی بات کا رد عمل نابرابری، استھصال اور سماجی بے راہ روی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی قدروں کے ساتھ ساتھ انسانی قدروں کی نفی ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں اور سماج کو لکھارتی رہتی ہیں ظاہم بات یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں افراد انسانی اقدار کی پامالی پر مجبوری اور لاچاری کے ساتھ کڑھتے ہیں یا ایک منصوبے کے تحت اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا عزم لیتے ہوئے انسانی قدروں کی بحالی کے لیے سماجی تحریک کی داغ بیل ڈالتے ہیں۔

انسانی حقوق : ہمہ وقت بدلتے ہوئے سماجی معاشی اور سیاسی ڈھانچے کی وجہ سے کئی قسم کے ازم آئے اور چلے گئے۔ اس کے علاوہ بے شمار مذاہب آئے اور حیات انسانی کو خاصاً متاثر کرتے رہے۔ لیکن فاشزم اور نازی ازم کے غلبے اور اس کے زوال کے بعد اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ کچھ بنیادی اصول اور نظریہ وضع کیے جائیں تاکہ اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے والے اپنے رہنا ازم کی روشنی میں من پسند اختیارات نہ حاصل کر لیں اور عوام کے تمام جمہوری اور خصوصی اختیارات پامال نہ کر دیں۔ ادارہ اقوام متحده نے 1948

کو "بین الاقوامی اعلانیہ انسانی حقوق" // Universal Declaration of Human Rights // پیش کیا۔ جس پر تمام نمبر ممالک نے دستخط کیے۔

انسانی حقوق کے نظریہ کے پیچے فلسفہ یہ ہے کہ انسان کو انسانی زندگی گزارنے کے لیے کچھ آزادی کچھ وقار اور کچھ حقوق چاہیں ہیں۔ جن کی عدم موجودگی کوئی بھی انسان انسان کی طرح نہیں جی سکتا۔ جو حقوق ہر انسان کو صرف انسان ہوئے کی حیثیت سے ملتے ہیں۔ اقوام متحده کا ادارہ مسلسل ان کو Update کرتا رہتا ہے۔ 1948 کے بعد 1966 میں انٹرنیشنل کونشن آف سول پولیٹیکل سائنس کا اعلانیہ جاری کیا اس کے علاوہ اسی سال معاشری اور تمدنی حقوق کے سلسلے میں اعلانیہ پیش کیا گیا۔

اقوام متحده نے عوامی عالمی اطلاعاتی کمیشن برائے حقوق انسان قائم کیا۔ ہندستان نے شروع سے ہی حقوق انسان میں بے حد پھیپھی لی۔ یہ دیپسپی ملکی اور عالمی دونوں سطحوں پر تھی۔ بھارت اکثر ویژہتر ہونے والے کونشنوں میں حصہ لیتا رہا اور مختلف فیصلوں پر دستخط کرتا رہا۔ نوے کی دہائی میں ہندستان نے اپنا انسانی حقوق کمیشن شروع کر دیا جو شروع سے ہی بہت فعال رہا۔ ہندستان میں انسانی حقوق سیکشن 2 تحفظ حقوق انسان ایکٹ 1993 میں پیش کیا گیا جس پر صدر ہندستان نے 8 جنوری 1994 کو دستخط کر دے۔ ان حقوق کو زندگی آزادی مساوات انسانی وقار اور سماجی انصاف سے متعلق شعبوں میں شامل کیا گیا ہے۔ اگرچہ حقوق انسانی پر کافی تحقیق ہوتی رہی ہے اور اس کے کئی پہلو زیر بحث رہے ہیں۔ اس کے باوجود بنیادی حقوق کو تقریباً 30 آرٹی کل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ 30 آرٹی۔ کلس مندرجہ ذیل ہیں۔

// 1 // تمام عالم انسان کو بنیادی طور پر یکساں حقوق حاصل ہونا چاہیے اور ان میں مساوات اور بھائی چارہ ہونا چاہیے۔

// 2 // اقوام متحده کے اعلانیہ میں درج ہر قسم کی آزادی، نسل، رنگ، جنس، مادری زبان، مذہب، سیاسی نظریات، جائے پیدائش، مالی حیثیت اور خاندان کو مدنظر رکھے بغیر یکساں طور پر ہر فرد کو حاصل ہونی چاہیے۔ کم حیثیت اور طاقت ور افراد اور مالک کے درمیان کوئی انتیاز روانہ نہیں رکھا جانا چاہیے۔

// 3 // ہر فرد کو زندگی آزادی اور ان دونوں کے تحفظ کا پورا حق ہونا چاہیے۔

// 4 // غلامی اور غلاموں کی تجارت کسی قیمت پر منظور نہیں کی جانی چاہیے۔

// 5 // کسی بھی انسان کو ایذا، ظلم اور غیر انسانی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

// 6 // ہر فرد کو ایک انسانی پہچان دی جائے گی جس کا مطلب ہے کہ اس کا نام اور انفرادی پہچان ہوگی۔

// 7 // قانون کے سامنے ہر فرد برابر ہوگا۔ کسی قسم کا ترجیحی سلوک حقوق انسان کی سخت خلاف ورزی ہوگا۔

// 8 // ہر فرد حقوق، انسان اور بنیادی حقوق دونوں کے استھصال کے خلاف ملک کی اعلیٰ ترین عدالت میں جاسکتا ہے۔

// 9 // بغیر کسی وجہ کے کسی کو نہ قید کیا جائے گا نہ نظر بند اور نہ جلاوطن ہی کیا جائے گا۔

// 10 // ہر قسم کی حرast میں بندہ انسان کو صاف ستری مساوات پر مبنی اور غیر جاندار عدالت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

// 11 // الف // ہر ملزم معصوم تصور کیا جائے گا جب تک کہ جرم ثابت نہ ہو۔

// ب // جرم ہونے کے بعد لاگو ہونے والے قانون کے تحت کوئی بھی فرد سزا نہیں پائے گا۔

// 12 // کسی کی ذاتی زندگی، خاندانی تعلقات، خط و کتابت اور دیگر پرائیویٹ معاملات میں کوئی قانون مداخلت نہیں کریگا۔

// 13 // اپنی ریاستی حدود کھیں بھی رہنے یا سفر کرنے کا حق ہر کسی کو حاصل ہوگا۔

// 14 // الف // دوسرے مالک میں پناہ اور تحفظ حاصل کرنے کا بھی ہر شخص کو حق ہوگا۔

// پچھے مالک پناہ گیروں کو خاص طور پر آسرا دیتے ہیں انہوں نے ایک خاص کنوشن پر دستخط کیے ہوئے ہیں // -

// ب // اس حق کا اطلاق غیر سیاسی جرائم اور اقوام متعدد کے اصول کے برعکس حرکت کرنے والا افراد پر نہیں ہوگا۔

// 15 // ہر فرد کو شہریت کا حق حاصل ہوگا۔ نہ کسی کی شہریت زبردستی غصب کی جائے گی اور نہ ہی نیشنلٹی // Nationality // تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

// 16 // ہر عاقل اور بلغ مرد اور عورت کو شادی کا حق حاصل ہوگا۔ ہر شخص شادی کر کے خاندان کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ شادی کے بندھن میں بندھنے اور ٹوٹنے دونوں صورتوں میں عورتوں کے تحفظ کا پورا

خیال رکھا جائے گا۔ ہر خاندان کو سماج کی اکائی سمجھا جائے گا اور اسے قانون کی طرف سے پورا تحفظ حاصل ہو گا۔

// 17 // ہر فرد شرکت میں یا ذاتی طور پر جائیداد خرید سکتا ہے۔ کسی کو اس کی جائیداد سے جس کا وہ قانون طور پر مالک ہے بلا وجہ محروم نہیں کیا جائے گا۔

// 18 // ہر فرد کو اپنے اصول اور نظریہ اپنے ضمیر اور مذہب کی روشنی میں رکھنے کی پوری آزادی ہونی چاہیے۔ اس کا اظہار کرنے کا بھی پورا موقع اسے سیسر ہونا چاہیے۔

// 19 // ہر فرد کو آزادی رائے اور اظہارِ خیال کی پوری آزادی ہونی چاہیے۔

// 20 // ہر فرد کو پر امن طور پر ملنے انجم بنانے اور مظاہرہ کرنے کا حق ہونا چاہیے لیکن کسی کو کسی انجم کا ممبر بننے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

// 21 // الف // اپنے ملک میں ہونے والے سیاسی واقعات اور سرکار کے انتخاب میں حصہ لینے کا ہر ایک کو اختیار ہے۔

// ب // اپنی حکومت کے تحت چلنے والی سیواوئی پر ہر ایک کا برابر حق ہے۔

// ج // جمہوری طرز کے صحیح اور صاف سترھرے انتخابات ہونا بھی ہر فرد کا حق ہے اور ان میں حصہ لینا بھی بنیادی انسانی حق ہے۔ چندہ نمائندوں والی سرکار ہی اصلی سرکار سمجھی جانی چاہیے۔

// 22 // ہر فرد کو سماجی تحفظ // Social Security // کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

// 23 // ہر فرد کو کام کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ بے روزگاری سے تحفظ بھی اس میں شامل ہے۔ ہر فرد کو اپنے کام کرنے کے سلسلے میں ٹریننگ کا ممبر ہونے ٹریننگ قائم کرنے اور اس میں حصہ لینے کا پورا حق ہونا چاہیے۔

// 24 // ہر فرد کو کام کے ساتھ آرام اور تفریح کا بھی پورا حق حاصل ہونا چاہیے اس میں کام کے گھنٹوں اور چھٹیوں کا معاملہ بھی شامل ہے۔

// 25 // ہر فرد کو ایک خوشحال معیار زندگی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ اس میں روٹی کپڑا مکان دوا اور سماجی تحفظ شامل ہے۔ اس کے علاوہ زچگی اور حمل کے دوران خصوصی دیکھ بھال اور بچے کی صحیح پرورش کا پورا حق ہر عورت اور بچے کو حاصل ہونا چاہیے۔ چاہے بچہ شادی شدہ تعلقات سے پیدا ہوا ہو یا شادی کے بغیر۔

// 26 // ہر فرد کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ بنیادی تعلیم فراہم کرنا جمہوری حکومت کا فرض ہے۔ تعلیم قوام متحده کے نظریہ کے بر عکس نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود والدین کو حق حاصل ہے کہ اپنی پسند کی تعلیم اولاد کو دیں۔

// 27 // ہر فرد کو اپنی تمدنی زندگی گزارنے کا اور سائنسی ایجادات سے ہونے والے فوائد حاصل کرنے کا پورا حق ہونا چاہیے۔ اپنی ایجادات اور دریافتتوں سے ہونے والے معاشی اور اخلاقی فوائد کے تحفظ کا اختیار بھی اس میں شامل ہے۔

// 28 // مقانی اور عالمی سطح پر دی جانے والی آزادی پر بھی حق ہونا چاہیے تاکہ ان تمام حقوق پر عمل ممکن بنایا جاسکے۔

// 29 // تمام عالم انسانی کے لیے ہر فرد کے مختلف سطح پر فرائض بھی ہیں جو دوسروں کی حقوق انسانی کے تحفظ کی گارنٹی دیتے ہیں۔ اس طرح انسانی حقوق پر مبنی معاشرہ عالم وجود میں آتا ہے۔ جو کہ دراصل ہر فرد کو اس کی شخصیت کی ترقی کے موقع فراہم کرتا ہے۔ اس طرح ہر فرد فرائض اور حقوق کے ذریعہ فلاج انسانی کے ایک خاص معیار کو حاصل کر سکتا ہے۔

// 30 // ان حقوق انسان کی اس طرح تاویل نہ کی جائے کہ امن، آتشی، آزادی اور دوسروں کے حقوق کا استھصال ہونے لگے۔ دوسرے الفاظ میں اپنی کلچرل آزادی دوسروں کے لیے دہشت گردی نہ بن جائے۔

وقت کے ساتھ ساتھ یو این او نے مختلف مکیشن اور سب مکیشن قائم کیے۔ حقوق نسوان، حقوق اطفال کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق، ہم جنسوں کے حقوق، پناہ گیروں اور مہاجرین کے حقوق وغیرہ کے اصول مرتب کیے۔ تیسرا دنیا میں مذہب اور معاشرے کی سرحدیں اکثر حقوق انسانی کے آڑے آتی ہیں۔ ہندستان میں حقوق انسانی پر بہت کام ہوا ہے لیکن اس کے باوجود سماجی طور پر انھی بہت کام باقی ہے۔ تیسرا دنیا کے حوالے سے ترقی کرنے کا حق اور ماحولیاتی آلودگی روکنے کا حق بہت معنی خیز ہیں۔

یو.ائی.ڈی.پی. کی طرف سے شائع ہونے والی سالانہ رپورٹ یعنی انسانی ترقی کی رپورٹ 2000 میں کہا گیا ہے کہ اچ.ڈی.آئی. یعنی پیمانہ ترقی انسان میں درحقیقت تین چیزیں شامل ہیں۔

// 1 // وقت پیدائش طویل زندگی کے امکانات : مثلاً حفاظت حمل، زچگی، معاہداتی سہولیات، دوا اور غذا کا حصول وغیرہ۔

// 2 // تعلیمی ترقی : یعنی بچوں کا رجسٹریشن پرائمری اور ثانوی اسکولوں میں، تعلیم بالغان وغیرہ کے علاوہ اسکولوں اور ٹیچروں کی موجودگی پڑھانے کے لیے دلچسپی اور ذمہ داری۔

// 3 // اس کے علاوہ کل گھریلو پیداوار // P.G.D.P. // اور قوت خرید // P.P.P. // کا ایک خاص معیار۔

اس طرح یہ سہ رخی پیمانہ ترقی انسان، حقوق انسان کی صورت حال کو بھی کسی معاشرہ میں عیاں کر سکتا ہے۔ کیونکہ انسانی حقوق کے تحفظ کے بغیر انسانی ترقی ممکن نہیں ہے۔

انسانی ماحولیات // Human Ecology // : انگریزی زبان میں ماحولیات // Ecology کی اصطلاح دراصل نباتیات اور حیوانیات سے لی گئی ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی میں ماہرین نباتیات اور حیوانیات نے نباتی اور حیوانی عضویات پر ماحول کے اثرات کا سائنسی مطالعہ کیا۔ چونکہ انیسوی صدی میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء نے حیات کی تمام انواع کو ایک ہی سلسلہ کی مختلف شاخیں قرار دیا تھا اس لیے سماجی علوم کے ماہرین نے بھی ان مختلف شاخوں میں اور ان کے ارتقاء کے طریقوں میں ربط دریافت کرنے پر زیادہ توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ نباتیات اور حیوانیات کی عام اصطلاح میں سماجی علوم میں بھی مستقل ہونے لگیں۔ خصوصاً

بیسویں صدی کے آغاز کے بعد سماجیات میں سماج کے اصلاحی نقطہ نظر کا رجحان آہستہ آہستہ ترک کیا جانے لگا۔ اور ماہرین سماجیات کی یہ کوشش رہی کہ اصلاحی اغراض و مقاصد سے بالاتر ہو کر سماجی میکانزم کے اصول دریافت کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس کے بعد سے نباتی اور حیوانی ماحولیات کی مثالوں کو سماجیات میں بھی استعمال کیا جانے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نقطہ نظر کے اختیار کرنے کے بعد سماجیاتی نظریات میں بڑی تیزی سے ترقی شروع ہوئی۔

// Eco System // نباتیاتی اور حیوانی ماہولیات کے نظریات کی روشنی میں سماج کے ماحولی نظام کے تجزیہ پر زیادہ توجہ دی گئی جس میں انسانی آبادی اور خارجی ماحول کے آپسی روابط کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ انسانی ماحولیات میں دراصل انسان اور خارجی ماحول کے آپسی روابط اور ایک پر دوسرے کے اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ 1924 میں میکنری نے سماج اور ماحول کے آپس کے روابط پر تحقیق کی۔ اس زمانہ میں امریکا کے بہت سے سماجیات دان اس موضوع پر تحقیقات میں مصروف رہے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ کی سب سے اہم تحقیق 1956 میں ڈنکن // Duncan // نے کی۔ ڈنکن نے انسانی ماحولیات کے چار اہم متغیرات // Variables // بتائے جن میں آبادی تنظیم ماحول اور گلناوجی شامل ہیں۔ یہ چاروں عوامل انسانی ماحول میں مسلسل ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور انہی کے بین عمل سے دراصل سماجی ماحول کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسٹیوارڈ نے جو ایک مشہور ماہر انسانیات ہے، اپنی تاریخ میں انسانی ماحولیات کو انسانی تمدن اور خارجی ماحول کے بین عمل کے مطالعہ کا نام دیا ہے۔ موجودہ صدی میں بے شمار سماجیات دانوں اور انسانیات دانوں نے جغرافیائی تمدنی حیاتیاتی اور صنعتی ماحول کے آپسی عمل

اور رد عمل پر انتہائی سیر حاصل اور سائنسیک بحثیں کی ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے شہروں کے ماحولیات کا مطالعہ موجودہ سماجیات کا ایک اہم موضوع ہے۔ اور اسی طرح دیہی ماحولیات کے جو اثرات وہاں کے سماج پر پڑتے ہیں ان کا سائنسیک مطالعہ بھی روز بروز زیادہ سے زیادہ اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

انسانی ماحولیات کی ایک شاخ تدبیٰ ماحولیات بھی ہے جس میں مخصوص ماحول میں تدبیٰ عوامل کے آپسی بین عمل اور رد عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسانی ماحولیات کے مطالعہ میں موجودہ صدی کے آخری ربع میں بڑھتی ہوئی آبادی سے عالمی سطح پر جو دھمکہ خیز صورت حال پیدا ہو رہی ہے اس کے تجزیہ اور نتائج پر بھی بے شمار تحقیقات ہو رہی ہیں۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ سماجی ماحولیات کے چار عوامل میں کس عامل کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسانی ماحولیات کو آج کل سماجیات کے اہم موضوعات میں شمار کیا جاتا ہے۔

ماحول میں تبدیلی کے ساتھ تہذیب و تدبیٰ میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ سب سے عام مثال یہ ہے کہ جب تک کسی معاشرے میں انسان ^{کھیتی باڑی} کرتے ہیں اور قدیم طریقے استعمال کرتے ہوئے انسانی ہاتھوں کی محنت کو استعمال کرتے ہیں تب تک وہ مشترکہ خاندانوں میں رہتے ہیں۔ اور زیادہ اولاد پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن صنعتی دور کے آتے ہی مشترکہ خاندان ختم ہونے لگتے ہیں اور لوگ چھوٹی سے چھوٹی فیملی پسند کرنے لگتے ہیں کیونکہ انسانی ہاتھوں کے بد لے مشینوں کے ذریعہ کام ہونے لگتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پرانی روایتیں، رسم و رواج بھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور انفرادیت پر مبنی تدبیٰ پہنچنے لگتا ہے۔

اس طرح تدبیٰ ماحول اور قدرتی ماحول کا گہرا رشتہ ثابت ہوتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا // Encyclopaedia // : علوم انسانی کو کوزہ میں بند کرنے کا نام انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے اینکلیوس پیدیا // Enkyklios Paideia // سے نکلا ہے جس کا مفہوم ہے "عمومی تعلیم"۔ انسائیکلوپیڈیا کے معنی ہیں " دائرة علوم" یوں تو جملہ علوم کی ابتداء رسطوار افلاطون سے ہوتی ہے لیکن کتاب کی شکل میں جس پہلی تصنیف کو انسائیکلوپیڈیا تسلیم کیا گیا ہے وہ پلی نی // Pliny // کی نیچرل ہسٹری ہے جس کے 131 اجزا آج بھی موجود ہیں۔ ہنرخ آسٹنیڈ // Henrich Alsted // نے پہلی بار لفظ انسائیکلوپیڈیا اپنی کتاب انسائیکلوپیڈیا کرسس فلاسفی کی // Encyclopaedia Cursus میں استعمال کیا۔ اٹھار ہویں صدی میں معروف فرانسیسی ادیب فلاسفہ دینس ڈیڈرو // Philosophici // نے جملہ علوم انسانی کا احاطہ کرنے کی غرض سے انسائیکلوپیڈی // Encyclopedie Diderot مدون کی۔ لیکن جس کتاب کو لفظ انسائیکلوپیڈیا کے مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے وہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ہے جو پہلی بار تین جلدیوں میں 1768-71 میں ایڈنبر ایں شائع ہوئی تھی۔ یورپی ممالک میں جرمی میں جے اچ زیدلر نے 64 جلدی انسائیکلوپیڈیا // 1736-50 // شائع کیا اور امریکا سے انسائیکلوپیڈیا امریکانا 1829 میں شائع ہوا۔

ہندستان میں جدید خطوط پر انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ البتہ سنسکرت زبان میں "واتسور تناکوش" جو پہلی بار 1959 میں مرتب ہو کر اور پنٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان میں شائع کی گئی ہے۔ غالباً دسویں اور پندرہویں صدی کے درمیان مرتب کی گئی تھی۔ ہندستانی زبانوں میں پہلا انسائیکلوپیڈیا بنگالی زبان میں 1846 اور 1851 کے درمیان شائع ہوا۔ اسے کرشنا موہن بزرگی نے مرتب کیا

تحا۔ انگریزی زبان میں ہندستان کا پہلا انسائیکلوپیڈیا "سائیکلوپیڈیا آف انڈیا اینڈ آف ایسٹرن اینڈ سائودرن ایشیا" ہے جسے ایڈور بال فور نے 1857 میں مدراس سے شائع کیا۔ ناگری پرچارنی سمجھانے پہلی ہندی انسائیکلوپیڈیا "ہندی و شوکوش" 13 جدou میں // 1960-70 // شائع کیا۔ اردو میں پہلا مکمل انسائیکلوپیڈیا پنجاب یونیورسٹی // لاہور // سے 23 جدou میں اردو دائرة معارف اسلامیہ کے نام سے شائع کیا گیا جو 1991 میں مکمل ہوا۔ آج ملک کی بیشتر زبانوں میں انسائیکلوپیڈیا موجود ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا ایک ایسی حوالجاتی کتاب ہے جس کی جانب ہر حوالہ جاتی خدمت فراہم کرنے والے کا ہاتھ اس وقت سب سے پہلے جاتا ہے جب کوئی متلاشی مواد / معلومات اس کے پاس اپنے کسی سوال کے جواب کے لیے آتا ہے۔ یہ ایک طرح کی لفت ہے لیکن لفت میں ہمیں صرف "کیا ہی" کا جواب ملتا ہے جبکہ انسائیکلوپیڈیا کیا، کب، کیسے، کہاں اور کیونکر جیسے جملہ سوالوں کا مختصر لیکن تشفی بخش اور قابل بھروسہ جواب فراہم کرتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا یہ خدمت کیسے انجام دیتی ہے اس کے لیے اس کی تدوین کے طریقہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہیو کینر // Hugh Kenner // کے مطابق انسائیکلوپیڈیا ان تمام علوم کو // جنھیں فکر انسانی وجود میں لاسکی ہے // جسے ہم جانتے ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور پھر ان ٹکڑوں کو ترتیب دیتی ہے تاکہ ایک وقت میں ایک ٹکڑا دیکھا جاسکے۔ اس کا وجود ٹکڑوں کی تنظیم کا کمال ہے نہ کہ سمجھنے کا کمال اگر پورا انسائیکلوپیڈیا کوئی مفہوم رکھتا ہے تو اس کے مرتب کرنے والوں میں کوئی اس مفہوم سے واقف نہیں سمجھا جاسکتا۔"

انسانیکلوپیڈیا میں جملہ قابل ذکر واقعات، مقالات، اشخاص، تصورات، اقوام و قبائل، مالک، سائنسی و تکنیکی ایجادات و تحقیقات و فنون، تہذیب و تمدن، سماجی، انسانی و سائنسی علوم پر محض لیکن مصدقہ اور جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے مضامین ہوتے ہیں جو موضوع پر تسلیم شدہ دانشوروں سے لکھوائے جاتے ہیں۔ ان کی ترتیب ناموں کے اعتبار سے معروف تجھی کے مطابق ہوتی ہے۔ بیشتر معیاری انسانیکلوپیڈیا کئی جلدوں میں ہوتے ہیں۔ آخری جلد میں اشاریہ ہوتا ہے۔

النصاف: آزادی، مساوات، اخوت یا تعاون کے اصولوں کے ساتھ جمہوریت کا ایک آخری اصول انصاف یا عدل // Justice // ہے۔ اس کے دو مفہوم ہیں۔ // 1 // محدود معنی میں انصاف سے مراد قانون کی صحیح طور سے اور غیر جانبدارانہ طور پر تشریح کرنا، قانونی حق اور ناحق کا فیصلہ کرنا اور قانون کی خلاف ورزی کو روکنا ہے۔ قانونی انصاف یہ ہے کہ افراد و افراد، افراد و حکومت اور حکومتوں کے آپس کے قانونی رشتہوں میں راست بازی اور توازن کو ملحوظ رکھا جائے۔ اور // 2 // وسیع تر معنی میں انصاف وہ اخلاقی آدراش ہے جو سارے قانون کا منع ہے اور جس کی تکمیل کے لیے قانون وجود میں آیا ہے۔ اس معنی میں یہ حق یا راست کے متادف ہے۔

لفظ 'جسٹس' لاطینی زبان کے الفاظ 'جسٹس' // Justus // اور 'جسٹیشیا' // Justitia // سے ماخوذ ہے جس کے معنی جوڑنے، مربوط کرنے یا رشتہ یا بندھن کے ہیں۔ اخلاقیات میں انصاف سے مراد مختلف اخلاقی اقدار میں ربط پیدا کرنا اور سیاسیات میں اس کے معنی مختلف سیاسی اقدار کو یکجا اور مربوط کرنا ہے۔ انصاف یا حق کے تصور کی ابتدا مختلف مصادر سے ہوئی ہے مثلاً ذہب، عقل سلیم، اقتصادیات اور اخلاقیات

یا اخلاقی حس۔ انصاف کا موجودہ جمہوری تصور مغرب میں سیاسی فکر کے صدیوں کے ارتقا کا نتیجہ ہے۔ یہ بذات خود مذہب و اخلاقیات سے جداگانہ ہے۔ لیکن اس کی بنیاد اخلاقی اصولوں پر ہے۔ اور سارے اخلاقی اصولوں کی بنیاد فرد کی شخصیت کی قدر و اہمیت پر ہے۔ سماجی انصاف کا مطلب یہ ہے کہ قومی سماج اپنے تمام ارکان کی شخصیتوں کی تمام صلاحیتوں کی ممکنہ حد تک ترقی کی کوشش اور ہمت افزائی کرے۔ سیاسی اور قانونی انصاف یہ ہے کہ مملکت جو قومی سماج کا قانونی روپ ہے اپنے قانون کے ذریعے وہ تمام حالات پیدا کرے اور ان تمام حقوق کی ضمانت دے جو اس کے شہری کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور ترقی دینے کے لیے ضروری ہیں۔

چنانچہ انصاف وہ بالاتر رہ نما اصول ہے جو حقوق کی عام تقسیم کو اور اس کے مختلف اصولوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ مملکت کی قانونی تنظیم کے اندر قانونی طریقوں سے انسانی روابط میں صحیح نظم و ضبط لانے کا اصول ہے۔ ایک طرف یہ افراد کے درمیان اس طرح مطابقت پیدا کرتا ہے کہ ان سب کو مملکت کے نظام میں برابر کے حقوق حاصل ہوں تو دوسری طرف حقوق کی تقسیم کے ہر اصول // مثلاً آزادی، مساوات، تعاون // کو حقوق کی تقسیم کے عمل میں واجبی حصہ اور وزن دے کر ان مختلف اصولوں کے درمیان مطابقت پیدا کرتا ہے۔

النصاف اگرچہ ایک اصول ہے جو سارے قانون کا مانع، منع اور ہدف ہے لیکن یہ محض ایک مجرد اصول ہی نہیں بلکہ ایک ایسا تجھیل ہے جو ہر آن تمام ذہنوں میں موجود رہتا ہے۔ یہ جمہوریت کا ایک ورثہ ہے جس کی

نشوونما اور ترقی صدیوں کی سیاسی و سماجی تفکر سے ہوئی۔ چونکہ اس کی بنیاد انسانی ضمیر اور اخلاقی حس پر ہے اس لیے یہ ایک زندہ و جاوید سماجی حقیقت ہے۔

لیکن انصاف کے اس قانونی تصور سے قطع نظر انصاف کے معنی کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن نکات سے انصاف کی مایہست کی تعریف کی جاسکتی ہے وہ نہ صرف مختلف ہیں بلکہ اندر وہ تضاد رکھتے ہیں اور ان کی مختلف تعبیر کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر انصاف کی چار خاص تعبیریں یہ ہیں۔

// 1 // ہر شخص کو اس کے کام کا معاوضہ دیا جائے۔

// 2 // ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔

// 3 // ہر شخص کو اس کے اخلاقی حقوق کے مطابق دیا جائے۔

// 4 // ہر شخص کو قانون کے مطابق دیا جائے // قانونی انصاف //

چونکہ یہ مختلف نکات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اس لیے منصفانہ سیاسی نظام کے کردار کے بارے میں مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔ انفرادیت پسندوں کے نزدیک وہ لوگ سب سے زیادہ سہولیات اور مراعات کے مستحق ہیں جو عوامی خدمت میں سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ اشتراکیوں کا کہنا ہے کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مفلسوں اور ناداروں کی ضروریات پوری کی جائیں خواہ اس کی خاطر مال داروں کو ان کی دولت سے محروم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ لیکن قدامت پسند پھر یہ دلیلیں دیں گے کہ انصاف کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ افراد کے اخلاقی اصولوں کا احترام کیا جائے اور بھی ملکیت چونکہ افراد کا قانونی اور اخلاقی حق ہے لہذا ان کو اس سے محروم کرنا نا انصافی ہوگا۔ اس لیے سرمایہ داری، جمہوری اشتراکیت، مارکسی اشتراکیت

اور فسطائیت کے نظریوں میں انصاف کی جدگانہ تعبیریں پائی جاتی ہیں اور خود جمہوریت پسندوں کے درمیان بجا طور پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

الضمام و تفرق اختیارات: انضمام اختیارات // Fusion of Power // کے معنی حکومت کے قانون سازی اور قانون کو ناقہ کرنے کے اختیارات کا باہم مغم ہونا ہے۔ جیسا کہ پارلیمانی نظام حکومت میں پایا جاتا ہے۔ تفرق اختیارات // Separation of powers // کے اصول کے تحت حکومت کی تینوں شاخوں یعنی مقننه، عاملہ اور عدالتی اختیارات علاحدہ، علاحدہ شاخوں کو تفویض کیے جاتے ہیں۔

مغرب اور مشرق کی معاصر جمہوری حکومتیں ان دونوں اصولوں کے مطابق دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔

// 1 // پارلیمانی حکومتیں جہاں تشریعی اور عاملانہ اختیارات دونوں کو ایک ہی شخص یا اشخاص استعمال کرتے ہیں اور جس میں پارلیمنٹ کی بالاتری مسلم اصول ہے۔ عدالتی شاخ، الگ اور آزاد ہوتی ہے لیکن اسے پارلیمنٹ کے بناء ہوئے قانون کو رد کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ روایت برطانیہ، مغربی یورپ اور دولت مشترکہ کے بیشتر ملکوں میں پائی جاتی ہے اور // 2 // صدارتی حکومتیں جن کی بنیاد تشریحی، عاملہ اور عدالتی اختیارات کی تفرقی پر ہے۔ یعنی ایک بالا تر دستور تینوں اختیارات کو الگ الگ اداروں کو تفویض کرتا ہے۔ یہ تینوں ادارے ہم مرتبہ ہیں۔ لیکن ہر ایک کو دوسرے پر روک لگانے کا کچھ اختیار دیا جاتا ہے تاکہ کوئی بھی شاخ مطلق العنوان اور غیر ذمہ دار نہ ہو جائے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکا میں تینوں شاخیں اور ان کے عملے علاحدہ علاحدہ ہیں۔ کانگریس کے ارکان بیک وقت کوئی دوسرا وفاقی عہدہ // عالمہ یا عدیہ میں // نہیں سنبھال سکتے۔ اس طرح صدارتی کابینہ کا کوئی رکن کانگریس کا رکن نہیں ہو سکتا۔ مرکزی تصور یہ ہے کہ ایک ہی شخص یا ادارہ کو قانون بنانے، اسے نافذ کرنے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف فیصلہ صادر کرنے کا اختیار نہیں دیا جانا چاہیے۔ امریکا میں کہا جاتا ہے کہ ایک ہی شخص کو "بد عجی بحاج اور جیوری" نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اگر تفریق اختیارات کو اس کے منطقی نتیجہ تک لے جایا جائے تو تینوں شاخوں میں سے کوئی دوسری شاخ کے کاموں میں کبھی بھی حصہ نہیں لے سکے گی۔ اس لیے مطلق تفریق اختیارات عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی دستور میں تحدید و توازن // Checks and Balances کا نظام اس سے پیوست کیا گیا ہے جو اگرچہ منطقی طور پر اس اصول کے منافی ہے لیکن عملی طور پر اس کے لیے ناگزیر ہے۔ چنانچہ امریکا میں آج قانون سازی کے میدان میں کانگریس کے بجائے عالمہ کو قیادت حاصل ہے۔ صدر کو کانگریس کے بنائے ہوئے قانون کو رد کرنے // ویٹو کرنے // کا اختیار حاصل ہے۔ اس طرح کانگریس کے ایوان بالا // سینیٹ // کو تمام اہم انتظامی تقریروں اور معابدوں کی توثیق کا اختیار حاصل ہے۔ یہی سبب ہے کہ عدیہ کو نہ صرف قانون کی تشریح کرنے بلکہ قوانین کو غیر دستوری قرار دے کر کا عدم کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شاخ دوسری شاخوں کے میدان میں مداخلت کر سکتی ہے۔ لیکن تحدید و توازن کے اس نظام کے باوجود تفریق کا بنیادی تصور باقی ہے۔ اور ہر شاخ اپنے اختیارات کو دوسروں کی مداخلت سے محفوظ رکھنے کی کوشش

کرتی ہے۔ تینوں شاخوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کی ضمانت، سپریم کورٹ کے عدالتی یا دستوری تصحیح کے اختیار سے دی گئی ہے۔

تفریق اختیارات کے پس پشت یہ مقصد ہے کہ حکومتی اختیارات کو ایک یا چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہونے دیا جائے۔ تاریخی اعتبار سے یہ اصول مطلق العنان بادشاہوں کے اختیارات اور دعووں پر پابندی لگانے کی جدوجہد کے دوران وضع کیا گیا تھا۔ سٹھویں صدی کے انگلستان میں سر ایڈورڈ کوک // Sir Edward Coke // نے دعویٰ کیا تھا کہ کامن لا // جوں کا بنیا ہوا قانون // بادشاہ اور پارلیمنٹ دونوں سے بالاتر ہے۔ اٹھارہویں صدی کے فرانس میں، مان تس کیو // Montesquieu // نے انگلستان کے دستوری بادشاہت کے نظام میں شہریوں کی آزادیوں کی بہترین ضمانت کا مشاہدہ کیا جو اس کی نگاہ میں تفریق اختیارات کے اصول پر مبنی تھا۔ تفریق اختیارات کے موجودہ اصول کا خالق مان تس کیو ہے۔ اصلاً اس طرح کی تفریق انگلستان میں نہیں پائی جاتی تھی کیونکہ انتظامی اختیارات بادشاہ کو نہیں ملکہ کابینہ کو حاصل تھے، جو پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی تھی۔

مزید برآں برطانیہ کی عدالتی پارلیمانی کنٹرول سے اس حد تک آزاد نہیں تھی جتنی کہ دستور کے ذریعے تشکیل کی گئی امریکی عدالتیں تھیں۔ مان تس کیو کا نظریہ امریکی انقلاب کے بانیوں میں بہت مقبول ہوا، جو برطانوی گورنروں کی مطلق العنانی اور چیرہ دستی کا تجربہ کرچکے تھے اور اس لیے کابینی نظام کے مخالف تھے۔ امریکی دستور میں تفریق کا اصول اصلاح خیال کے مطابق رکھا گیا کہ حکومت ایک ناگزیر برائی ہے اس لیے اس کے اختیارات کو الگ الگ اداروں میں منقسم کر کے اسی محدود اور کمزور رکھنا چاہیے۔ شہریوں کے حقوق اور

آزادیوں کی حفاظت کی ضمانت اسی تدبیر سے ہو سکتی ہے۔ بہر حال اٹھار ہویں صدی کے حالات میں یہ اصول خواہ کتنا ہی صادق کیوں نہ رہا ہو، آج کے حقائق سے میل نہیں کھاتا۔ اس کی پین مثال یہ ہے کہ انتظامی ضروریات کے پیش نظر کانگریس اپنے قوانین کے ذریعے آزاد کمیشنوں اور بورڈوں کو قانون کا درجہ رکھنے والے ضوابط بنانے اور ناقذ کرنے اور اس طرح نیم عدالتی فرائض انجام دینے کے اختیارات دیتی رہی ہے۔ سپریم کورٹ نے اسے تفرق اختیارات کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا ہے۔

انفارمیشن اینڈ لائبریری نٹ ورک سنٹر // انفلب نٹ // Information and Library Network Centre

کمپیوٹر اور ذرائع ابلاغ میں پیش رفت کی بدولت ایک ملک گیر بلکہ عالمگیر نظام مواصلات کے امکان قوی ہو گئے اس پس منظر میں ملک کے دانشوروں کو معلومات کی فراہمی میں بہتری لانے اور غیر ضروری ایک سے زائد رسائل و کتابوں کو ملک میں آنے سے روکنے کے خاطر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے 1988 میں ملک کی یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور سائنسی تجربہ گاہوں کے کتب خانوں کو ایک نظام میں منسلک کرنے کا منصوبہ بنایا جس سے انفارمیشن اینڈ لائبریری نٹ ورک یا "ان فلب نٹ" کا نام دیا گیا۔ لیکن اتنے بڑے نظام کے لیے جو رقم درکار تھی اس کی فراہمی کی مشکلات کے پیش نظر 1991 میں منصوبہ کے دائرہ کار اور مدت میں ترمیم کی گئی اور اس کے مقاصد درج ذیل قرار پائے:

یونیورسٹی اور تحقیقی اداروں کے کتب خانوں کے کاموں میں کمپیوٹر کے استعمال کا فروغ، تعلیم و تحقیق میں درکار معلومات تک دسترس کی بہتر سہولت اور معلوماتی مواد کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقلی کی ضرورت کے پیش نظر ان کے اندرج کے لیے ضابطہ کار کا فروغ، کتب خانوں اور معلوماتی وسائل مرکز

میں موجود معلوماتی وسائل کو ایک نظام میں منسلک کر کے ان کے استعمال میں شرکت کی سہولت کی فراہمی اور وسائل کے امکانی حد تک وسیع پیمانہ پر استعمال کا فروغ، متلاشی مواد کے لیے بغیر غیر ضروری تاخیر تسلی بخش فراہمی مواد خدمات کا فروغ، 1995 میں یوجی سی نے ان فلپ نٹ کو ایک سوسائٹی کی حیثیت دے کر اسے ایک انٹریونیورسٹی سنٹر بنادیا اور اس کا صدر دفتر احمد آباد میں قائم کیا گیا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے سلسلے میں ادارہ نے اب تک درج ذیل کام کیے ہیں:

ذخیرہ ڈیٹا // Data Base // کی تخلیق یونیورسٹی کتب خانوں میں موجود کتابوں، رسائل اور تحقیقی مقالہ جات ڈیٹا، یونیورسٹی ماہرین مضامین ڈیٹا، یونیورسٹیوں میں زیر تکمیل مقالہ جات کا ڈیٹا، یوجی سی کی ریسروچ، کانفرنس اور اشاعتی اسکیموں کا ڈیٹا

معیار سازی: ڈیٹا کی ہیئت اور تفصیل اندرج کی یونیکو معیار سے مطابقت کی معیار سازی۔ یونیورسٹی ہوم یونیورسٹی کی تشکیل جس کے ذریعہ یونیورسٹیوں کے کورس داخلہ استعداد اور اساتذہ کی تفصیل Home Page // حاصل کی جاسکتی ہے۔

سائنسی رسائل کے صفحہ فہرست مضامین اور مضامین کی تخلیص فراہمی خدمات // پہ خدمت قومی مرکز برائے سائنسی معلومات // بنگلور // کے تعاون سے فراہم کی جاتی ہے //

خود کاری "سافت ویر" کی تخلیق: سول // SOUL // کے نام سے موجود ہے۔ سرج اسٹیشن // مرکز برائے رابطہ انٹرنٹ // : انٹرنٹ سے رابطہ کے لیے سرج اسٹیشن کا قیام، تربیتی سرگرمیاں۔ یونیورسٹی کارکنان کے لیے کمپیوٹر کے ذریعہ کاموں کو انجام دینے کے لیے مختصر المدتی تربیتی پروگرام۔

سالانہ وقفہ سے قوی کنوشن برائے اعلیٰ سطحی تعلیمی اور تحقیقی کتب خانہ کارکنان // 1994 Caliber // سے یہ کنوشن ملک کے کھسی بڑے شہر میں منعقد کیا جاتا ہے جہاں دوران سال پیش رفت کا جائزہ اور تجاویز پر غور ہوتا ہے۔

"ان فلب نرٹ" نیوز لیٹر: سہ ماہی خبرنامہ جس میں ادارہ کی پیش رفت مطبوعات مستقبل کے پروگرام اور ملک کی یونیورسٹیوں میں خود کاری کے میدان میں ہونے والی پیش رفت کا ذکر ہوتا ہے۔

انقلاب: طاقت کی تنظیم اور اس کے استعمال کے تین پرانے طریقوں یعنی پولیس، فوج اور عدالت کے علاوہ دور حاضر میں تین مزید طریقے پائے گئے ہیں۔ فوجی یا سیاسی بغاوت // Group d'etat // تشدد انقلاب اور جنگ۔ ان ساری کارروائیوں میں جملہ عناصر کے ساتھ تشدد ایک لازمی عنصر ہے۔ فوجی یا سیاسی بغاوت سے مراد تھوڑے وقت میں یا ناگہانی طور پر موجودہ حکومت کا تحفظ پلٹنے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی غرض سے کی گئی تشدد ان کارروائی سے ہے۔ مثلاً آج تیسرا دنیا کے ملکوں میں شہری حکومتوں کے خلاف فوج کی بغاوت اور فوجی حکومتوں کے خلاف فوج کے مختلف دھڑوں یا افسروں کی بغاوت اور اقتدار پر قبضہ ایک عام بات ہے۔ بغاوت، انقلاب // Revolution // کا نقطہ ابتدائی بھی ہو سکتی ہے اور بذات خود حکومت پر قبضہ کرنے میں مدد بھی دے سکتی ہے۔ اس سے مراد محض انقلابیوں کا بزور طاقت حکومت کی مشتری پر قبضہ کرنا اور حکمران طبقہ کو معزول کر کے اپنے ہمزاوئں کو اقتدار سے ہمکنار کرنا ہے۔ بغاوت عموماً کمزور یا عوام کی حمایت سے محروم حکومتوں کے خلاف کامیاب ہوتی ہے۔

اس کے برعکس انقلاب زیادہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ انقلاب کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ "یہ نظام حکومت میں بنیادی تبدیلی لانے کی کوشش ہی" لیکن کامیاب انقلاب بنیادی تبدیلی لانے کی کوشش سے بڑھ کر ہے۔ وہ عملاً سارے نظام کو بدل ڈالتا ہے۔ یہ طاقت کے ذریعے اور تیریزی سے اقتدار کے بنیادی ڈھانچہ اور سماج میں فوائد وسائل کی تقسیم کے ڈھرے کو بدل دیتا ہے۔ مثلاً تحریک اصلاح // Reformation //، انقلاب انگلستان // 1788 //، انقلاب امریکا // 1776 //، انقلاب فرانس // 1689 //، بالشویک انقلاب روس // 1917 //، انقلاب چین // 1949 //، انقلاب مصر // 1950 //، انقلاب کیوبا // 1957 //، اور انقلاب عراق // 1958 //، کے نتیجہ میں نہ صرف متعلقہ ملکوں کا نظام حکومت بدل گیا بلکہ دور رسم اجتماعی، اقتصادی اور تہذیبی تبدیلیاں بھی واقع ہوئیں۔

ہر انقلاب کے پس پشت کچھ عوامل کا فرمایا ہوتے ہیں جو عملی انقلاب کے رو نما ہونے سے پہلے انقلابی گروہ یا طبقہ یا پارٹی کو اس کے لیے تیار کرتے ہیں۔ انقلاب کے تمام اسباب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں لیکن کلیرنس برلن نے اپنی کتاب "انقلاب کی تشریح بدنسی" // 1952 // میں تمام عظیم انقلابات کا مطالعہ کر کے عمومی تجزیہ کیا ہے کہ انقلابی حالات قدیم نظام کے حکمران طبقہ کی نااہلی یا معاشی بحران یا جنگ یا کسی اور غیر معمولی خلفشار اگلیز عوامل کے نتیجہ میں مکمل یا جزوی شکست کے بعد رو نما ہوتے ہیں۔ ابتداء میں انقلاب کے آثار کچھ زیادہ نمایاں نہیں ہوتے۔ رفتہ رفتہ سماجی کشیدگیاں اور دباؤ بڑھتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب یہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو سیاسی نظام ٹوٹ کر منتشر ہو جاتا ہے۔ حکومت اور جواز حکومت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ حکومت اپنے بچے کھلے اقتدار کو سنبھالنے کے لیے زیادہ سے زیادہ جبر و تشدد سے کام لیتی ہے

جس سے اس کا اقتدار اور بھی محدود ہو جاتا ہے۔ اس اتنا میں ایسے گروہ طاقت اور اثر حاصل کر لیتے ہیں جو اب تک غیر معروف تھے۔ ایسے گروہ موجودہ نظام کا تختہ پلٹن اور اس کی جگہ نیا نظام قائم کرنے کے علاوی مقصد کے ساتھ انقلابی تحریکوں کی شکل میں ہر طرف پھیل جاتے ہیں۔

ہر انقلاب کی پشت پر پرانے انتظام کی جگہ کسی مادی یا اخلاقی قدر کی از سرنو تقسیم کا کوئی محرك ضرور ہوتا ہے۔ ہر انقلاب کی پشت پر ممنظم طاقت، ممنظم گروہی مفادات اور گروہی حرکات کار فرما ہوتے ہیں۔

انقلابات طبقاتی، قومی، علاقائی یا زہبی اختلافات اور کشمکش سے رونما ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں خانگی خلفشار کا سب سے بڑا سبب طبقاتی کشمکش ہے۔ کبھی انقلاب کے رونما ہونے کے بعد اس طرح کے گروہ جو پرانے نظام کے ٹوٹنے سے متاثر ہوتے ہیں یا جنہیں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے، باہم مجتمع ہو کر انقلاب کو واقع ہونے سے روکتے ہیں یا اگر وہ واقع ہو چکا ہے تو اس کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کارروائی کو "مراحت" یا "جوabi انقلاب" // Counter Revolution // سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انقلاب کے مختلف نظریات افلاطون و ارسطو کے زمانہ سے لے کر قرون وسطیٰ اور انیسویں صدی تک پائے گئے ہیں۔ موجودہ دور کے نظریات میں حریت پسندانہ جمہوری نظریہ، پرولتاری، اشتراکی، کمپونسٹ نظریہ اور شاخیں یعنی مارکسیت، لینینیت، ٹرائسکیت، ماؤئیت، ٹیٹیویت، کاسٹرویت، یورپی کمپونسٹوں کے دستوری پرولتاری انقلاب کا نظریہ، اور فسطائیت اور قومی اشتراکیت کے نظریے قابل ذکر ہیں۔

اولی گوپولی // Oligopoly // : دیکھیے چند اجراء۔

ایجاد // Offer // : کسی معاہدے کی بنیاد وہ ایجاد // Offer // ہے جو کسی شخص کی جانب سے کیا جائے یا وہ اعلان ہے جو کسی کام کے کیے جانے کے متعلق مشتہر کیا جائے۔ مثلاً یہ اعلان کہ اگر کوئی شخص یہ کام کرے تو اسے العام دیا جائے گا۔ ایجاد // Offer // کی تعریف میں ہوگا۔ اگر کوئی ایجاد // قبول // Accept // کر لیا جائے تو وہ معاہدے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ جس میں چند شرائط کے ساتھ یا بغیر کسی شرط کے اس کام کے کیے جانے کا مختص وعدہ کیا گیا ہو۔ کسی ایجاد کے قبول کے جانے کی صورت میں ایجاد کنندہ کو اس کا اختیار ہے کہ وہ اس قبول سے اتفاق کرے یا نہ کرے یہ بات مختلف عدالتی فیصلہ جات سے صاف ہو گئی ہے کہ فروخت شدنی سامان کی فہرست کی اشاعت ایجاد نہیں ہے بلکہ ایجاد کی ایک ترغیب ہے۔ اس امر کے متعلق اگرچہ عدالتی فیصلے مختلف ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سامان جو قیمت کی سلپ کے ساتھ دکان پر رکھا جاتا ہے۔ دراصل اس دام پر سامان فروخت کرنے کی ایجاد نہیں سمجھا جائے گا۔

ایڈورڈ برنسٹ ٹائلر // Edward Burnett Tylor, // 1832-1917 : مشہور انگریز ماہر انسانیات اور علم الاقوام ہے۔ 1855 میں خرابی صحت کی وجہ سے اسے لندن چھوڑنا پڑا اور تبدیلی آب و ہوا کے خیال سے وہ امریکا گیا۔ یہاں سے اس کی سفری زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ میکسیکو اور دوسرے مقالات کی مقامی اور قبائی زندگی کا اس نے بغور مطالعہ کیا۔ اس کی تصنیفات ماہر انسانیاتی اور ثقافتی تجزیوں سے بھرپور ہیں جن میں انسان کی ابتدائی تاریخ کی تحقیقات 1865 میں Researches into the Early History // اور انسانیات // Anthropology // کی تحقیقات میں 1871 مشہور ہیں۔ انسانیاتی of Mankind

مطالعہ میں ٹائلر نے تقابلی طریقہ تحقیق پر زور دیا ہے۔ ٹائلر ثقافت میں یک خطی // Unilinear // ارتقاء کا قائل نہیں تھا۔ اسے بجا طور پر سے انیسویں صدی میں ثقافت کے ہمہ جہتی ارتقائی نقطہ نظر کا رہنا سمجھا جاسکتا ہے۔ ٹائلر نے امریکا میں ثقافتی انسانیات کی بنیاد ڈالی۔ اسے برطانیہ میں انسانیات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ ٹائلر کے عالمانہ مشاہدوں نے انسانیات اور علم الاقوام میں اس کو بہت شہرت دی ہے۔

ایس۔ آر۔ رنگانا تھن : ہندستان میں کتب خانہ کی ہمہ جہت توسعی کے دورِ جدید کے محک افراد کی فہرست میں راؤ صاحب پدم شری سیالی راماریت رنگانا تھن // Siali Ramamrit Ranganathan // کا نام

سر فہرست ہوگا۔ ان کی سرگرمیوں کا دائیرہ کتب خانہ خدمات میں نئے انداز کے تعارف، علم کتب خانہ کے لیے نظری اساس کی تعمیر و تفہیم، کتب خانہ کے کاموں کے فنی پہلوؤں کی معیار بندی، کتب خانہ عمارت اور فریضی کے لیے معیار بندی، ملک میں توسعی کتب خانہ کے لیے منصوبہ بندی، عوامی کتب خانہ قوانین کا خالہ، علم کتب خانہ کی تعلیم کے لیے نصاب کی تشکیل، غرض کتب خانہ اور علم کتب خانہ کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے۔

ہندستان میں اعلیٰ سطح پر علم کتب خانہ کی یہ بانی "شخصیت 9 اگست 1882" کو تبحور ضلع کے سیالی تعلقہ میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم ریاضی میں حاصل کر کے رنگانا تھن صاحب نے اپنی ملازمت کی زندگی کا آغاز گورنمنٹ کلچ منگلور میں ریاضی کے استاد کی حیثیت سے شروع کیا۔ لیکن قدرت کو ان سے جو کام لینا تھا وہ کچھ اور تھا چنانچہ 1924 میں مدراس یونیورسٹی نے انھیں اپنا لاعبریرین منتخب کر کے اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیج دیا۔ لندن یونیورسٹی میں علم کتب خانہ کی تعلیم کے دوران انھوں نے وہاں مختلف شہروں میں موجود کتب خانہ کے کاموں اور ان کی سماجی خدمات کو بغور دیکھا۔ لیکن جس چیز نے انھیں سب

سے زیادہ متوجہ کیا وہ مروجہ درجہ بندی ضابطہ تھا جس کے مطابق کتاب کے علامتی نشان کی تشكیل کرنے والے کارول بہت محدود تھا اور نتیجہ میں کتاب کے نفس مضمون کو علامتی نشان کے ذریعہ پورے طور پر نہیں ظاہر کیا جاسکتا تھا۔ انگلینڈ میں رنگانا تھن نے چوں کے کھلو نے دیکھے جن کے اجزاء کو جوڑ حسب منشاء شکلیں بنائی جاسکتی تھیں۔ اس مثال کو بنیاد بنا کر انہوں نے درجہ بندی کا ایک ضابطہ ترتیب دیا جس میں ہر مضمون / شعبہ علم کو بنیادی مجرد خیال کی سطح پر پارچ خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا تھا اور کسی بھی کتاب یا رسالہ کے مضمون کو درج بند کرنے میں مجرد خیال کے اظہار کے عنوانات کو کولن // کی علامت کی مدد سے جوڑ کر اس کا علامتی نشان تشكیل دیا جاسکتا تھا۔ کولن کلاسی فیکیشن کے نام سے یہ ضابطہ 1931 میں پہلی بار شائع ہوا اور اب اس کے ساتوں ایڈیشن کا ایک حصہ شائع ہو چکا ہے۔

رنگانا تھن کا بنیادی خیال کہ مضمون کے اجزاء کو معین خانوں میں تقسیم اور پھر ان کو ضرورت کے مطابق جوڑ کر علامتی نشان بنانا تجزیاتی امتزاج // Analytico-Synthetic // نظریہ درجہ بندی کی اساس بنا اور درجہ بندی ضابطہ کی تشكیل کے عمل کو ایک نئی راہ ملی۔ مغربی دنیا کے ماہر علم کتب خانہ کو لون درجہ بندی ضابطہ کے بنیادی فلسفہ سے بہت متاثر ہوئے اور ان اصولوں پر مزید تحقیق کے لیے "درجہ بندی تحقیق گروپ" // تشكیل کیا گیا۔ // Classification Research Group

ڈاکٹر رنگانا تھن نے فہرست سازی کے ضابطے بھی مرتب کیے۔ ان کی کتاب درجہ بند فہرست سازی کتب خانہ ضابطہ // Classified Catalogue Code // مطبوعہ کے بنیادی اصولوں کی جملہ 1961 میں پیرس میں منعقد بین الاقوامی فہرست سازی کتب خانہ کانفرنس کی سفارشات میں صاف جملکتی ہے۔

رنگانا تھن کی کوششوں سے یونیسکو نے ایک معیاری عوامی کتب خانہ پراجیکٹ کے تحت 1951 میں دہلی

پبلک لائبریری قائم کی اور سائنس کے موضوعات پر حوالہ جاتی خدمت کی فراہمی کی لیے انڈین نیشنل

سائنسٹک ڈاکو میٹنیشن سنٹر یا انسڈاک // Indian National Scientific Documentation

Centre, Delhi // قائم کرنے میں تکنیکی ساز و سامان و مہرین کی خدمات فراہم کیں۔

علم کتب خانہ کی تعلیم کے فروغ میں رنگانا تھن کا روپ بہت اہم رہا ہے۔ انہوں نے نہ صرف مدراس،

بنارس، دہلی اور کرم یونیورسٹی اجین میں شعبہ برائے تدریس و تربیت لائبریری سائنس میں لائبریری سائنس

کی تدریسی خدمات انجام دیں بلکہ یونیورسٹی گرائیس ٹکنیشن کے ایسا پراس کانصب مرتب کیا اور یونیورسٹی و

کل الج لائبریری کے لیے درکار اسٹاف کی تعداد کے تعین کا معیاری فارمولہ مرتب کیا۔ انڈین اسٹینڈرڈ انسٹی

ٹیوٹ کے ساتھ مل کر درجہ بندی اور فہرست سازی کی اصطلاحات کی تعریف مرتب کی اور فرینچر کا معیار

متعین کیا۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں انہوں نے بنگلور میں انڈین اسٹیٹیوٹ انسٹی ٹیوٹ // Indian

کے تعاون سے ڈاکو میٹنیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ سنٹر // DRTC // قائم

کیا۔ ملک میں کتب خانہ تحریک کے فروغ کے لیے برسوں انڈین لائبریری ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت

سے کانفرنسوں کا انعقاد کیا جہاں لائبریری کے مسائل پر غور و فکر کے ذریعہ راہیں تلاش کی گئیں۔ عوامی

کتب خانہ کے لیے قانون سازی کے میدان میں مدراس پبلک لائبریری ایکٹ کا مسودہ تیار کیا جو 1948 میں

ملک میں عوامی کتب خانہ کا پہلا قانون بننا۔ ملک کے لیے ماذل پبلک لائبریری ایکٹ کا مسودہ بھی تیار کیا۔

کتب خانہ کی جملہ خدمات کے دائرہ کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے درج ذیل پانچ نکاتی کلیہ وضع کیا:

کتابیں پڑھنے کے لیے ہیں // Books are for use //

ہر قاری کو اس کی درکار کتاب ملے // Every reader has his book //

ہر کتاب کو اس کا موزوں قاری ملے // Every book has its reader //

قاری کے اوقات کی بچت کریں // Save the time of reader //

کتب خانہ ایک افزائش پذیر عضویہ ہے // Library is a growing organism //

ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کر کے یونیسکو نے اپنے کتابیاتی پروگراموں میں انھیں اپنا مشیر بنایا، انٹرنیشنل فیڈریشن برائے ڈکومنٹیشن // FID // نے اپنا نائب صدر منتخب کیا۔ دہلی اور پس برج یونیورسٹیوں نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں۔ حکومت ہند نے نیشنل پروفیسر برائے لائبریری سائنس تاحیات بنایا اور پدم شری کا اعزاز عطا کیا۔ دنیا بھر میں ہندستان کا نام روشن کرنے والے بیس سے زیادہ کتابوں اور ہزاروں مضافات کے مصنف، اپنی زندگی بھر کی کمائی یونیورسٹیوں میں علم کتب خانہ کی تعلیم کے لیے وقف کرنے والے اس نخیر انسان نے 27 ستمبر 1972 کو بنگلور میں اپنی زندگی کے آخری سانس پورے کر لیے۔

ایشیائی ترقیاتی بینک // Asian Development Bank, ADB // : یہ بینک اقوام متحدہ کے اقتصادی مکیشن برائے ایشیا کے زیر انتظام قائم کیا گیا۔ اس نے دسمبر 1966 میں کام کرنا شروع کیا۔ اس میں کل 56 ممالک شامل ہیں جن میں سے 40 علاقوائی رکن اور 16 غیر علاقوائی ارکان ہیں۔ اس کا قیام ایشیائی اور بھر اکاہل کے علاقوں میں اقتصادی و سماجی ترقی کو فروغ دینے کے لیے عمل میں آیا تھا۔ اس کے مقاصد میں اقتصادی ترقی کو فروغ دینا، غربی کم کرنا، خواتین کی حیثیت کو بہتر بنانا، انسانی ترقی کو مسحکم کرنا، آبادی کی

منصوبہ بندی کرنا اور ماحولیات کا تحفظ کرنا شامل ہے۔ بینک مالی امداد کے لیے علاقائی اور قومی منصوبوں اور پروجیکٹوں کو فوکس دیتا ہے۔ مالی امداد کے علاوہ اس کے پروگرام میں تکنیکی مشاورتی امداد اور اقوام متحده کی تحقیقی انجنسیوں کے تعاون کا حصول بھی شامل ہے۔ یہ چھوٹے اور کم ترقی یافتہ ملکوں کی ضرورتوں پر خصوصی توجہ صرف کرتا ہے۔

بینک کا اعلیٰ ترین پالیسی ساز ادارہ اس کا بورڈ آف گورنر ہے جس کی نشست ہر سال ہوتی ہے۔ 12 رکنی بورڈ آف ڈائریکٹریس اس کی مجلس انتظامیہ ہے۔ سات مختلف ملکوں میں بینک کا مشن بھی قائم ہیں۔ ان کے علاوہ تین نمائندہ دفاتر بھی ہیں۔

اس کا صدر مقام سنیلا // فلپائن // میں ہے۔

ایف. بی. آئی // F.B.I. // : فیڈرل بیورو آف انسلیگیشن امریکا کی وزارت انصاف کا ایک حصہ ہے۔ اس کا کام ملکی مفاد کے لیے خفیہ معلومات جمع کرنا اور خفیہ تحقیقات کرنا ہے۔ یہ ادارہ 1908 میں قائم ہوا تھا۔ 1924 میں جب ایڈگر ہوور اس کے ڈائرکٹر بنے تو امریکی کانگریس نے اس کی ذمہ داریاں اور اختیارات کافی بڑھادیے اور پھر یہ بڑھتے ہی رہے۔ 1933 میں اس کی جدید تنظیم ہوئی اور اختیارات اور بھی بڑھ گئے۔ اسی زمانہ میں اس نے ہوور کی سرکردگی میں مستظم جرائم پیشہ وروں کے خلاف زبردست مورچہ لیا اور انھیں کچلنے کی کوشش کی۔ اسی زمانہ میں امریکا میں شراب پر پابندی لگی ہوئی تھی۔ اس پابندی کو ناکام بنانے اور خفیہ طور پر شراب بنانے اور درآمد کرنے میں ان جرائم پیشہ لوگوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے خلاف بھی ایف بی آئی نے زبردست مہم چلائی۔

ایف بی آئی کے فرائض میں امریکی قوانین کی خلاف ورزیوں کے بارے میں تحقیقات کرنا، ملک کے اندر ورنی تحفظ کے لیے بغاوتوں اور سازشوں وغیرہ پر نظر رکھنا شامل ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ساری دنیا میں باسیں بازو کی لہر اٹھی تو اسے کیلنے میں اس محکمہ نے کافی حصہ لیا۔ واٹرگیٹ افیر کے تعلق سے سابق صدر امریکا رچرڈ ایم نکسن کے بارے میں تحقیقات کے دوران یہ بھی انکشاف ہوا کہ یہ ادارہ ملک کی اندر ورنی سیاست میں بھی کافی لجھا رہا ہے۔

ایک سے زائد مدعا یا درخواست گزار کی صورت میں کسی ایک کی ناقابلیت: جب ایک سے زیادہ اشخاص مشترکہ طور پر کوئی مقدمہ رجوع کرنے یا ڈگری کی تعییل کی درخواست پیش کرنے کے حقدار ہوں اور ان میں سے کسی ایک میں کوئی ناقابلیت متذکرہ بالا ہو اور اسے ناقابل کی رضامندی کے بغیر دادرس دی جاسکتی ہو تو ان سب کے مقابلہ میں میعاد اس طرح محسوب ہوگی گویا کسی ایک شخص میں ناقابلیت نہ تھی لیکن جب ایسی دادرسی نہ دی جاسکتی ہو تو ان میں سے کسی کے مقابلہ میں میعاد محسوب نہ ہوگی جب تک کہ ان میں سے کوئی اس قابل نہ ہو جائے کہ دیگر کی بلا رضامندی دادرس لے سکے یا جب تک کہ ناقابلیت رفع نہ ہو جائے۔

ایلس کننگھم فلیچر // 1838-1923 : ایلس Cunningham Fletcher، ایلس فلیچر مشہور امریکن ماہر علم الاقوام تھی جو اپنے والدین کے عارضی قیام کے دوران کیوبا میں پیدا ہوئی۔ اس نے علم الاقوام اور علم اثار قدیمہ میں ہاروارڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ایلس فلیچر کو امریکن انڈین قبائل سے بہت دلچسپی تھی۔ ان قبائل کی خوشحالی اور ان کے حقوق کے لیے اس نے بہت کام کیے۔ اس کا یہ نظریہ تھا کہ نہ صرف ریڑ انڈین کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں بلکہ انھیں آہستہ آہستہ امریکن ثقافت میں جذب ہونے کی

سہولت بھی فراہم ہونی چاہیے۔ امریکی قبائلی زندگی اور ان کے مذہب پر اس نے تحقیقی کام کیے ہیں۔ 1890 میں اس نے واشنگٹن میں مستقل سکونت اختیار کی جہاں وہ خواتین کی انسانیاتی سوسائٹی // Women's Anthropological Society کی رکن بنی اور 1890 میں اس کی صدر ہوئی۔ ایلس فلیچر کا انتقال // 85 // برس کی عمر میں ہوا اور وہ اپنی زندگی ہی میں انسانیات اور علم الاقوام میں ایک مثالی عالما نہ مقام حاصل کر چکی تھی اور ان علوم میں تحقیق کی ترقی کے لیے اس کی خدمات قابل قدر ہیں۔ وہ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھتی تھیں جو علم سماجیات اور انسانیات کے درمیان فرق کو اہمیت نہیں دیتا ہے۔ ایم. جی. ہر سکووٹر // M.J. Horskovits, 1895-1963 : ہر سکووٹر مشہور جدید امریکی ماہر انسانیات ہے۔ وہ 1895 میں پیدا ہوا اور 1963 میں اس کا انتقال ہوا۔ ہر سکووٹر کے تصور انسانیات کو سمجھنے کے لیے دونکات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

// 1 // پہلا یہ کہ وہ انسان دوست تھا اور اسے مجموعی تمدنی بر تاؤس سے دلچسپی تھی۔ // 2 // دوسرا یہ کہ ہر سکووٹر کا خیال تھا کہ صرف استقرائی طریقہ تحقیق ہی انسانیات کے لیے موزوں ہو سکتا ہے۔ ان دونوں افکار کی تشكیل میں ہر سکووٹر پر فرانزیز باز کا بہت گہرا اثر پڑا ہے جو کو لمبیا یونیورسٹی میں اس کا استاد تھا۔

ہر سکووٹر کی سب سے مشہور اور جامع کتاب Man and His Work // انسان اور اس کے کام // ہے جو 1948 میں شائع ہوئی اور بعد میں پھر ترجمیم اور اختصار کے ساتھ "تمدنی انسانیات" کے عنوان سے 1955 میں شائع ہوئی۔ ہر سکووٹر کے پیش نظر تمدن کا ایک بہت ہی وسیع اور جامع تصور تھا جس میں انسان کی کرداری اور نظریاتی زندگی کے دونوں پہلو شامل ہیں۔ ہر سکووٹر نے تمدن کی توضیح کے لیے تاریخ کی اہمیت

پر زور دیا کیونکہ اس کے بغیر تمدنی تبدیلی کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ تمدن کے مختلف رجحانات ان کی تاویل ان کی بقا اور نئے امتزاجات کو تاریخی زاویوں کے بغیر سمجھنا مشکل ہے۔

افریقہ میں ریسرچ کے دوران ہر سکووٹر نے ماضی اور حال کے تمدنی تسلسل پر بہت زیادہ زور دیا ہے وہ اطلاقی انسانیات کا اتنا زیادہ قائل نہیں تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ہر ایک تمدن اپنا ایک انفرادی پیچیدہ پس منظر اور ماحول رکھتا ہے جس کو خارجی افکار یا نظریات کے سانچہ میں ڈھالنا مناسب نہیں ہے۔ وہ تمدنی اضافیت کا قائل تھا۔ اس نے سب سے زیادہ کوشش اس بات کی کہ اپنی تحقیقات میں مختلف قبائل کے تمدنی عوامل کا انتہائی گہرا جائزہ لیا جائے تاکہ انسانی برداشت اور رجحانات کے تعلق سے اگر ممکن ہو تو آفاقی اصول اپنائے جاسکیں۔

ہر سکووٹر نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی آخری مشہور کتاب "The Human Factor in Changing Africa" // بدلتے ہوئے افریقہ میں انسانی عوامل // ہے جو 1962 میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل اس کی بے پناہ و سیع انسانیاتی معلومات کا خلاصہ یا چوڑ ہے۔ ہر سکووٹر قدیم تقاضوں کی بازیافت کے لیے مشہور ہے۔

ایمائل درکھائم // Emile Durkheim : ایمائل درکھائم // 1858 تا 1917 // دور جدید کا عظیم فرانسیسی ماہر سماجیات گزر اے جس نے سماجی علوم میں تحقیقی فکر و نظر کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے چنانچہ ٹالکٹ پارسنس // Talcott Parsons جیسے مشہور امریکی سماجیات داں کی رائے میں درکھائم

کا شمار ان پہلے دو عظیم سماجیات دانوں میں کیا جاسکتا ہے جنہوں نے سماجیات کے نظریات کی بنیادیں مسمح کیں۔ دوسرا سماجیات دان جرمن مفکر میکس ویر // Max Waber // ہے۔

درکھائیم کی چار تصانیف اساسی نوعیت کی حامل ہیں۔ // 1 // 'سماج میں طبقاتی تقسیم' 1893 میں شائع ہوئی۔ // 2 // 'سماجیاتی تحقیق کے اصول' 1895 میں، // 3 // 'خود کشی' 1897 میں اور // 4 //

'ندہبی زندگی کی ابتدائی اشکال' 1912 میں شائع ہوئی اس کے علاوہ درکھائیم نے بے شمار مضامین مقائلے اور لکھ رکھے تھے جو اس کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ پہلے بورڈیو کس یونیورسٹی میں اور بعد میں سوربون یونیورسٹی میں درکھائیم سماجیات کا پروفیسر رہا۔ سماجیات میں درکھائیم کی تخلیقی فکر کا بہت بڑا روپ رہا ہے۔

بہت سے اہم سماجی تصورات اور اصطلاحات کی اختزاع اور اس کی توضیح و تشریح اس کا کارنامہ ہیں۔ سماجی حقیقت // Social Fact // کی جتنی ساعنٹھک اور جامع تشریح درکھائیم نے کی ہے اس سے سماجیاتی

تحقیق کے طریقوں میں جدید زاویوں کے اضافہ میں مدد ملی ہے۔ سماجیاتی تحقیق کے اصول میں درکھائیم نے تجزیاتی فکر و انداز پر بڑی عالمانہ روشنی ڈالی ہے۔ درکھائیم کو سمجھنے کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس کی

فکر پر انگریزی تجرباتی انداز اور افادیت پسندی کے ساتھ ساتھ جرمن مثالیت کا گہرا اثر پڑا ہے۔ اور ان دونوں کے بین بین درکھائیم نے ایک نئے انداز فکر کی بنیاد ڈالی ہے۔ درکھائیم کا ایک اہم کارنامہ نظریہ تمدن

ہے جس میں اس نے 'اجتماعی نمائندگی' // Collective Representation // کی تصور سے بحث

کی ہے۔ اس نے مادی اور غیر مادی تمدن یعنی تہذیب اور تمدن کے آپسی امتیاز کو سماجی تبدیلی کے دوران ملحوظ رکھنے پر زور دیا ہے۔ درکھائیم کی سماجیاتی فکر کو سمجھنے کے لیے یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس کی

تحیرات میں تمدن کے مقابلی اور ارتقائی پہلو دونوں اہمیت کے حامل ہیں۔ اور ان دونوں میں درکھائیم نے تمدنی اور علاماتی یا رمزی عناصر کو زیادہ قابل توجہ قرار دیا ہے۔ جدید سماجیاتی فکر کی تشکیل و ارتقاء میں درکھائیم کی تخلیقات کا سب سے زیادہ اثر رہا ہے۔ ان کی وفات کے بعد 'تعلیم کی سماجیات' اور 'تعلیم میں اخلاقیات' وغیرہ اس کے کچھ اور مقالے شائع ہوئے۔

درکھائیم کے سماجی تصورات میں سماجی حقیقت کو ایک 'چیز یا شی' سمجھا گیا ہے۔ جس کی دو خصوصیات ہیں، ایک خارجی ساخت اور دوسری اس کا موضوعاتی // Subjective // نہ ہو کر ٹھوس سائنسی حقیقت ہونا۔ اس کا مفہوم ہے کہ سماجی حقیقت کسی عالم کی اپنی سوچ نہیں ہے بلکہ وہ کئی لوگوں کے ذریعہ محسوس کی گئی اور اجتماعی شعوری فکر // Collective Consciousness // پر مبنی ہے۔

اجتماعی نمائندگی کا فلسفہ بھی اسی کا ایک پہلو ہے۔ ہر سماج میں کئی نظریے، جذبات اور احساسات دوسرے سماج سے الگ ہوتے ہیں اور وہ سماج کی اکثریت پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ ہر سماج کے لیے معیار مقرر کرتے ہیں اور سماجی دباؤ اور کنٹرول قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ کچھ فرد ان معیاروں کو رد کر سکتے ہیں لیکن اکثریت کی اہمیت غالب رہتی ہے اور ان معیاروں کا کنٹرول قائم رہتا ہے۔ سماج میں طبقاتی تقسیم نامی مقالے میں انہوں نے الگ الگ کاموں کے لیے الگ الگ طبقے کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ تقسیم کاری علاحدگی پسندی کو جنم ضرور دیتی ہے لیکن سماج کے تمام گروہوں اور اکائیوں کے درمیان ایک دوسرے سے تعلق اور انحصار بھی پیدا کرتی ہے۔

‘مذہبی زندگی کی ابتدائی اشکال’ میں انھوں نے سماج کو مذہب کی پیدائش کا سبب مانا ہے۔ ان کے خیال میں مذہب صرف سماج میں ایکتا پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ انھوں نے ٹوٹم کو مذہب کی ابتدائی شکل بتایا ہے اور مذہب کی کسی قسم کی روحانی اہمیت سے انھوں نے انکار کیا ہے۔

انھوں نے خودکشی کی جو تھیوری پیش کی ہے وہ ان کی کتاب ‘خودکشی’ // Le Suicide // میں موجود ہے۔ خودکشی ایک سماجی واقعہ ہے صرف غربی اور مایوسی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق مندرجہ ذیل خودکشی کی شکلیں ہو سکتی ہیں۔

1 // آنا پر محصر خودکشی // Egoistic Suicide // : جب معاشرہ انسان کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور کسی خطایا جرم کے سبب اس کا بائیکاٹ کیا جاتا ہے تو وہ اکثر سماج کو چھوڑ کر اس کی لفی کر سکتا ہے اور پوری طرح معاشرے سے دوری صرف خودکشی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

2 // بے غرض خودکشی // Altruistic Suicide // : یہ وہ صورت حال ہوتی ہے جب کوئی فرد واحد کسی خاص معاشرتی مقصد کے حصول کے لیے یہ اپنی قربانی دیتا ہے۔ سنتی، انسانی، بم وغیرہ اس قسم کی ہی خودکشی ہوتی ہیں۔

3 // غیر فطری دباء کے تحت خودکشی // Anomiqui Suicide // : زندگی میں اچانک ہونے والی تبدیلیاں کچھ لوگوں کے لیے بے حد گھٹن پیدا کرتی ہیں۔ اچانک کسی امیر آدمی کے لیے دیوالیہ بن جانا ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے اور وہ اسے جھیل نہ پانے کے سبب وہ دنیا چھوڑ سکتا ہے۔

درکھائیم کے کچھ اور نظریہ بھی بہت مشہور ہوئے مثلاً علم کی سماجیات اور سماجی تبدیلی۔ علم کی سماجیات میں انھوں نے اجتماعی انداز فکر کو ہر قسم علم اور تحقیق کی بنیاد بنا دیا ہے۔ سماجی تبدیلی کے لیے انھوں نے انحرافی برtaو اور سماج میں ہونے والی غیر ممنظم تحریکات کو ذمے دار قرار دیا ہے۔ سماج میں گٹبڑ سے انسان کے اندر بھی مایوسی اور منفی انداز فکر پیدا ہوتا ہے اور وہ انحرافی برtaو پر اتر آتا ہے۔

محصر اگر کھائیم وہ مفکر ہیں جنہوں نے سماج کو سب سے اہم اور مرکزی قوت کی شکل میں پیش کیا ہے۔ سماجیات کے مفکر کے طور پر ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سماجیات کو ایک تحقیقی سائنس کی شکل دینے میں ان کی کوششوں کا خصوصی روں ہے۔

اہل الذمہ: اہل اور ذمہ دولفظوں سے مرکب ہے۔ ذمہ عہد پناہ ضمانت حق اور حرمت کے معنی میں ہے اہل الذمہ ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کا اطلاق اسلامی حکومت میں آباد غیر مسلم لوگوں پر ہوتا ہے۔ چونکہ یہ غیر مسلم مسلمانوں کے حفظ و لامان اور عہدو پناہ میں ہوتے ہیں اور اسلامی حکومت ان کے ہر قسم کے تحفظ کی ذمہ دار اور ضامن ہوتی ہے۔ اس لیے ان کو اہل الذمہ یا ذمی کہا جاتا ہے۔ اس ذمہ داری اور حفاظت کے معاوضہ میں اسلامی حکومت ان سے جو ٹیکس و صول کرتی ہے اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ مگر یہ ٹیکس بھی ان ہی لوگوں سے لیا جاتا ہے جو واقعی دینے کے قابل ہوتے ہیں۔ بچے، بوڑھے، عورتیں دوسرے مجبور، معذور اشخاص اور غریب لوگ اس سے مستثنی ہیں۔

اسلام میں ہر مسلمان پر جنگی خدمت فرض ہے لیکن جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت شہری زندگی گزارتے ہیں اس نے ایک نظم مقرر کر دیا کہ جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ جنگ میں شرکت سے مستثنی کر دیے

جائیں اور اگر وہ جنگ میں بخوبی شریک ہوں تو ان سے جزیہ نہ لیا جائے یہ ٹیکس مسلمانوں سے نہیں لیا جاتا اور ان پر دوسرا طرح کے ٹیکسون کا بوجھ چنانچہ وہ زکوٰۃ دیتے، عام صدقات و خیرات میں حصہ لیتے پینعلاوہ ازیں جنگ پیش آنے کی صورت میں اس کا بوجھ بھی اٹھاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں غیر مسلم شہریوں سے نہ صرف جزیہ لیا جاتا ہے جس کے عوض میں ان کو گوناگوں حقوق دیے گئے ہیں جیسے اگر دشمن ان پر حملہ آور ہوئے تو ان کی مدافعت کی جائے گی۔ ان کو ان کے مذہب سے برگشته نہ کیا جائے گا بلکہ ہر طرح کی مذہبی آزادی دی جائے گی۔ ان کی عبادت گاہیں مسماں نہ کی جائیں گی، ان کو ناقوس اور سنکھ بجانے کی اجازت ہوگی۔ جزیہ وصول کرنے والے ان کے پاس جا کر جزیہ لیں گے وہ خود محلیں کے پاس جزیہ دینے نہ آئینگے۔ ان کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ ہوگی، ان کی زمین جائزداد محفوظ رہے گی اور ان کے قبضہ میں باقی رہے گی۔ ان کو ان سے بے دخل نہ کیا جائے گا۔ ان سے عشر اور زکوٰۃ نہ لی جائیں گی۔ جو حقوق پہلے سے حاصل تھے ان کو سلب نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان ان کو قتل کرے گا تو ان کو قصاص لینے کا حق ہوگا اور اس کے بدالے مسلمان قتل کر دیا جائی گا۔ غرض مسلمان اور ذمی میں کسی طرح کا فرق و انتیاز نہ برداشت جائے گا اور نہ ان کا درجہ و مرتبہ مسلمانوں سے کم ہوگا۔

اہل سنت // حنفی // : مسلمانوں کے مشہور اور بڑے فقہی مکاتب چار ہیں ان میں سب سے قدیم حنفی ہے اس کی نسبت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کی طرف ہے جو 80ھ میں پیدا ہوئے اور 150ھ میں وفات پائی۔

حنفی مسلک کی نشوونما امام ابوحنینہ کے وطن کوفہ میں ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ عراق کے تمام شہروں میں پھیل گیا۔ پھر نواحی بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، فرغانہ، بلاد فارس اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں اس کی اشاعت ہوئی۔ امام ابویوسف کوہارون رشید نے قاضی القضاۃ مقرر کیا تو مالک محروسہ عباسیہ میں ان کے اثر سے یہاں کے تمام لوگوں کا اس مسلک پر عمل کرنے لگے۔ ترکی میں اس کی حیثیت سرکاری مسلک کی ہو گئی تھی۔ عثمانی سلطنت کا بھی یہی مسلک تھا اور اس کے زیر حکومت ملکوں میں محکمہ عدل و قضائیں حنفی مسلک ہی پر عمل ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں ترکی، شام، عراق، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان وغیرہ میں حنفیوں کی کثرت ہے اور امت کے سواد اعظم کا اس مکتب پر عمل ہے۔

عقائد میں احناف امام الہدی ابو منصور محمد ماتریدی حنفی کے متبع ہیں۔ حنفی مکتب کے متعلق مزید تفصیل امام ابوحنینہ اور صاحبین کے زیر عنوان بھی ملے گی۔